محمد شوقی
تالیف
خواجہ رضی حیدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

خواجہ رضی حیدر

سورتی اکیڈمی

۲/ڈی-۵/۱۶، ناظم آباد نمبر۲۔ کراچی

نام کتاب ـــــ تذکرۂ محدث سورتی
تالیف ـــــ خواجہ رضی حیدر
کتابت ـــــ محمد اظہر القدوس ہاشمی اور غلام محی الدین
پروف ریڈنگ ـــــ مولانا اشرف الحامدی اور محمد یوسف عثمانی
تزئین و آرائش ـــــ محمد علی خان اور وصی حیدر عمار
نگران طباعت ـــــ مصباح الدین انصاری
اشاعتی ادارہ ـــــ سورتی اکیڈمی کراچی
ناشر ـــــ ولی حیدر ذاکر
مطبع ـــــ نوید پرنٹنگ پریس، ناظم آباد ۲ کراچی
تعداد اشاعت ـــــ ایک ہزار
قیمت ـــــ ۳۰ روپے (تیس روپے)
ستمبر ۱۹۸۱ء

سن اشاعت ستمبر ۱۹۸۱ء

ملنے کا پتہ ـــــ
* سورتی اکیڈمی۔ ۲۰؍ڈی ۱۶ ناظم آباد۔ کراچی
* مکتبہ قادریہ۔ اندرون لوہاری گیٹ لاہور
* دربار گولڑہ شریف۔ راولپنڈی
* سید لیاقت علی بکسیلر نزد تحصیل پیلی بھیت (یوپی) بھارت

*

اویسِ دوراں

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہٗ

کے نام

جن کی ذاتِ ستودہ صفات

چودہویں صدی ہجری کے علما و مشائخ کا مرکز رہی ہے

*

خاندانی حالات

آغازِ تعلیم

بیعت وخلافت

آغازِ تدریس

تکمیلِ طب

دورۂ حدیث

پیلی بھیت آمد

محدث سورتیؒ کی خدمات

تبلیغی سفر

معمولات

وصال

شعراء کا ہدیۂ عقیدت

اولاد و امجاد

برادرِ خورد

مدرسۃ الحدیث سیلاب کی زد میں

تلامذہ

معاصرین

تصانیف

*

شیخِ وقت محدّث سورتیؒ

پروفیسر مفتی محمد عبد القیوم علیگڑھی نبیرۂ استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد لطف اللہ علیگڑھی (سابق سربراہ شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ بھارت)۔

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُم
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي الصَّلَاحَ

حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانح حیات خواجہ رضی حیدر زید لطفکم نے مرتب فرمائی ہے۔ حضرت محدث سورتی کو استاذ العلماء حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی قدس سرہٗ العزیز سے شرف تلمذ حاصل رہا اور شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ فضل رحمان صاحب گنج مرادآبادی نور اللہ مرقدہٗ سے سعادتِ بیعت حاصل ہوئی۔ دونوں ہی گرامی قدر شخصیتیں علم و عمل اور دانش و تقویٰ کی پیکرِ جمیل تھیں۔ ادھر استاذ محترم اور شیخ مکرم کے خزانے علم و عمل سے بھرپور، ادھر گرامی قدر شاگرد اور ارادتمند کے دامنِ طلب میں وسعتیں ہی وسعتیں اور گنجائش ہی گنجائش۔ اب کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ محدث سورتیؒ نے ان دونوں بزرگوں سے کیا کیا پایا اور انہوں نے سعادتمند شاگرد اور ارادتمند کو کیا کیا بخشا ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد

تذکرہ محدث سورتی کا مطالعہ کرنے والا اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہے کہ محدث سورتیؒ علم

کے اعتبار سے ہر فن میں درک تام، خصوصیت سے حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور سلوک و معرفت میں شیخِ وقت کے مرتبے پر فائز تھے۔ محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقریباً پندرہ سال تک حافظ الملک حافظ رحمت خان روہیلہ مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ میں صدر مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد اپنے قائم کردہ مدرسۃ الحدیث میں بیس سال خدمات انجام دیں۔
حضرت کے فضل وکمال کی شہرت نہ صرف برصغیر بلکہ دوسرے ممالک تک پھیل چکی تھی اطراف و اکناف عالم سے تشنگانِ علم و معرفت کاسۂ طلب لیکر حاضر ہوتے اور سیراب ہو ہو کر واپس جاتے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بے شمار ہستیوں نے محدث سورتی؈ سے اکتسابِ فیض کیا اور عالم کے گوشے گوشے تک انوار و برکات کو پہنچایا۔ محدث صاحب صرف علم و معرفت کے میدان کے شہسوار ہی نہ تھے بلکہ سیاست میں بھی آپ نے نمایاں کردار ادا کیا چنانچہ انگریزی تسلط قائم ہونے سے ملک کو بالخصوص ملّت اسلامیہ کو جو نقصانات پہنچنے کے اندیشے تھے اس کے دفیعہ کے لئے آپ نے اکابر علماً کے ایک وفد کی قیادت فرمائی جس نے مسلسل تین ماہ پورے ملک کا دورہ کر کے دینی اور مذہبی مدارس کا ایک نظام قائم فرمایا۔ محدث صاحب نے اچھا خاصہ ذخیرہ اپنی تالیفات و تصنیفات کا بھی چھوڑا جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ اور وسعتِ علم کی نشانی ثابت ہوں گی۔ میں عزیزم خواجہ رضی حیدر سلمہٗ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے ایک عظیم ترین ہستی کی سوانح حیات کو مرتب فرما کر بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔
اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو قبولیتِ دوام عطا فرمائے۔

*

تقریظ

حضرت مولانا فیض احمد چشتی
شیخ الحدیث دربارِ عالیہ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید ولد آدم و خاتم الانبیاء و علیٰ الہ المجتبیٰ۔ اما بعد زیرِ نظر کتاب ایک ایسی مایۂ ناز شخصیت کی سوانح حیات ہے جن کے علم و فضل اور دینی خدمات کا اعتراف تقریباً برصغیر کے ہر صاحب علم و دانش کو ہے جزاہ اللہ تعالیٰ عن المسلمین خیر الجزاء۔ عزیزِ محترم خواجہ رضی حیدر صاحب نے جنہیں نسبی لحاظ سے حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق ہے جس محنت و جانفشانی سے اس خدمت کو سرانجام دیا وہ بجا طور پر تحسین و آفرین کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل مؤلف موصوف کو بہتر جزا عطا فرمائے اور اس کارِ خیر میں تعاون کرنے والوں کو نیک جزا دے۔

آمین ثم آمین

*

کچھ تذکرہ کے بارے میں

باسمہٖ تعالیٰ

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

علمائے اہلسنت میں ایک سے ایک بڑھ کر جلیل و جمیل ہے ــــــ ان کے چہرے دیکھنے دکھانے کے لائق ہیں ــــــ ۱۸۵۷ء کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور بعض مؤرخوں نے ان حسین چہروں کو چھپانے اور ان پر خاک ڈالنے کی کوشش کی اور بہت سے چہرے چھپ گئے ــــــ مگر اب یہ خاک اکسیر بن کر سامنے آرہی ہے ؎

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

فاضل جلیل مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ انہیں جلیل القدر علمائے اہلِ سنت میں تھے جن کے اذکار سے تاریخ کے اوراق ایک عرصہ تک خالی رہے۔ فاضل مؤلف خواجہ رضی حیدر صاحب کا ہم کو ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے اس طرف توجہ فرما کر تاریخ و سوانح کے ایک نامعلوم گوشے کو روشن کیا۔

محدث سورتی سنہ ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۶ء میں راندیر (ضلع سورت، بھارت) میں پیدا ہوئے یعنی انقلاب ۱۸۵۷ء سے تقریباً بیس سال قبل۔ ۱۲۷۷ھ میں آپ دہلی آئے یہاں مسجد فتحپوری میں قیام کیا، ان دنوں راقم کے جدِ امجد حضرت مفتی محمد مسعود شاہ محدث دہلوی مسجدِ مذکور ہی میں درس و تدریس میں مصروف تھے۔ ممکن ہے کہ محدث سورتی نے ان سے بھی استفادہ کیا ہو۔ مسجد فتحپوری میں قیام کے بعد محدث سورتی مدرسہ حسین بخش (دہلی) پہنچے۔ وہاں کچھ عرصہ پڑھنے کے بعد ۱۲۷۹ھ میں مجاہد جنگ آزادی مولانا عنایت احمد کاکوروی کے مدرسہ فیضِ عام (کانپور) چلے گئے، جہاں ان کو مولانا لطف اللہ علی گڑھی جیسا استادِ کامل ملا۔ مولانا احمد حسن کانپوری، محدث سورتی کے ہم سبق رہے۔ مولانا علی گڑھی کے فضل و کمال کا اس سے اندازہ

پیلی بھیت میں واقع حضرت محدث سورتیؒ کے مزار کا بیرونی منظر
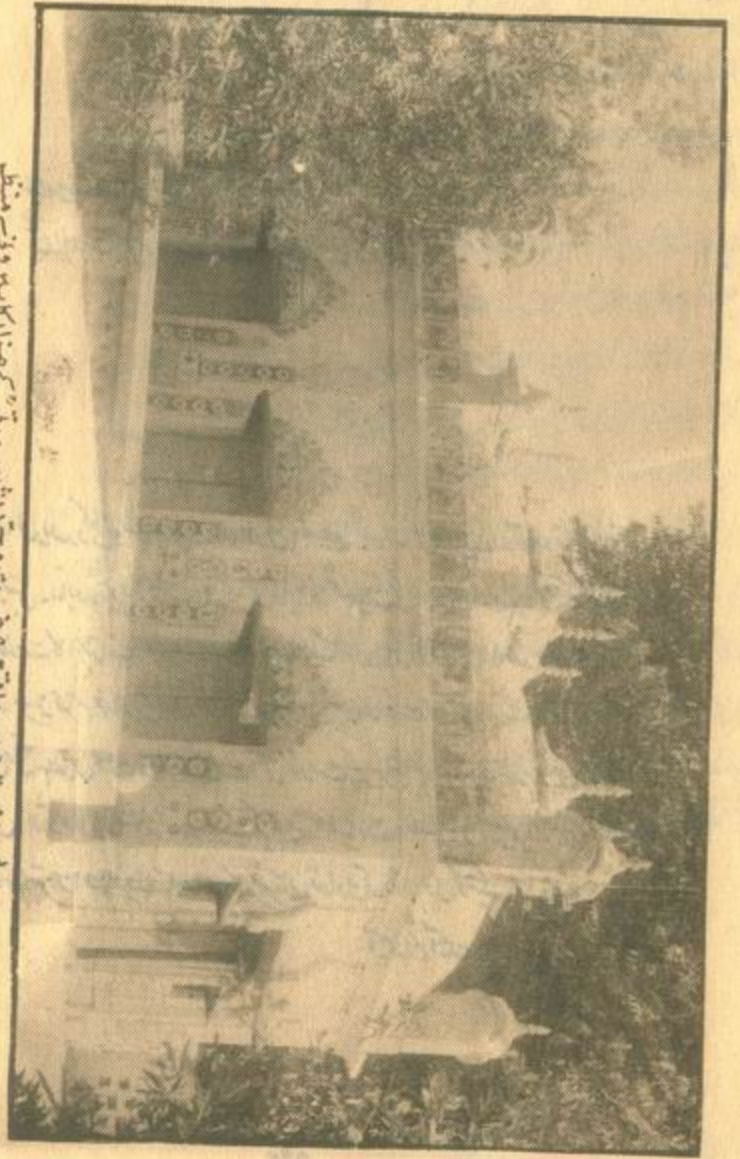
لگایا جا سکتا ہے کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولوی عبد الحق حقانی دہلوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا عبد اللہ ٹونکی اور نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی ان کے تلامذہ میں تھے۔

محدث سورتی ۱۲۸۶ھ میں مدرسہ فیضِ عام سے فارغ ہوئے اور گنج مراد آباد (ضلع اناؤ، یوپی) پہنچے۔ جہاں فاضل کامل و عارف اکمل مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی صحبت سے مستفیض و مستفید ہوئے اور بیعت و خلافت سے نوازے گئے۔ مولانا گنج مراد آبادی کو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے سندِ حدیث حاصل تھی، آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا اشرف علی تھانوی، پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور مولانا دیدار علی الوری جیسے فضلا شامل تھے۔

۱۲۹۳ھ میں محدث سورتی دار العلوم مظاہر العلوم (سہارنپور) پہنچے جہاں مولانا احمد علی سہارنپوری سے درسِ حدیث لیا اور تقریباً ۱۲۹۵ھ میں سندِ حدیث لی۔ اس مدرسہ میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا دیدار علی الوری آپ کے ہم سبق رہے۔ مولانا سہارنپوری کے تلامذہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد احسن نانوتوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا محمد فاروق چریا کوٹی جیسے علما شامل تھے۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد محدث سورتی کانپور پہنچے جہاں مدرسہ فیضِ عام میں درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ یہاں آپ آٹھ سال رہے۔ نسائی شریف کا حاشیہ یہیں لکھنا شروع کیا۔ ۱۲۹۶ھ میں شادی کے بعد کانپور سے پیلی بھیت (یوپی) تشریف لے آئے اور یہاں مدرسہ حافظ العلوم میں صدرِ مدرس ہو گئے۔ پندرہ سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے پھر آپ نے اپنے مدرسۃ الحدیث کے نام سے اپنا الگ مدرسہ پیلی بھیت میں قائم کیا اور درسِ حدیث کا آغاز کیا اس کے ساتھ مسجد شیخ کبیر میں آخر عمر تک امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ درمیان میں دو سال کے لئے قاضی عبد الوحید کی دعوت پر مدرسہ حنفیہ (پٹنہ) چلے گئے لیکن دو سال بعد پھر اپنے مدرسہ میں آ گئے۔

محدث سورتی نے تحریک ندوۃ العلماء میں بھی حصہ لیا۔ ۱۳۱۰ھ میں مدرسہ فیضِ عام (کانپور) میں اس کا آغاز ہوا۔ امام احمد رضا بھی اس کے ایک اجلاس میں شریک ہوئے اور اصلاحِ نصاب کے سلسلے میں ایک مقالہ پڑھا لیکن جب ندوۃ العلماء کا مزاج اور کردار بدلا تو پہلے امام احمد رضا علیحدہ ہوئے، اس کے بعد محدث سورتی، یہی نہیں بلکہ ندوۃ العلماء کے خلاف مستقل ایک تحریک کا آغاز کیا۔ اس سے قبل محدث سورتی نے پاک و ہند اور حجاز میں مولانا نذیر حسین کے زیرِ اثر چلنے والی مہم کا بھی تعاقب کیا تھا، اس

سلسلے میں انہوں نے ایک کتاب جامع الشواہد لکھی۔ ۱۲۹۵ھ سے ۱۳۴۲ھ تک اس کے ۲۱ ہزار نسخے شائع ہو چکے تھے۔

المختصر محدث سورتی نے پاک و ہند میں حنفیت کے تحفظ و دفاع اور مسلک اہلسنت و جماعت کے فروغ و اشاعت کے لئے مقدور بھر کوشش کی، فقہ و حدیث میں ان کو بڑا تبحر حاصل تھا جس پر ان کی تصانیف و حواشی گواہ ہیں، ان کے تلامذہ میں بہت سے صاحب فضل و کمال ہوئے۔ بیشتر کو امام احمد رضا نے خلافت و اجازت سے نوازا۔ تلامذہ میں یہ حضرات قابلِ ذکر ہیں:۔ مولانا محمد ظفر الدین بہاری، مولانا مفتی ضیاء الدین مدنی، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا خادم حسین محدث علی پوری، سید سلیمان اشرف بہاری وغیرہ وغیرہ

محدث سورتی کا حلقۂ احباب بھی بڑا وسیع تھا جس میں امام احمد رضا خاں بریلوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ان کے علاوہ یہ حضرات احباب میں شامل تھے۔ مولانا محمد عبد القادر بدایونی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا عبد الکریم گنج مراد آبادی، مولانا ارشاد حسین رامپوری، مولانا عبد العلی آسی، پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا دیدار علی شاہ الوری وغیرہ۔

محدث سورتی کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادے تھے یعنی مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی، ان کے علاوہ پانچ صاحبزادیاں بھی تھیں۔ فاضل مؤلف نے ان کا علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مولانا عبد الاحد کے صاحبزادے شاہ فضل احمد صوفی نے قابلِ قدر سیاسی و ملی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۸ء میں انہوں نے وصال فرمایا۔ دوسرے صاحبزادے قاری احمد پیلی بھیتی نے بھی قابلِ ذکر سیاسی خدمات انجام دیں۔ وہ مسلم لیگ میں شامل تھے۔ ۱۹۴۰ء میں قراردادِ پاکستان آل انڈیا سنی کانفرنس (پیلی بھیت) کے ناظمِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں وہ ایک قافلے کی شکل میں آل انڈیا سنی کانفرنس (بنارس) میں شریک ہوئے۔ پاکستان آنے کے بعد وہ جمعیۃ العلماء پاکستان سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۵۹ء میں وصال فرمایا، تیسرے صاحبزادے شاہ محمد میاں قادری نے بھی مذہبی و ملی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۷ء میں انہوں نے انتقال کیا۔ فاضل مؤلف نے ان کا مادۂ تاریخِ وفات کیا خوب نکالا ہے ؎

شمس الفیوض جاودانہ

۱۳۹۷ھ

محدث سورتی کی ظاہری اولاد کی طرح معنوی اولاد بھی قابلِ ذکر ہے۔ فاضل مؤلف نے ان کی بہت سی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ان میں کتبِ حدیث وفقہ پر شروح وحواشی بھی ہیں اور دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ کی مصنفات بھی۔ یہ باب محنت سے ترتیب دیا گیا ہے۔

محدث سورتی نے مسلک ومذہب کے لئے بے مثال خدمات انجام دے کر اور اپنی ظاہری و معنوی یادگاریں چھوڑ کر ۸ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ/ ۱۲ اپریل ۱۹۱۶ء کو وصال فرمایا۔ امام احمد رضاؒ نے اس آیت قرآنی سے مادۂ تاریخِ وفات نکالا ہے۔

يطاف عليهم بآنية من فضة واكواب

۱۳۳۴ھ

خدا کی شان محدث سورتی کے وصال کے چھ سال بعد امام احمد رضاؔ کا وصال ہو گیا، آیتِ مذکورہ میں حرف "و" کے اضافے سے امام احمد رضا کا سنہ وفات (۱۳۴۰ھ) نکل آتا ہے، اس حسنِ اتفاق کو دونوں کی دوستی پر قرآن کی شہادت ہی کہا جاسکتا ہے۔

فاضل مولف خواجہ رضی حیدر نے محدث سورتی سے اپنے نسبی تعلق کا حق ادا کر دیا۔ محدث سورتی ان کے پردادا ہیں، خواجہ صاحب کا یہ کارنامہ علماؔ وصوفیا، کے اخلاف کے لئے مہمیز کا کردار ادا کرے گا مجموعی طور پر یہ کتاب معلوماتی ہے۔ خود راقم نے بھی استفادہ کیا ہے۔ فاضل مؤلف نے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اور تاریخ علماؔ اہلسنت میں ایک وقیع اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے نامعلوم مواد کو سامنے لاکر مورخوں اور سوانح نگاروں پر احسان کیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ امید ہے کہ یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج
ٹھٹھہ (سندھ)

یکم صفر المظفر ۱۴۰۱ھ
۱۰ دسمبر ۱۹۸۰ء

کچھ اپنے بارے میں

ایک آواز عرصہ سے میرا تعاقب کر رہی تھی۔ نافرمانی کا ایک لمحہ تھا جس کی یاد میرے ذہن کو کچوکے لگاتی اور نسل در نسل منتقل ہونے والا دجلۂ خون تھا جو میرے وجود کو مضطرب و بے چین رکھتا لیکن میں تھا کہ اُس آواز کے لئے کان بند کئے۔ نافرمانی کے لمحہ کو زندگی بنائے۔ دجلۂ خون سے الگ زندگی کے ایک مخصوص چکر میں گھوم رہا تھا۔

پھر ایک لمحہ ایسا آیا جس نے میرے ضمیرِ خفتہ کو بیدار کیا۔ دروں بینی پر اُکسایا اور مجھ پر خود احتسابی کے دروازے کُھل گئے۔ میں سوچتا رہا کیا تھا؟ کیا ہو گیا ہوں؟ کس راہ کا مسافر تھا کس راستہ پر آنکلا ہوں۔ کن روایتوں کا سفیر تھا۔ کس کم مائیگی کا اسیر ہوں۔ اس لمحہ عقدہ کھلا کہ میں نے سراسر زیاں سے یاری کی ہے۔ گھاٹے کا سودا کیا ہے اور یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے بزرگوں کے لئے شرمندگی کا سبب ہوں۔ ذہنی۔ فکری اور علمی شجرۂ نسب کا ثمرِ بے تخم ہوں۔ وہ صحرا ہوں جس میں ذہنوں کو سیرابی، روحوں کو شادابی اور زندگی کو طہارت بخشنے والا دریا آکر خشک ہو گیا ہے۔ اس لمحہ میں نے اپنی تہی دستی پر شرمسار اور کوتاہ نظری پر شرمندہ ہو کر ایامِ گزشتہ کی سمت دیکھا تو روشن لمحوں کا ایک ہجوم تھا جو میری گرفت سے نکل گئے تھے۔

ان روشن لمحوں میں پہلا تابناک لمحہ ۸ رمارچ ۱۹۶۱ء کی سرمئی شام میں لپٹا ہوا آیا۔ وہ عید الفطر کا دن تھا۔ ایسے موقعوں پر بزرگوں کی خدمت میں حاضری دینا میرے والد اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اُس شام بھی وہ نذرانۂ تہنیت پیش کرنے کے لئے تاج العلما حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ مفتی صاحب کی بیٹھک میں تشنگانِ علم اور علماؔ کا ہجوم تھا۔ ایسے میں میرے والد میری انگلی پکڑے بیٹھک میں داخل ہوئے۔ مفتی صاحب انہیں دیکھ کر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے والد صاحب نے بڑھ کر دست بوسی چاہی تو مسکرا کر اپنے قریب بٹھایا لیکن میں نے والد صاحب کی ہدایت پر مفتی صاحب کے نرم وملائم ہاتھوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ والد صاحب نے فرمایا:
"حضرت! یہ خادم زادہ ہے"۔

مفتی صاحب نے مسکرا کر میرے سر پر دستِ شفقت رکھ دیا. چند لمحوں کی خاموشی کے بعد
مفتی صاحب نے دریافت فرمایا "کیا پڑھتے ہو؟"
"نویں جماعت میں ہوں" میں نے مودبانہ جواب دیا
مفتی صاحب زیرِ لب مسکرائے اور فرمایا۔ "ہاں صاحبزادے. اب روشِ زمانہ یہی ہے۔
خیر میٹرک کے بعد میرے پاس آنا. میں تم کو پڑھاؤں گا تاکہ حضرت محدّث سورتیؒ کا علمی سلسلہ
جاری رکھ سکو"
والد نے دست بستہ عرض کیا۔ "حضرت اِس سے بڑھ کر میری اور اس خادم زادے کی
خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔"
اُس رات گھر پہنچ کر والد مرحوم دیر تک مجھے حضرت محدّث سورتیؒ کے علم و فضل کی داستان
سناتے رہے اور میں کچے کانوں سے یہ سب کچھ سنتا رہا۔ شبنم ریت میں جذب ہوتی رہی۔
مفتی صاحب سے ملاقات میری زندگی کا وہ پہلا روشن لمحہ تھا جس نے مجھے اکتسابِ نور
کا پیغام دیا تھا. مگر آج بس میں اِس پُرنور لمحے کی یاد کے حجلۂ انوار میں دلگرفتہ بیٹھا ہوں. میرے
سَر سے میرے علمی شجرۂ نسب کا سایہ اُٹھ چکا ہے اور میں زندگی کے تپتے صحرا میں ایک بگولے کی مانند
آوارہ ہوں کہ خاندانی روایات کی زمین میرے پیروں تلے سے نکل گئی ہے۔ یہ سب اِس لئے ہوا کہ
مفتی صاحب کی دہلیز پر میری اُنگلی پکڑ کر لے جانے والے ہاتھ کو میں خود جھٹک کر دنیا کے
حمام بادگرد کی طرف بھاگ لیا تھا سو اَب بھی بھاگ رہا ہوں. میری یہ تمام بھاگ دوڑ دنیا کے
لئے ہے اور دنیا ہے کہ مجھ سے ابھی تک آگے ہے. میں ڈھلان پر پھسلتے ہوئے انسان کی طرح
دائیں بائیں عالمِ بے چارگی میں ہاتھ مارتا ہوں لیکن ہر مرتبہ کسی سہارے کے بجائے ریت ہی میری
مٹھیوں میں آتی ہے۔
مفتی صاحب سے ملاقات کے ۲ دو برس بعد میں نے میٹرک پاس کیا۔ اس عرصہ میں کئی مرتبہ
مفتی صاحب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ہر مرتبہ مجھے مفتی صاحب کا وہ جملہ یاد آیا "میٹرک کے
بعد میرے پاس آنا۔ میں تم کو پڑھاؤں گا تاکہ.." اور ہر مرتبہ میں نے اس جملے کی بازگشت کو
خواہشوں کے شور میں دبا دیا۔

میٹرک پاس کرنے پر والد صاحب نے لاکھ سمجھایا کہ میں اُس دعوت پر لبیک کہوں جو
مفتی صاحب نے دی تھی لیکن میں اِس کے لئے تیار نہ ہوا کیونکہ میں علم کے اس دریا کو جو حضرت
محدّث سورتی اور مفتی محمد عمر نعیمی کے ضمیر و خمیر کی سیرابی کا سبب تھا ایک خشک دریا سمجھتا تھا.
وہ علم میرے نزدیک اُس وقت جدید دنیا کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں تھا میرے نزدیک اس
علم کی آخری منزل کسی مسجد کی امامت تھی اور جس علم کی ضرورت پیدائش کے وقت کان میں اذان
دینے. شادی کے وقت نکاح اور مرتے وقت نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے محسوس کی جاتی ہے۔
میں اپنی ضد پر اَڑا رہا کیونکہ میرے نزدیک اُس وقت علم ارتفاعِ ذات کا ذریعہ نہیں بلکہ دنیاوی
آرام و آسائش کے حصول کا وسیلہ تھا۔ اپنے شجرۂ نسب میں دنیا کی طلب نہ پا کر میرا دل بجھ بجھ جاتا
تھا سو میں اس علم کو حاصل کرنے کے بجائے جس کی چوکھٹ پر بادشاہوں کے سر خم ہوتے ہیں اُس
علم کے حصول کی دُھن میں لگ گیا جو انسان کا سر دنیاوی خواہشات کے سامنے جھکا دیتا ہے'
پھر میں نے کالج میں داخلہ لے لیا۔
یہ دوسرا روشن لمحہ تھا جو میری ذات کے اندھے کنوئیں میں جل بُجھا. وقت کروٹیں لیتا رہا
والد صاحب کی خواہش اُن کے دل میں دفن ہو کر رہ گئی. مفتی صاحب اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی
کی سمت کوچ کر گئے اور میں! میں کالج سے نکل کر یونیورسٹی پہنچ گیا. ابھی یونیورسٹی کے بام و در
آنکھوں میں تازہ تھے کہ ایک روز والد کی سمت غور سے دیکھا تو اُن کے ڈھلتے ہوئے شانے کچھ اور کہہ
رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں ایک خاموش پیغام تھا. میرے لئے ڈھلتے ہوئے شانوں اور آنکھوں
کا پیغام سمجھ لینا کوئی مشکل نہ تھا۔ سو میں نے ملازمت کی زنجیرِ گراں بار خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے
پیروں میں ڈال لی۔ مگر خُبثِ نفس اب بھی شعور کے بلوغ کی سرحدوں تک سفر میں حائل تھا.
تشکیک اور تکذیب کے دائرے اب بھی اطراف میں کھنچے ہوئے تھے۔ اب بھی غوغائے سگاں میں
آوازِ اذاں دور کی بازگشت معلوم ہوتی تھی اور والد صاحب تھے کہ وہ اب بھی مجھے موروثی علم و حکمت
کے سرمدی اور ابدی چشمے کے صاف و شفاف پانی سے سیرابی کی دعوت دے رہے تھے لیکن
فغانِ درویش بے اثر ہی رہی. اُن کو کیا معلوم تھا کہ پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹنا محض ایک
شاعرانہ تعلّی ہے۔

پھر غوغائے سگاں میں آوازِ اذاں خاموش ہو گئی۔ والد صاحب مجھے اس دنیا کے حوالے کر کے اس منزل کی طرف چلے گئے۔ جو ہر بقا کی منزل ہے اُس دن پہلی مرتبہ مجھے اپنے بے سہارا ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔ مجھے اپنی نافرمانیاں یاد آئیں۔ عزا خانۂ دل سجا تو کئی یادیں سوہانِ روح بن گئیں۔ داخلی کرب اور روحانی اذیت سے سوچ کے تمام پیمانے لبریز ہو گئے۔ میں نے اپنے ہاتھوں شفقت اور محبت کی علامت کو لحد میں اُتارا۔ مٹی دی اور ہاتھ جھاڑتا ہوا واپس آ گیا۔ اُس دن زندگی کی بے ثباتی پر یقین آ گیا اور اپنی زندگی کی بے رُخی شدت سے محسوس ہونے لگی۔

یہ تیسرا روشن لمحہ تھا جو میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ پلٹ کر دیکھتا ہوں تو پچھتاوے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ملال و ملامت کی اِس کربناک فضا میں اپنی اصل کی بازیافت ایک کارِ دشوار تھا سو میں نے ایک مرتبہ پھر لذاتِ دنیاوی کے آگے گردن جھکا دی اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر سماعت کا بادباں غوغائے سگاں کے حوالے کر دیا۔ ہر صبح شب کے پردے سے طلوع اور ہر شام صبحِ کاذب کے پردے میں غروب ہوتی رہی مگر آوازوں کا تعاقب جاری ہی رہا۔ ایک خلش تھی کہ دل و دماغ کو مضطرب کیے رہتی تھی۔ ایک پھانس سی تھی جس کی کھٹک روح کی گہرائیوں میں محسوس ہوتی اور بار بار یہ خیال پریشان کرتا کہ زیاں کا یہ لمحہ کب تک دراز رہے گا اور کیا میں یونہی خواہشوں کے سراب میں گرفتار اپنے بزرگوں کے لئے شرمندگی کا سبب بنا رہوں گا۔ مگر میرے اندر سے کوئی جواب نہ آتا حتیٰ کہ خود کلامی میرا وظیفۂ روز و شب بن گئی اور میں تاسف و ملال کی اذیت ناکیوں سے گزرتا رہا۔

پھر روز و شب کی ویرانی میں ایک شام ایسی طلوع ہوئی۔ تھکے ذہن اور بوجھل قدموں کے ساتھ میں نے دفتر کو خیرباد کہا اور ٹریفک کے شور میں آ کھڑا ہوا۔ دن رات سے ہم آغوش ہو رہا تھا کہ اچانک فضا میں آوازِ اذاں گونجی۔ بے ارادہ میری نظریں ایک مسجد کے میناروں سے اُلجھ گئیں۔۔ حیّ علی الصلوٰۃ کی صدا نے قدموں کو جنبش دی اور میں فلاح کی تلاش میں مسجد کے اندر داخل ہو گیا۔

نماز سے فارغ ہو کر دیکھا۔ محراب میں ایک وجیہہ نوجوان جبہ و دستار کی قید سے آزاد، آنکھوں میں علم کی چمک اور چہرے پر زہد کا نُور لئے نہایت خلوصِ دل سے اللھم ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار کا ورد کر رہا تھا۔ وہ نوجوان مجھے بہت

مانوس لگا۔ دل خود بخود اُس کی طرف کھنچنے لگا۔ میں اس نوجوان کے پاس گیا۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ نام شاہ حسین گردیزی اور تعلق گولڑہ شریف سے ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاہ حسین سے میری عقیدت و محبت کی انتہا نہ رہی۔ قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی علم و عرفاں سے لبریز شخصیت کا عکسِ جمیل آئینہ خانۂ دل میں جلوہ گر ہو گیا۔ والد مرحوم کی بیعت اور اپنے مرشد سے اُن کی عقیدت یاد آئی اور آنکھیں نم ہو گئیں ؎

یہ جذبِ مہر علی تھا جو کھینچ لایا تھا
کہ پہلی بیعت تھا پنجاب سے بہت ہی دُور

اس ملاقات میں شاہ حسین گردیزی سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ لگتا تھا کہ برسوں کے بچھڑے ہوئے دو دوست اچانک آ ملے ہیں اور ایک دوسرے کو گزرے ہوئے زمانے کی باتیں اور بیتے تجربات سُنا رہے ہیں۔ میں اُن دنوں قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ پر ایک کتاب لکھنے میں مصروف تھا جب میں نے شاہ حسین گردیزی کو اس بارے میں بتایا تو انہوں نے فوراً کہا "علما کی تاریخ سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہے؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا تو بولے "چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اپنے جدِ امجد کی سوانح لکھتے تاکہ علماء و عوام اُن کی زندگی اور خدمات سے کماحقہٗ واقف ہو سکیں۔"

شاہ حسین گردیزی سے میری یہ ملاقات بھی میری زندگی کا ایک روشن لمحہ تھا۔ وہ روشن لمحہ جب مجھے ایک مرتبہ پھر آوازِ اذاں صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس آواز نے مجھے اپنی اصل کی طرف رجوع ہونے کا پیغام دیا۔ اس لمحے اپنی شناخت کا سوال دَرِ دل پر دستک دیتا اور گمنامی کی موت سے ڈراتا رہا۔ مفتی محمد عمر نعیمی کی پیش کش سے لیکر والد کی خواہشوں۔ فہمائشوں اور تلقینوں تک اور وہاں سے شاہ حسین گردیزی تک ایک ہی آواز کا سفر تھا۔ ایک ہی صدا کی بازگشت تھی۔ ایک ہی قرأت تھی اور ایک ہی لحن۔ ہر ایک میں زبور کی نغمگی تھی۔ مزمورِ میر مغنی کا نغمہ تھا۔ کبھی نہ تھکنے والا نغمہ۔ اس نغمگی سے روشن ہونے والے ذہن سے میں نے ماضی میں دیکھا۔ دور تک ایک صراطِ مستقیم تھی ؎

یہ نرم نرم ہوائیں ہیں کس کے دامن کی
چراغِ دیر و حرم جھلملائے جاتے ہیں

اور ان چراغوں کی لَو میں چہرے دمک رہے تھے۔ صوفیائے کرام کے چہرے، علمائے دین کے چہرے، آشنا چہرے جن کی زیارت فکر کو تازگی اور قلب کو بینائی عطا کرتی ہے۔

شاہ حسین گردیزی سے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ دراز ہو گیا۔ انہوں نے مجھے علما کی سوانح پر کتابیں مہیا کیں اور اکابرِ دین کی تاریخ کا مطالعہ میرا مشغلۂ روز و شب بن گیا۔ انہی ملاقاتوں کی دین تھی کہ ایک دن میں نے اپنے جدِ امجد حضرت مولانا وصی احمد محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ کام شروع کیا تو پتہ چلا کہ میں نے مشکلات کے کوہِ گراں کی کوہ پیمائی کا عزم کیا ہے۔ مواد جمع کرنا شروع کیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ والد صاحب کی مختصر سی یادداشتوں کے سوا حضرت محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی مواد میسر ہی نہیں لیکن شاہ حسین گردیزی کی رفاقت مہمیز کا کام کرتی رہی۔ متعدد کتب خانوں کو کھنگالا۔ ہندوستان کے علما و اعزا سے خط و کتابت شروع کی۔ اندرونِ ملک سفر اختیار کئے اور جوئندہ یابندہ کے مصداق منزل آسان ہوتی گئی۔ حضرت محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات کے بارے میں اس قدر مواد سامنے آ گیا کہ اب اس کو ایک تذکرہ کے اندر سمیٹنا امتحان ہو گیا۔ یہ طے کیا کہ مختصر رسائل اور فتاویٰ کو روک لیا جائے۔ چنانچہ چند ضروری فتاویٰ شاملِ تذکرہ کر کے باقی فتاویٰ روک لئے گئے تاکہ ان کو "فتاویٰ محدّث سورتی" کے نام سے علیحدہ شائع کیا جائے۔

مجھے پورا اعتراف ہے کہ میں حضرت محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت کا پوری طرح احاطہ نہیں کر سکا ہوں۔ اس کا صرف اور صرف سبب میری کم علمی اور کوتاہ نظری ہے۔ بہرحال میں نے اپنی محنت اور کوشش میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ میری یہ کتاب خواہ اہلِ علم اور علما کے نزدیک درخورِ اعتنا نہ ٹھہرے خواہ وہ اسے علمی سطح پر ایک ناکام کوشش ہی کیوں نہ قرار دیں۔ لیکن میں یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میری یہ کوشش حضرت محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی اور عملی زندگی پر پہلی کتاب ہے اور یہ کتاب آئندہ اہلِ علم اور علما کے لئے حضرت محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے شایانِ شان کوئی کتاب تالیف کرنے میں یقیناً بنیادی اہمیت کی حامل ثابت ہو گی۔

یہ سراسر زیادتی اور ناانصافی ہو گی اگر میں اس لمحہ ان اصحاب کا تذکرہ نہ کروں جنہوں نے اس کوہ پیمائی میں ہر قدم میری ہمت بندھائی۔ ان حضرات میں علامہ عبد المنعم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ، علامہ

قاری غلام محی الدین پیلی بھیتی، علامہ حکیم محمود احمد برکاتی، مولانا عبد الحکیم شرف قادری، حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مولانا جمیل احمد نعیمی، مولانا وقار الدین پیلی بھیتی، حکیم محمد احمد خان (چارسدہ)، مولانا فیض احمد چشتی (گولڑہ شریف) مولانا محمد شفیع رضوی لاہوری، مولانا باغ علی نسیم، مولانا اشرف الحامدی، راجا رشید محمود، ڈاکٹر محمد اسعد (پیلی بھیت)، صاحبزادہ حسن میاں (رامپور)، حافظ افتخار علی خان پیلی بھیتی، صاحبزادہ غلام رضا کانپوری نبیرۂ مولانا عبد اللطیف سورتی، حافظ شبیر احسن نبیرۂ مولانا احمد حسن کانپوری، جناب محمد یوسف طرب شمسی، جناب محمد صادق قصوری کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ برادرم نور احمد شاہ تاز، عزیزم معین احمد صوفی اور عزیزم ولی حیدر ذاکر کی محبتیں اور والدہ صاحبہ کی دعائیں بھی اس تذکرہ کی تکمیل میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

اس تذکرہ کی تکمیل پر سوچتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ فرد اپنی شناخت کے مرحلے سے گزر کر ہی عرفانِ ذات کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ جب فکر و ذکر ہم آہنگ ہوں تب ہی تشکیک سے نجات ممکن ہوتی ہے۔ اگر انسان چشم و گوش کو وا رکھے تو اس کا یہی رویہ کسی وقت بھی اس کے لئے نجاتِ نفس کی دلیل بن جاتا ہے اور اکثر یہی بات صریرِ خامہ کو نوائے سروش بنا دیتی ہے۔

اس تذکرہ کے بارے میں میں ایک اور بات یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس کی تالیف میں صرف اور صرف معروضی حقائق اور تاریخی سچائیوں کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ میں نے خود کو عصبیتوں مخصوص فکری اور ذہنی رویوں سے بالا رکھا ہے۔ کسی بھی مقام اور کسی بھی مرحلہ پر اس تذکرے کو غلط بیانی، ستائشِ بے جا اور مصلحتوں سے آلودہ نہیں ہونے دیا کیونکہ میرے نزدیک علما کی حیات اور ان کے علم و فکر پر قلم اٹھاتے ہوئے بہت صادق رہنے کی ضرورت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں کوتاہی یا غلو کو میں عاقبت میں عذاب سمیٹنے کے مترادف سمجھتا ہوں۔ یہ جملے میں نے اس لئے لکھنا ضروری سمجھے کہ میرے سامنے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے بے بضاعت اور غیر نجیب افراد کو تاریخ کا حصہ بنانے کی خاطر تاریخ کو مسخ کرنا اپنا وطیرۂ خاص بنا لیا ہے۔ ان لوگوں نے محترم و مقدس دینی اور علمی شخصیتوں پر اپنے مخصوص تعصبات سے کام لے کر الزام و اتہام تراشی کا سلسلہ روا رکھ کر تاریخ میں ذہنی بدکاری کے بغلی دروازے کھول دیئے ہیں اور تاریخ کے ساتھ وہ ظلم کیا ہے

جس کی سزا میرے نزدیک سنگساری کے سوا کچھ نہیں۔

اس تذکرہ کی تکمیل پر میں ایک روشن لمحہ میں کھڑا ہوں لیکن اب بھی طلسم خانۂ دنیا آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے مگر اس تذکرے کی تکمیل وہی حیثیت رکھتی ہے جیسے کوئی مسافر تپتے ہوئے صحرا میں چلتے چلتے اچانک کسی نخلستان میں نکل آیا ہو۔ اس نخلستان میں بیٹھا ہوا میں سوچ رہا ہوں کہ تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی کی خواہش کے مطابق میں حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی سلسلہ کو تو جاری نہ رکھ سکا لیکن اس کو میں نے منتقل ضرور کر دیا ہے اور یہی بات میرے لئے باعثِ اطمینان بھی ہے اور سرخروئی کا سامان بھی کیونکہ میرے نزدیک انتقالِ علم ہی ثباتِ علم ہے۔

خواجہ رضی حیدر

۲۸ فروری ۱۹۸۱ء

پیلی بھیت ہاؤس

۲- ڈی ۱۶/۵ ناظم آباد۔ کراچی پاکستان

پہلے بزرگ کی ہندوستان آمد

مولانا وصی احمد محدث سورتی کے خاندان کے پہلے بزرگ مولانا محمد ابراہیم عہد شاہجہانی میں عراق سے بذریعہ کشتی بندرگاہ سورت پر پہنچے۔ سورت ہندوستان کے صوبے گجرات کا ایک ضلع اور نامی گرامی شہر ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق یہ شہر کب وجود میں آیا اس کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ریکارڈ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر عہد قدیم سے آباد ہے۔ پہلے اس کا نام سورج پور یا سوریا پور تھا۔ جو بعد میں تبدیل ہو کر سورت ہو گیا۔ ۱۱۹۴ء میں مسلمان سپہ سالار قطب الدین ایبک نے اسے فتح کیا۔

۱۳۴۷ء میں محمد تغلق نے اسے دوبارہ فتح کیا۔ ۱۳۷۳ء میں فیروز شاہ تغلق نے اس شہر کی آبادکاری جانب توجہ دی اور ایک قلعہ قائم کیا۔ جو آج بھی موجود ہے۔ مغل حکمراں اکبر اعظم، جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں اس شہر کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اور سورت نے تجارتی مرکز کا روپ دھار لیا۔ ۱۵۱۴ء میں ایک پرتگیزی سیاح ڈوارٹی باربوسا نے سورت کو ایک اہم بندرگاہ قرار دیا۔ جہاں مالابار اور دیگر علاقوں سے مسافر اور مال بردار جہاز آیا کرتے تھے۔ سولھویں صدی عیسوی میں پرتگیزی بلا شرکت غیرے سورت کی بندرگاہوں کے مالک تھے۔ لیکن ۱۶۶۴ء میں انگریزوں کو اقتدار حاصل ہوا۔ جو برصغیر کی آزادی تک برقرار رہا۔ سورت کا رقبہ ۱۶۳۵ مربع میل ہے۔ جبکہ اس کا ساحل ۸۰ میل کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے[۱] بحقیقہ تاریخ مولانا ابراہیم کے ورودِ مسعود کا صحیح زمانہ معین کرنے کے لئے کوئی مصدقہ شہادت موجود نہیں البتہ بعض واقعات و روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا محمد ابراہیم شاہجہاں بادشاہ کے عہد ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ء میں عراق سے بغرض تجارت ہندوستان تشریف لائے[۲] اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی بندرگاہ سورت مرجع علم و فن بنی ہوئی تھی۔ علماء و مشائخ کی ایک بہت بڑی تعداد عرب و عجم سے ترک مکانی کرکے یہاں سکونت پذیر تھی۔ مولانا محمد ابراہیم نے سورت پہنچنے پر شیخ المشائخ محمد فضل اللہ کا تذکرہ سنا جو پیر کامل اور عارف باصفا تھے۔ مولانا ابراہیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی صحبت کو اپنی زندگی بنا لیا۔ مولانا محب اللہ سمرقندی سندھی برہان پوری بھی اس زمانہ میں شیخ محمد فضل اللہ کی خدمت میں موجود تھے۔ شاہجہاں بادشاہ اپنی شاہزادگی کے زمانہ میں شیخ محمد فضل اللہ کی زیارت کرچکا تھا۔ بعد میں عبدالرحیم خانخاناں کی تحریک پر جب مولانا محب علی سمرقندی برہان پوری ٹھٹھہ کی رہائش ترک کرکے وارد گجرات ہوئے تو شاہجہاں کو اُن سے عقیدت ہوگئی اور وہ ان دونوں بزرگوں اور اولیائے عصر کی خانقاہوں میں بقصد عقیدت حاضری

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ صفحہ ۲۳۸۔ جلد ۲۱۔ مطبوعہ ۱۹۷۰ء [۲] تذکرہ علماء اہلسنت صفحہ ۲۵۷ علامہ محمود احمد قادری۔ مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ

دیتا تھا[۱]

شیخ محمد فضل اللہ کی خدمت میں حاضری کے دوران مولانا محمد ابراہیم کے مراسم علماء اور مشائخ سے استوار ہوئے۔ اور آپ کے علم و فضل میں اضافہ ہوا۔ مولانا محمد ابراہیم نے خانقاہی زندگی اختیار کرنے سے کچھ قبل خان خاناں عبدالرحیم خان حاکم سورت کے یہاں بھی مختلف حیثیتوں میں خدمات انجام دی تھیں۔ لیکن شیخ محمد فضل اللہ کی صحبت میں آنے کے بعد آپ کا ملازمت سے دل اچاٹ ہوگیا۔ اور آپ نے خان خاناں کی ملازمت ترک کرکے سورت میں ہی کپڑے کی تجارت شروع کردی۔ چونکہ آپ حنفی العقیدہ مسلمان تھے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ بھی کپڑے کی تجارت فرماتے تھے۔ اس لئے یہ تجارت آپ کے لئے اطمینان کا باعث ہوئی اور آخر وقت تک آپ اور آپ کی اولاد اسی تجارت سے منسلک رہی۔ مولانا محمد ابراہیم کے صاحبزادے مولانا محمد قاسم تھے۔ جن کی شادی سورت سے ملحقہ آبادی راندیر کے ایک تاجر خاندان میں ہوئی تھی۔ اور آپ نے اپنے والد مولانا محمد ابراہیم کی رحلت کے بعد راندیر ہی میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ مولانا محمد قاسم نے اسلامی علوم کی تکمیل شیخ محمد فضل اللہ کی خانقاہ میں کی تھی لیکن حصولِ معاش کا ذریعہ علم کو نہیں بنایا۔ بلکہ تمام عمر کپڑے کی ہی تجارت کرتے رہے آپ کے صاحبزادے مولانا محمد طاہر نے شیخ محمد بن عبدالرزاق حسینی اُچی سے اور مولانا خیرالدین محدث سورتی[۲] سے تحصیل علم سورت میں کی۔ آخر عمر میں آپ نے تجارت کے ساتھ درس و تدریس

---

[۱] محمد صالح کنبوہ صفحہ ۷۹۲-۷۹۰۔ (عمل صالح) شاہجہاں نامہ جلد دوئم اور سوئم۔ ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسین زیدی مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور مئی ۱۹۷۲ء۔

[۲] مولانا خیرالدین محدث سورتی دورِ آخر کے اُن باکمال علماء میں سے تھے جو اپنے اسلاف کی سچی یادگار سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے والد کا نام محمد زاہد بن حسن محمد زبیری تھا جن کا شجرہ نسب آنحضرتؐ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب سے ملتا تھا۔ مولانا خیرالدین نے مولانا عبدالغفور اور شیخ محمد بن عبدالرزاق حسینی اُچی سے علم حاصل کیا۔ اور طریقۂ نقشبندیہ میں شیخ نور اللہ اور پھر شیخ نصراللہ سے بیعت ہوئے۔ حرمین شریفین کی زیارت

کو بطور شغلہ اختیار کیا۔ اور مولانا خیر الدین محدث سورتی کے ہی مدرسہ میں حدیث کی تعلیم دینے لگے۔[1]

راندیر کا محل وقوع

راندیر سورت کے سامنے بہنے والے دریائے تاپتی کے کنارے آباد قدیم شہر ہے۔ اس شہر کی بڑی تاریخی اہمیت ہے۔ شاہجہاں کے عہد میں اس کو خانخاناں عبدالرحیم نے فتح کیا تھا۔ اور شہزادہ اورنگ زیب کو دکن کا جب تمام علاقہ عطا ہوا تو یہ شہر تلنگانہ کا صدر مقام تھا۔ اُس زمانہ میں اس شہر کو رانڈیر کہا جاتا تھا جیسا کہ محمد صالح کنبوہ نے اپنی کتاب عملِ صالح (شاہجہاں نامہ) میں تحریر کیا ہے بعد میں اس شہر کا نام اپنی تعالات اور تلفظ کے اتار چڑھاو کی بنا پر نانذیر ہوگیا۔ جسے بعد میں راندیر کہا جانے لگا۔ مولانا رفیع الدین مرادآبادی تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی جو ۱۲۰۱ھ میں حجاز کو جاتے ہوئے سورت پہنچے تھے۔ اپنے سفرنامہ حرمین" میں اس شہر کا قدیم نام نانذیر تحریر کیا ہے۔ راندیر کے قدیم مقابر میں ایک تابعی کی قبر بھی ہے لیکن اس قبر کی جگہ متعین نہیں۔ اس کے علاوہ راندیر میں کئی قدیم مقابر ہیں۔ راندیر کی مسجد کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ تقریباً نو سو سال پہلے تعمیر ہوئی تھی۔ مولانا رفیع الدین مرادآبادی نے لکھا ہے کہ ۱۲۰۰ھ صدی ہجری میں راندیر کسی حد تک اجڑ چکا تھا کیونکہ سورت تجارتی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا جارہا تھا۔ خصوصاً سورت میں جہازرانی کا بڑا

حج سے سرفراز ہوئے۔ اور شیخ محمد حیات سندھی سے علم حدیث حاصل کیا۔ ۱۱۴۸ھ میں سورت واپس آئے اور پھر تقریباً پچاس سال سورت میں درسِ حدیث دیا۔ مشہور زمانہ عالم لغوی ادیب مفسر محدث شاعر صوفی علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی المتوفی ۱۲۰۵ھ (مدفون زبیر شام) حجاز کو جاتے ہوئے آپ کے مدرسے میں ٹھہرے تھے۔ اور آپ سے کسب فیض کیا تھا۔ مولانا خیر الدین محدث سورتی کی تصوف میں "شواہد الجوید" ایک عمدہ کتاب ہے۔ آپ کا ۱۰ رجب المرجب ۱۲۰۶ھ میں وصال ہوا۔ (ماخوذ: تذکرہ علماء اہلسنت ص ۲۵۸ مصنفہ علامہ محمود احمد قادری۔ مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ)

[1] مولانا حکیم قاری احمد کی یادداشتیں۔ مملوکہ ولی حیدر ذاکر

دور دورہ تھا۔ چین، فرنگ، عرب، ایران ہر جگہ کے افراد و اشیا یہاں موجود تھیں۔ بارھویں صدی ہجری میں عزت اسلام اور رونق مساجد جو سورت میں دیکھی گئی۔ وہ اس زمانہ میں شاید تمام ہندوستان میں نہ ہوگی۔ غالباً یہ برکات و مجاورات ہمسائیگی حرمین شریفین کی بنا پر سورت کو حاصل تھیں۔ اور اسی بنا پر سورت کو "بابِ مکہ" کہا جانے لگا تھا۔ اُن دنوں سورت میں مولانا خیر الدین محدث سورتی مسندِ علم و فضل پر متمکن تھے۔[1]

مولانا خیر الدین محدث سورتی کے حلقہ درس میں مولانا رفیع الدین مرادآبادی نے بصد عقیدت شرکت کی۔ اور سند حدیث حاصل کی۔ مولانا مرادآبادی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا خیر الدین سورتی کی ذات بڑی متبرک اور مغتنمات روزگار سے ہے۔ اس لئے لوگوں کے لئے اُن کا وجود باعثِ افتخار ہے۔ بہت سوں نے اُن کی خدمت میں علوم ظاہر و باطن حاصل کئے ہیں۔ زائرین حرمین شریفین کے لئے اُن کی ذات عالی ملجا و ملاذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس قدر عزت عنایت فرمائی ہے کہ شریف مکہ اور تمام حکام دکن تعظیم و توقیر کے ساتھ اُنکو خط لکھتے ہیں اُن کے مراسلات کو احترام کے ساتھ وصول کرتے ہیں۔ اور اس کے باوجود مولانا پر تواضع و انکسار غالب ہے کہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ مہمانوں اور فقراء کے لئے کھانا خود لاتے ہیں۔ محتاجوں کی حاجت روائی کی سعی بلیغ فرماتے ہیں۔ اور بنفس نفیس پیادہ یا سواری پر اُس شخص کے مکان تک تشریف لیجاتے ہیں جس کے ذریعہ سے کسی کی حاجت پوری کرنا ہوتی ہے۔[2]

مولانا خیر الدین محدث سورتی کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ مولوی محمد صالح مولوی نظام الدین اور آمنہ بی بی۔ مولانا محمد صالح المعروف قاضی میاں نے تمام علوم و فنون اپنے والد سے حاصل کئے وہ مجمعِ محاسنِ اخلاص و مکارم شیم اور اپنے والد کے خلف الصدق تھے اپنے والد کی رحلت تک اپنے والد کے درس میں بطور سامع شریک رہے اور والد کے انتقال

[1] مولانا رفیع الدین مرادآبادی ص ۱۳ سفرنامہ حرمین مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۱ء
[2] مولانا رفیع الدین مرادآبادی ص ۱۴ سفرنامہ حرمین۔

کے بعد خود اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ مولانا محمد صالح سورت کے امراء میں شمار ہوتے تھے۔ کیونکہ زائرین حرمین شریفین کے لئے سورت سے جدہ تک آپ کی کشتیاں چلتی تھیں۔ مولانا رفیع الدین مرادآبادی کے ساتھ ۱۲۰۲ھ میں اپنی کشتی "سفینۃ الرسول" میں حج کو گئے۔ اور شیخ محمد حیات سندھی کے برادر زادہ شیخ محمد عابد سندھی کے درس میں شامل ہوئے۔ [1]

مولانا خیر الدین محدث سورتی کے دوسرے صاحبزادے مولانا نظام الدین بھی درس و تدریس کے علاوہ جہازرانی کو ذریعۂ معاش رکھتے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد مولانا کے مدرسہ میں درس حدیث دینے لگے تھے۔ مولانا خیر الدین کی صاحبزادی آمنہ بی بی کی شادی سورت کے ایک عالم اور عامل مولانا ولی اللہ محدث سورتی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ آمنہ بی بی کی لڑکی حلیمہ بی بی تھیں جن کا عقد مولانا محمد ابراہیم کے پوتے، مولانا محمد طاہر کے صاحبزادے مولانا محمد طیب سے ہوا تھا۔ جن کے صاحبزادے مولانا وصی احمد محدث سورتی تھے۔ [2]

مولانا محمد طیب سورتیؒ

مولانا محمد ابراہیم کی تین پشتیں سورت و راندیر میں مقیم رہیں لیکن اُن کی تفصیلات کسی قدر مفقود ہیں۔ صرف روایتوں اور حکایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کے تمام افرادِ کپڑے کی تجارت اور درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ خصوصاً راندیر میں اس خاندان کو اس کے نسبی علمی تبحّر کی بنا، پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت مولانا خیر الدین محدث سورتیؒ کی نواسی سے مولانا محمد طیب کا عقد بھی دراصل اسی علم و

---

[1] مولانا رفیع الدین مرادآبادی ص۱۶ سفرنامہ حرمین۔

[2] مولانا قاری احمد پیلی بھیتی کی قلمی یادداشتیں۔

فضل کا نتیجہ تھا۔ جو اس خاندان کو راندیر میں حاصل تھا۔ مولانا محمد طیب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا محمد طاہر سے حاصل کی تھی۔ جبکہ حدیث مولانا خیر الدین محدث سورتی کے صاحبزادے مولانا محمد صالح المعروف قاضی میاں سے پڑھی تھی۔ مولانا طیب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مذہبی تحریکات سے متاثر تھے۔ آپ نے سورت کے سنّی بوہروں کے عام رواج کے مطابق کاروبار سنبھالنے سے قبل ہی فریضۂ حج ادا کیا تھا۔ اور وہاں مکہ معظمہ میں علامہ سیّد زین العابدین کے درس حدیث میں شرکت کی تھی۔ جو خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ اور مکہ معظمہ میں درسِ حدیث دیتے تھے۔ مولانا محمد طیب کی علوم فقہ و حدیث پر بڑی گہری نظر تھی۔ امام ابوحنیفہ کے مسلک پر بڑی سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ مزاج میں قدرے سختی تھی۔ بےخوف و خطر اظہارِ حق کرتے تھے۔ آپ نے سورت و راندیر میں مقیم بوہروں کے عقائد و اعتقادات کی بھی سختی کے ساتھ گرفت کی۔ اور "تصوّرِ امامت" کی نفی کرتے ہوئے تصوّرِ خلافت کو جائز و درست قرار دیا۔ مولانا محمد طیب نے اصلاحِ رسوم کی جانب بھی توجہ دی اور سنی بوہروں میں جو بدعات شیعہ اسماعیلیہ بوہروں کی قرابت و صحبت کی بنا، پر رائج ہو گئی تھیں اُن کا رد کیا۔ اور مسلک امام ابوحنیفہ کو عام کیا۔ راندیر میں آپ کا قیام سپاہی واڑے میں تھا۔ اور اسی محلہ کی جامع مسجد میں آپ درس اور جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ [1]

برصغیر میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے خلاف مولانا محمد طیب کے دل میں شدید نفرت تھی۔ ۱۸۵۶ء کے اواخر میں جب ہندوستان کے مختلف گوشوں سے انگریزوں کے خلاف آوازۂ جہاد بلند ہوا تو مولانا طیب نے بھی سورت اور راندیر میں مجاہدین کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ اس زمانہ میں سورت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایجنٹ گورنر

---

[1] مولانا حکیم قاری احمد کی یادداشتیں۔

ڈبلیو اسی فیرمین تھا۔ اس گورنر نے سورت میں مقیم بوہیروں اور اُن کے پیشوا سیدنا عبد القادر نجم الدین بن طیب زین الدین سے خاصے مراسم استوار کر لئے تھے۔ اور حنفی العقیدہ مسلمانوں پر عرصۂ زندگی تنگ کر دیا تھا۔

جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء اور سورت

سورت میں انگریزوں کے ورود کے بارے میں صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ ۱۶۶۴ء میں ایک سیاح سر جارج آکسینڈن نے سورت کی بندرگاہ پر قبضہ کیا اور سورت میں پہلا کارخانہ قائم کیا۔ ۱۷۵۹ء میں انگریز سورت پر اپنا اقتدار جمانے میں کامیاب ہو گئے اور ۱۸۰۰ء میں انہوں نے پوری طرح اس شہر کا نظم و نسق سنبھال لیا تھا۔[1] انگریزوں کی آمد کے بعد سورت اور راندیر کی اقتصادی حالت کافی بگڑ گئی تھی۔ برطانوی تاجروں کی آمد و رفت میں اضافہ کے ساتھ مسلمان تجار اپنی اہمیت کھوتے جا رہے تھے۔ یوروپی درآمدی مال کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اور مقامی صنعتیں روبہ زوال تھیں۔ ان حالات کا سورت اور راندیر میں آباد اقلیتوں پر جن میں بوہیر بھی شامل تھے زیادہ اثر نہیں پڑا۔ لیکن سنی مسلمان اور خاص طور پر وہ لوگ جو بندرگاہ ہونے کے سبب سورت کو اپنا تجارتی مستقر بنائے ہوئے تھے۔ شدید اقتصادی الجھنوں کا شکار ہو گئے اکثر تجارت پیشہ خانوادے اس صورتحال سے دلبرداشتہ ہو کر اندرونِ ملک ترک مکانی کر گئے۔ اس اقتصادی بدحالی کا سب سے زیادہ اثر مذہبی حلقوں پر مرتب ہوا کیونکہ اُس زمانہ میں مساجد اور مدرسوں کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی اور یہ ادارے تاجروں و متمول افراد کے عطیات پر چل رہے تھے۔ جب یہ لوگ اقتصادی مدوجزر کی لپیٹ میں آئے تو بیشتر مدارس مالی بحران کا

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ ص ۴۳۸

شکار ہو کر بند ہو گئے۔ اس تمام صورت حال کا ردعمل انگریزوں سے نفرت کی صورت میں سامنے آیا۔ اور سنی العقیدہ مسلمانوں نے کھل کر انگریزوں کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا مولانا محمد طیب نے جمعہ کے خطبات میں علی الاعلان انگریزوں کی مخالفت شروع کر دی۔ راندیر کے شیعہ اسماعیلیہ بوہروں کو آپ کی سرگرمیاں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے خلاف انگریز ایجنٹ گورنر سے مخبری کر دی اور آپ کو شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ پروفیسر الغفار حسین نے لکھا ہے کہ مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ۔ دہلی، بریلی، لکھنؤ، جھانسی، بجنور اور دیگر مقامات پر جہادِ آزادی[1] شروع ہوتے ہی مولانا محمد طیب نے بھی انگریزوں سے مقابلے کی ٹھانی اور ایک معرکہ میں آپ کے متعدد ساتھی اور دو بیٹے شہید ہو گئے۔ بے سرو سامانی کے عالم میں آپ نے راندیر کی سکونت ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اپنی اہلیہ اور دو بیٹوں مولانا وصی احمد اور مولانا عبد اللطیف کو لیکر سورت چلے آئے اور مولانا خیر الدین محدث سورتی کی خانقاہ کے احاطہ میں کئی دن تک روپوش رہے۔[2]

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں درج ہے کہ سورت میں ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے دوران کسی قسم کا ہنگامہ نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہونے کے باوجود مقامی انتظامیہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہل کاروں پر مشتمل تھی بڑی خوش اسلوبی سے انتظام چلاتی رہی۔[3] ہندوستان کے دیگر علاقوں میں جہادِ آزادی بڑے زور و شور سے جاری تھا۔ ہر سمت سے

---

[1] **جنگِ آزادی اور جہادِ آزادی کا فرق** ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کو ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ہمیشہ وہابی مورخین نے جنگِ آزادی لکھا جبکہ وہ سید احمد کے تصادم بالاکوٹ کو ہمیشہ جہادِ آزادی کہتے رہے۔ اس کی بظاہر وجہ اس کے علاوہ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ۱۸۵۷ء کا جہادِ آزادی خالص سنی علماء کے ایماء پر شروع ہوا تھا اور فتویٰ جہاد پر بھی بیشتر سنی علماء کے دستخط موجود تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کو جنگِ آزادی کہنا یا لکھنا بدنیتی پر مبنی ہے۔ اس لئے میں اسے جہادِ آزادی تحریر کرتا ہوں۔

[2] پروفیسر الغفار حسین ص ۲۰۔ ہمارے گنجہائے گرانمایہ۔ مضمون مطبوعہ ماہنامہ پیام حق۔ کراچی۔

[3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۱۱۷ جلد ۲۶ مطبوعہ ۱۹۱۱ء

قتل و غارتگری کی اطلاعات برابر سورت پہنچ رہی تھیں۔ خصوصاً مسلمان جوق در جوق ہندوستان سے ہجرت کرکے حجاز، عراق، ایران اور افغانستان جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دہلی، بریلی، لکھنؤ، میرٹھ اور بدایوں سے فرار ہو کر سورت پہنچی تاکہ یہاں سے بحری جہازوں کے ذریعہ حجاز مقدس یا دیگر مسلم ممالک کی جانب کوچ کیا جا سکے۔ کیرانہ میں مجاہدین آزادی کی کمان نامور عالم دین مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے ہاتھ تھی۔ اگست ۱۸۵۷ء کو کیرانہ میں انگریزی فوج سے مجاہدین کا مقابلہ ہوا اور انگریزوں کے بھاری اسلحہ خانہ کے سامنے مجاہدین کی ایک نہ چلی۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے گرفتاری سے بچنے کے لئے روپوشی اختیار کرلی۔ تلاشِ بسیار کے باوجود جب مولانا انگریزوں کے ہاتھ نہ آئے تو انگریزوں نے ان کو مفرور قرار دیکر اُنکی جائیداد ضبط کرلی اور اُن کی گرفتاری پر انعام مقرر کردیا۔ ڈاکٹر معین الحق نے لکھا ہے کہ ان حالات میں کیرانہ سے بچ نکلنا مولانا کے لئے بڑا محال تھا مگر آپ نے اپنا نام تبدیل کرکے ہندوستان چھوڑ دینے کی دل میں ٹھانی اور جے پور جودھ پور کے خطرناک ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے سورت پہنچے تاکہ وہاں سے حجاز مقدس کی جانب ہجرت اختیار کر سکیں۔[1]

مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے مولانا خیر الدین محدث سورتی کے خاندان سے بڑے دیرینہ مراسم تھے۔ اور آپ متعدد بار سفرِ حج کے دوران سورت میں مولانا خیر الدین محدث سورتی کی خانقاہ میں قیام فرما چکے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں گرفتاری سے بچنے کے لئے جب آپ سورت پہنچے تو یہاں محدث سورتی کی خانقاہ میں مولانا محمد طیب اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ مقیم تھے۔ اور حجاز مقدس روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔

---

[1] دی ریولوشن آف ۱۸۵۷ء صفحہ ۳۸۱۔ ڈاکٹر معین الحق مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی[1] کی زبانی حالات کا علم ہوا تو مزید لبریداشتہ ہوئے۔ اور مولانا کی ہمراہی میں نہایت خاموشی کے ساتھ ایک بادبانی کشتی پر سوار ہو کر حجاز مقدس کی جانب ہجرت کر گئے۔[2]

مولانا محمد طیّب کی وفات۔

مولانا محمد طیّب اپنی اہلیہ اور دو صاحبزادوں مولانا وصی احمد اور مولانا عبداللطیف کے ہمراہ جن کی عمریں اُس وقت بیس اور اٹھارہ سال تھیں صفر المظفر ۱۲۷۳ھ کی آخری تاریخوں میں جدّہ پہنچے یہاں سے آپ مدینہ منورہ اور آپ کے ہمسفر مولانا رحمت اللہ کیرانوی مکّہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ مولانا محمد طیّب نے ماہ ربیع الاوّل روضۂ رسولؐ پر گذارنے کے بعد ربیع الثانی میں عراق روانگی کا قصد کیا جہاں سے آپ کے آباؤ اجداد ہندوستان پہنچے تھے۔ مولانا طیّب کے عراق میں قیام اور دیگر مصروفیات کے بارے میں کسی قسم کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ لیکن روائتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد طیّب نے عراق میں تین سال سے زائد قیام کیا۔ اور پھر ۱۲۷۶ھ میں حج بیت اللہ کے لئے مکّہ معظمہ پہنچے۔ یہاں پہنچکر آپ کو معلوم ہوا کہ ہندوستان پر برطانوی اقتدار پورے طور پر قائم ہو چکا ہے۔ اور ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے حج بیت اللہ اور

---

[1] مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے حجاز مقدس پہنچ کر مکّہ معظمہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اور بنگال کی ایک مخیّر خاتون صولت النساء بیگم کی امداد و اعانت سے ۱۸۷۲ میں ایک مدرسہ قائم کیا اور باقی ماندہ عمر درس و تدریس دینی علوم کی ترویج و اشاعت میں بسر کردی۔ ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ بمطابق ۲ مئی ۱۸۹۱ء مکہ مکرمہ میں پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ مولانا حکیم قاری احمد نے ۱۹۵۳ء میں سفرِ حج کے دوران مدرسہ صولتیہ اور مولانا کی آخری آرام گاہ کی زیارت کی تھی۔ جس کا احوال اپنی کتاب "مشاہداتِ حرمین" مطبوعہ کراچی میں تحریر کیا ہے۔

[2] مولانا حکیم قاری احمد کی یادداشتیں، قلمی مملوکہ خواجہ رضی حیدر

روضۂ رسول ؐ کی زیارت سے فارغ ہو کر ہندوستان واپسی کا ارادہ کیا۔ مگر عمرِ عزیز کے دن پورے ہو چکے تھے۔ آپ جدہ پہنچکر بیمار ہوئے۔ اور جدہ ہی میں مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

مولانا محمد طیبؒ کی اہلیہ اور صاحبزادگان مولانا وصی احمد اور مولانا عبد اللطیف کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ واپس ہندوستان پہنچیں۔ چنانچہ تین افراد پر مشتمل یہ بے یار و مددگار قافلہ جب سورت کی بندرگاہ پر اترا تو سورت کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ بندرگاہ سے لیکر انتہائے شہر تک ہر طرف انگریزوں کی عملداری تھی۔ راندیر میں شیعہ اسماعیلیہ بواہیر کا دور دورہ تھا۔ حنفی العقیدہ سنی مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا خصوصاً اُن افراد کو جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں حصّہ لیا تھا یا مجاہدین کی تائید کی تھی سخت مصائب کا سامنا تھا۔ راندیر میں مولانا محمد طیبؒ کی جائیداد و کاروبار بحقِ سرکار ضبط کر لیا گیا تھا۔ اس ماحول میں مولانا کے صاحبزادوں اور اہلیہ کے لئے یہاں از سرِ نو رہائش اختیار کرنا بڑا مشکل تھا۔ عزیز رشتہ دار، احباب و اقارب سب ہی اپنی جگہ پر خائف اور عدمِ اطمینان کا شکار تھے۔ مسجدیں ویران ہو گئی تھیں۔ مدرسوں پر تالے پڑ گئے تھے۔ علماء نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ اس واماندہ اور تھکے ہارے قافلے نے ایک مرتبہ پھر سورت سے ترکِ مکانی کی دل میں ٹھانی ابھی کوچ کی تیاری ہو ہی رہی تھی کہ مولانا محمد طیبؒ کی اہلیہ جو تین سال کی دربدری اور ضعیف العمری کے سبب بالکل نڈھال ہو چکی تھیں اچانک اس دارِ فانی سے رحلت کر گئیں۔ مولانا وصی احمد اور مولانا عبد اللطیف کے لئے یہ سانحہ بڑا دلدوز اور جانگسل تھا لیکن برداشت کیا اور والدہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دہلی روانہ ہو گئے۔[1]

---

[1] صفیہ قاری ایم اے ص ۱۶ مضمون "مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی" مطبوعہ ائمۂ اہلسنت نمبر روزنامہ سعادت لائلپور ۲۳ مئی ۱۹۶۹ء۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی

زیرِ نظر تذکرہ کے مرکزی کردار مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عملی زندگی کا آغاز سورت سے ہجرت اور دہلی میں قیام سے ہوتا ہے۔ مولانا محمد طیبؒ نے اپنی مذہبی اور سماجی سرگرمیوں سے کچھ وقت نکال کر اپنے دونوں بیٹوں کو قرآنِ حکیم کی ابتدائی تعلیم دی تھی۔ کیونکہ یہ دونوں بیٹے جو مولانا طیبؒ کی اولاد میں بڑے تھے۔ اپنے والد کی غیر موجودگی میں کاروبار کی ذمہ داری کو پورا کرتے تھے۔ لیکن علم حاصل کرنے کی لگن دونوں کے دلوں میں ہمیشہ سے موجود تھی۔ چنانچہ سورت سے دہلی کی جانب کوچ اِسی لگن کی تکمیل کی جانب پہلا قدم تھا۔

مولانا وصی احمد اور مولانا محمد عبد اللطیف نہایت کسمپرسی اور واماندگی کے عالم میں سورت سے روانہ ہوئے تھے۔ دونوں کے دل میں تمام تر مصائب و مشکلات جھیلنے کے باوجود حصولِ علم اور اللہ کے دین کی سربلندی کا جذبہ موجزن تھا۔

چنانچہ دونوں بھائی مشاہداتِ خیر و شر سے بہرہ مند ہوتے ہوئے دہلی کی سمت روانہ ہوئے۔ جہاں علمِ دین کا غلغلہ اور علماءِ دین کی شہرت عام تھی۔ ہر منزل پر فرنگی استبداد کی خبریں مل رہی تھیں، مصلحت کوش مسلمان خطابوں سے نوازے جا رہے تھے۔ اور اعلائے کلمۃ الحق کی سزا عام تھی۔ جہادِ آزادی میں حصہ لینے والوں کی تلاش ہنوز جاری تھی۔ خوف و ہراس کا وہ عالم تھا کہ سائے پر بھی دشمن کا گمان گذرتا تھا۔ سکوت و خاموشی پورے ہندوستان کا مقدر بن چکی تھی۔ ایسے میں یہ دو عالی نسب مسلسل اپنی منزل کی طرف رواں تھے۔

وہ جانتے تھے کہ سفر کے رنج و مصائب عارضی ہیں۔ اور جو وقت اُن کا انتظار کر رہا ہے وہ اپنے دامن میں دائمی شہرت و عزت لئے ہوئے ہے۔ آخر کار گردلوں میں حمائل شریف ڈالے اور سر دل پر زادِ سفر لئے دونوں بھائی ۱۲۷۷ھ کی ابتدائی تاریخوں میں دہلی پہنچے

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں دہلی اجڑ چکی تھی۔ جو چہرے کل تک جدی پشتی وجاہتوں سے گلزار، شجرۂ نسب کی شکوہ سامانیوں کے آئینہ دار اور علم و فضل کی فراوانی سے وجہہ افتخار تھے۔ آج بے برگ و بار اپنے ہی وجود کے لئے باعث ننگ و عار تھے۔ چاندی کی سی عمارتیں جو ہندوستان کا سنگھار تھیں گرد و غبار میں اٹی فلک کج رفتار سے شکوہ طراز تھیں ہر طرف ویرانی اور بے سرو سامانی کا دور دورہ تھا۔ مگر اس کے باوجود کچھ لوگ علائق دنیوی سے کنارہ کش اب بھی خلقِ خدا کی خدمت کے لئے بلا تکلف زحمت کش تھے۔ خصوصاً حصول علم دین کی غرض سے آنے والوں کیلئے اب بھی دہلی کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں مولانا وصی احمد جب اپنے برادرِ خورد کے ہمراہ وارد دہلی ہوئے تو وضع قطع نے مسافرت کی گواہی دی۔ لمبے چوڑے قد، کھلتا ہوا گندمی رنگ، چھوٹی چمکدار سیاہ آنکھیں، طویل انگرکھے، پاؤں میں کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی چپل، سر پر خالص سورتی وضع کا عمامہ۔ غرض کہ ہر چیز اُن کے عربی النسل ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔

شجرۂ نسب،

مولانا وصی احمد محدث سورتی کا شجرۂ نسب حضرت سہیل بن حنیفؓ سے ملتا ہے۔ اور آپ اپنے نام کے ساتھ "حنفی اور حنیفی" لکھا کرتے تھے۔ پروفیسر انصار حسین نے لکھا ہے کہ محدث سورتی کا سلسلۂ نسب رسول اکرمؐ کے مشہور صحابی حضرت سہیلؓ ابن حنیف سے ملتا ہے۔ حضرت سہیلؓ مدینہ کے باشندے تھے۔ بدر اُحد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ احد میں ثابت قدم رہے۔ وفاتِ رسول اللہؐ کے بعد حضرت علیؓ کے ساتھی اور رفیق تھے۔ حضرت علیؓ نے آپؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا تھا اس کے بعد فارس کا گورنر بنایا ۳۸ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا۔[۱]

[۱] الکمال فی اسماء الرجال صد ۲۶۴ - ترجمہ مولانا قاری احمد مطبوعہ قرآن محل کراچی

ورودِ دہلی اور مدرسہ حسین بخش۔

دہلی پہنچ کر دونوں بھائیوں نے ابتداً مسجد فتحپوری دہلی میں قیام کیا چند روز تک اس اجنبی ماحول اور معاشرت کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے علم دین کی تکمیل کے لئے مدرسہ حسین بخش میں داخلہ لے لیا۔ اور اسی مدرسے کے حجروں میں قیام کیا[۱] مدرسہ حسین بخش غدر کے بعد کی دہلی میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ جہاد آزادی کے

[۱] تذکرۂ علماء اہلسنت صد ۲۵۸

دوران بھی اس مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔

دہلی میں مٹیا محل سے چتلی قبر تک چلیں تو اطراف میں متعدد گلیاں ہیں۔ داہنے ہاتھ کی طرف کوچہ رگھنا ناتھ داس میں حویلی بختاور خان ہے۔ جس میں مدرسہ حسین بخش واقع ہے۔ یہ مدرسہ ایک علم دوست پنجابی سوداگر حسین بخش نے ۱۲۶۸ھ میں تعمیر کرا کر وقف کیا تھا۔ مدرسہ حسین بخش کی پیش طاق پر "دار الہدیٰ والواعظ" تحریر ہے۔ جس سے ۱۲۶۸ھ تاریخ نکلتی ہے۔ مدرسہ میں علاوہ مسجد کے مدرسہ کے لئے دالان اور طلبا و مدرسین کے لئے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ [5]

مولانا وصی احمد اور مولانا عبداللطیف نے اس مدرسہ میں تقریباً ایک سال قیام کیا۔ اور مختلف علماء و فضلاء سے صرف و نحو، تفسیر و تراجم اور دیگر قرآنی علوم حاصل کئے۔ مولانا وصی احمد کے قیام دہلی کی تفصیلات بھی بڑی حد تک مفقود ہیں۔ پروفیسر انصار حسین، صفیہ قاری اور علامہ محمود احمد قادری نے اپنی تحریروں میں مدرسہ حسین بخش میں ان دونوں بھائیوں کے قیام کا زمانہ صرف ایک سال لکھا ہے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں بھی صرف اسی بیان پر اکتفا کیا ہے اور اس دوران اساتذہ وغیرہ کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قیام دہلی کے زمانہ میں مولانا عبداللطیف چھوٹے پیمانے پر کپڑے کی تجارت کرنے لگے تھے۔ جو دہلی سے روانگی کے وقت ختم کر دی تھی۔

مدرسہ فیض عام

مدرسہ حسین بخش میں مولانا وصی احمد سورتی اور مولانا عبداللطیف زیر تعلیم تھے کہ پورے ہندوستان میں جہادِ آزادی کے علمبردار مفتی عنایت احمد کاکوروی اسیر انڈمان کی رہائی کا غلغلہ اٹھا۔ مفتی صاحب ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے تقریباً پانچ

[5] آثار الصنادید مؤلفہ سر سید احمد خان۔

سال سے کالا پانی کی سزا بھگت رہے تھے۔ یہاں آپ کے ہمراہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی اور حضرت مولانا مفتی مظہر کریم دریا آبادی بھی پابند سلاسل تھے۔ مفتی عنایت احمد نے دوران اسیری اپنے حافظہ کی بنیاد پر سیرت نبوی میں "تواریخ حبیب اللہ" لکھ کر پورے ہندوستان میں اپنی علمیت کا سکہ بٹھا دیا۔ اور وارد و غم جیل حافظ وزیر علی کی کوششوں سے ۱۲۷۷ھ میں رہائی پائی۔ مفتی عنایت احمد نے جو علی گڑھ میں ۱۸۵۷ء سے قبل درس و تدریس کی مسند پر متمکن تھے۔ رہائی کے بعد کانپور میں مستقل رہائش اختیار کی اور "فیض عام" کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے علی گڑھ سے اپنے عزیز شاگرد مولانا لطف اللہ علی گڑھی کو بھی اسی مدرسہ میں بلا لیا۔ اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ غدر کے بعد ہندوستان میں یہ پہلا مدرسہ تھا جو نہایت دھوم دھام سے قائم کیا گیا۔ [1]

مولانا قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں تحریر کیا ہے کہ اس مدرسہ کے لئے سرمایہ کانپور کے ایک رئیس عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی نے فراہم کیا تھا۔ چنانچہ اس مدرسہ کے افتتاح کے لئے عبدالرحمٰن خان نے مفتی عنایت احمد سے مشورہ کر کے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی کو کانپور آنے کی دعوت دی۔ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ فیض عام سے مولانا گنج مرادآبادی کا تعلق آخر وقت تک قائم رہا اور آپ کی ذات سے مدرسہ کو خصوصی فیض پہنچتا رہا۔ مولانا عبدالحئی رائے بریلوی نے لکھا ہے کہ مولانا کاکوروی نے عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی کی دعوت پر مدرسہ فیض عام قائم کیا اور تین سال تک یہاں درس دیتے رہے۔ [2]

مولانا وصی احمد اور مولانا عبداللطیف نے جب مدرسہ فیض عام کا تذکرہ سنا تو وہ مدرسہ حسین بخش سے کانپور پہنچے اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے درس میں شامل ہو گئے

[1] محمد علی حیدر صفحہ ۲۸۹۔ تذکرہ مشاہیر کاکوروی۔ مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۱۹۲۷ء
[2] نزہت الخواطر صفحہ ۳۴۲ مولانا عبدالحئی جلد ۷

یہ ۱۲۷۹ھ کا ذکر ہے اس زمانہ میں آپ کے ہمدرس طلبہ میں پیلی بھیت کے حکیم خلیل الرحمٰن خاں اور پٹیالہ کے مولانا احمد حسن کانپوری بھی شامل تھے۔

مولانا وصی احمد نے اپنے بھائی کے ساتھ مدرسہ فیض عام میں تقریباً سات سال تک مولانا لطف اللہؒ علی گڑھی سے مختلف علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی اس دوران یعنی ۱۲۷۹ء میں مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی سفر حج کے دوران جہاز ایک چٹان سے ٹکرانے کی وجہ سے غریق و شہید ہو گئے۔ چنانچہ مولانا لطف اللہؒ علی گڑھی نے مولانا محمد علی کانپوری ثمہ مونگیری کو مدرسہ میں نائب مدرس مقرر کیا۔ مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا وصی احمد کے درمیان تعلقات کا آغاز اسی مدرسہ سے ہوا تھا۔ اور مولانا وصی احمد مدرسہ کے ایک طالبِ علم کی حیثیت سے مولانا محمد علی کانپوری کو اساتذہ میں شمار کرتے تھے۔

استاذ العلماء مولانا مفتی لطف اللہؒ علی گڑھی۔

مولانا مفتی لطف اللہؒ علیگڑھی ولد شیخ اسد اللہؒ ۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۸۲۸ء میں موضع پلکھنے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی کتابیں میاں جی موہن لال اور مولوی محمد عظیم اللہؒ سے پڑھیں نیز مولوی حفیظ اللہؒ خاں سے خطاطی سیکھی۔ اپنے خسر مولوی رونق علی سے فارسی کی چند کتابیں پڑھیں اور پندرہ برس کی عمر میں علیگڑھ کے مفتی اور منصف مفتی عنایت احمد کاکوروی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ عرصے بعد مفتی عنایت احمد کا تبادلہ بحیثیت صدر امین علی گڑھ سے بریلی ہو گیا۔ چنانچہ مولوی لطف اللہؒ نے بھی بریلی کا سفر اختیار کیا۔ اور جملہ کتب درسیہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کی۔ مفتی عنایت احمد نے شاگرد کی لیاقت و صلاحیت سے متاثر ہو کر مولانا لطف اللہؒ کو اپنے ہی اجلاس کا سررشتہ دار مقرر کر لیا۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی میں مفتی عنایت احمد گرفتار کر لئے گئے۔ اور مولانا لطف اللہؒ علی گڑھی بریلی کی سکونت ترک کر کے دوبارہ علی گڑھ آ گئے جہاں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور

یہ سلسلہ ۱۲۷۷ء میں مفتی عنایت احمد کی رہائی تک جاری رہا۔ مفتی عنایت احمد نے رہائی پا کر اپنے مدرسہ فیض عام میں مولانا لطف اللہؒ کو نائب مدرس مقرر کیا اور ۱۲۷۹ء میں مفتی عنایت احمد کے غریق و شہید ہونے کے بعد آپ اسی مدرسہ کے صدر مدرس اوّل مقرر ہوئے اور تقریباً سات سال تک اس حیثیت میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے ۱۲۸۵ھ میں آپ کانپور کی سکونت ترک کر کے علی گڑھ لوٹ آئے اور یہاں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ یہ بافیض درس ۱۲۸۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک مسلسل جاری رہا۔ اس دوران پورے برصغیر میں تقلید و عدم تقلید کی بحث جاری تھی۔ مباحث پر مبنی رسالے اور فتوے جاری کیے جا رہے تھے۔ مولانا لطف اللہؒ علی گڑھی غالی حنفی تھے اور تقلید آئمہ اربعہ کو ملّت مسلمہ کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ آپ نے بھی اس بحث میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ تقلید کی حمایت میں کئی رسالے تحریر کئے۔ اور متعدد فتاویٰ پر تصدیقی مواہیر ثبت کیں۔ علی گڑھ میں عدم تقلید کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی چنانچہ آپ کو کسی نے زہر دیدیا اگرچہ آپ اس حادثہ جانکاہ سے جانبر ہو گئے۔ مگر علی گڑھ سے آپ کی طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ درس و تدریس کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ اور آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ بعد میں نواب حیدرآباد دکن کو جب اس سانحہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے آپ کو حیدرآباد بلا بھیجا۔ اور ریاست میں آپ کو مفتی کے عہدے پر فائز کیا۔ اور اسی حیثیت میں ۸ / اکتوبر ۱۹۱۶ء کو آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ [1]

مولانا فیض احمد فیض نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی سوانح "مہر منیر" میں لکھا ہے کہ مولانا لطف اللہؒ علی گڑھی نے ابتداً کانپور اور پھر علی گڑھ میں علوم دینیہ کی اشاعت کے سلسلے میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ہندوستان کی علمی دنیا نے اُن کا "استاذ العلماء" کے خطاب سے اعتراف کیا۔ اس دور کے نامور علماءِ دین میں شاید ہی کوئی ایسا ہو گا جس نے استاذ العلماء کے گلشنِ علم سے فیض حاصل کیا نہ ہو۔ اس وقت مولانا لطف اللہؒ علیگڑھی کی شاگردی فضل و کمال

---

[1] خواجہ رضی حیدر، مضمون استاذ العلماء مولانا لطف اللہؒ علیگڑھی، مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۹ / مئی ۱۹۷۷ء

کی سب سے بڑی سند شمار ہوتی تھی۔ حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی علمائے ربانیین کا نمونہ اور زہد و تقویٰ اور خدا پرستی کا پیکر تھے۔ طبیعت بے حد مرنجاں مرنج پائی تھی۔ علماء ہم عصر کے ساتھ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود آپ نے اُن کے خلاف کبھی تعصب و تشدد کا اظہار نہیں فرمایا۔ آپ کی معقولیت کیلئے یہی سند کافی ہے کہ بریلوی اور دیوبندی دونوں مکاتب فکر کے علماء کے دل میں آپ کا بے حد احترام ہے۔ ان ہی پاک منش بزرگانِ دین کے انفاسِ قدسیہ کی برکت تھی کہ ایسے نازک دور میں جبکہ حکومتِ برطانیہ اور اس کے ہوا خواہ ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کو ختم کرنے کی ٹھان چکے تھے۔ مدارس اسلامیہ کا وجود باقی رہا اور علوم دین کے سرچشمے جاری رہے۔[1]

مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی وفات پر ہر طبقۂ فکر کے علماء نے اظہارِ رنج و غم کیا اخبارات و رسائل نے تعزیتی مضامین شائع کیے۔ علامہ شبلی نعمانی کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی نے جو اس زمانہ میں ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے مدیرِ اعلیٰ تھے۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی پر ایک تعزیتی نوٹ "فاجعہ علمیہ" کے عنوان سے لکھا۔ جو مولانا کی حیات و خدمات پر ایک جامع مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ:- "قدیم عربی مدارس کے در و دیوار اگرچہ ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے روز بروز بلند ہوتے جاتے ہیں لیکن جھک کر دیکھتے ہیں تو سنگ بنیاد متزلزل نظر آتا ہے۔ ہماری قدیم تعلیم و تربیت کی جو یادگاریں ان مدارس کی اساس تھیں ایک ایک کر کے مٹ گئیں۔ ایک مولوی لطف اللہ علی گڑھی رہ گئے تھے لیکن صرصرِ فنا نے ہماری انجمن کے اس چراغ کو بھی گل کر دیا۔ مولوی لطف اللہ میں قدیم تعلیم و تربیت کی تمام خصوصیات بالکمال و جوہ موجود تھیں۔ علم اخلاق اور قدیم تعلیم و تربیت کا مایہ خمیر تھا۔ اور ان ہی محاسن کی وجہ سے ہمارے علماء قوم میں عزت رسوخ و اثر پیدا کرتے ہیں۔ مولوی لطف اللہ کی ذات میں نہ صرف یہ محاسن جمع ہو گئے تھے۔ بلکہ وہ ان اوصاف میں عموماً اپنے اقران و مماثل میں ممتاز خیال کیے جاتے تھے۔ اشاعتِ

---

[1] مولانا فیض احمد فیض ص ۷۵-۷۴ ۔ مہر منیر ۔ مطبوعہ گولڑہ شریف راولپنڈی ۱۹۷۳ء

علم خالصتاً لوجہ اللہ ہمارے علماء کا تمغۂ امتیاز رہا ہے اور مولوی لطف اللہ مرحوم نے اپنی عمر کا ایک حصہ اس نیک کام میں صرف کیا۔ ہندوستان میں آج جسقدر علمی سلسلے قائم ہیں جو علماء آج مسند نشین درس و تدریس ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جنہوں نے مولوی لطف اللہ کے خرمنِ فیض سے خوشہ چینی کی ہے۔"[1]

مولانا لطف اللہ علی گڑھی نے ندوۃ العلماء کے قیام میں بھی ضعیف العمری کے باوجود حصہ لیا۔ اور جب ندوۃ العلماء میں غیر حنفی افراد کی شمولیت پر علماء کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا تو آپ نے اس تنازعہ کو دفع کرنے کی حتی الوسع کوشش کی۔ اس ضمن میں آپ کو مخالفتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ مولانا اخلاص سہوانی نے ایک رسالہ "حادثۂ جانکاہ مفتی لطف اللہ" کے تاریخی عنوان سے ۱۳۱۳ھ میں تحریر کیا جس میں، مولانا لطف اللہ سے اُن کے فقہی موقف کے بارے میں جواب طلب کیا گیا تھا۔[2]

مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے تلامذہ میں جن علماء نے دائمی شہرت اختیار کی اُن کے نام یہ ہیں۔

مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد علی مونگیری، پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا عبد الحق دہلوی، مولانا عبد الغنی کانپوری، مولانا ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا عبد اللہ ٹونکی، مولانا حافظ عبد القدوس کیمبل پوری، مولوی حکیم خلیل الرحمٰن خان پیلی بھیتی، مولانا نور محمد پنجابی، مولانا ابو سعید رحمانی فتحپوری، مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، مولانا حافظ کریم بخش برکاتی علی گڑھی، نواب حبیب الرحمٰن خان شیروانی۔

زمانہ طالب علمی میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی دیگر طلباء کے علاوہ مولانا وصی احمد پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم درس طلباء میں مولانا وصی احمد کی ذہانت اور فراست عام تھی۔ سنجیدگی اور بردباری مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سادگی اور قناعت شیوہ تھا۔ ہر معاملہ میں علمی نکتے نکالنا اور ہر مسئلہ کو ایک خاص نقطہ نظر سے پرکھنا آپ کا معمول تھا۔ مطالعہ کا اس قدر شوق تھا

---

[1] ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۱۶ء

[2] حادثۂ جانکاہ مفتی لطف اللہ مؤلفہ اخلاص حسین سہسوانی مطبوعہ بریلی ۱۳۱۳ھ

کہ ایک ایک کتاب کو کئی کئی مرتبہ پڑھتے حتیٰ کہ وہ حفظ ہوجایا کرتی تھی۔ حدیث وفقہ کی اکثر کتب درسیہ آپ کو زبانی یاد تھیں۔ محدثین کے سلسلے از بر تھے۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی نے مفتی لطف اللہ علیگڑھی سے درسیات کی تکمیل تین سال کی مختصر مدت میں کرلی تھی۔ لیکن بعد میں مولانا محمد علی مونگیری کے درس میں شامل ہوگئے۔ اور ادبیات کی تکمیل کی۔ اس دوران مفتی لطف اللہ اپنے آبائی شہر علی گڑھ روانہ ہوگئے۔ اور مولانا احمد حسن کانپوری کو جو تکمیل علوم کرچکے تھے۔ مدرسۂ فیض عام میں نائب مدرس مقرر کردیا گیا۔ مولانا وصی احمد بالحاظِ عمر دیگر طلبہ سے بڑے تھے۔ اس لئے آپ کا زیادہ تر وقت اپنے استاد مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا احمد حسن کی صحبت میں گذرتا تھا۔

بیعت وخلافت

گنج مرادآباد روانگی۔

مولانا وصی احمد کے برادر خورد مولانا عبداللطیف نے تکمیل تعلیم کے بعد کانپور میں لکڑی کی تجارت شروع کردی تھی۔ یہ تجارت اُن کیلئے بڑی سود مند ثابت ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے مولانا وصی احمد سے عمر میں دو سال چھوٹے ہونے کے باوجود مولانا وصی احمد کے تمام اخراجات برداشت کرنے کی ذمہ داری قبول کرلی اور اُن کو یکسوئی کے ساتھ حصولِ علم میں مشغول رہنے دیا۔

مولانا وصی احمد نے مدرسۂ فیض عام سے ۱۲۸۶ھ میں تمام علوم وفنون سے فراغت پاکر

گنج مراد آباد[1] کا سفر اختیار کیا۔ جہاں قطب الاقطاب اویس زمانہ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی قیام پذیر تھے۔ اُن کے کمالات و کرامات، توجہ و تاثیر، عشق و محبت اتباع سنّت اور رشد و ہدایت کے تذکرے اور چرچے ہندوستان کی دینی اور علمی مجلسوں میں عام تھے۔ کانپور میں حضرت کے مریدین و معتقدین کا حلقہ بڑا وسیع تھا، اس لئے آپ اکثر کانپور تشریف لایا کرتے تھے۔ مولانا وصی احمد نے کانپور میں حضرت شاہ فضل رحمٰن کی زیارت پہلی مرتبہ عبد الرحمٰن خان مالک مطبع نظامی کے مکان پر کی تھی۔ جہاں شاہ صاحب ورودِ کانپور کے موقع پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے لئے مطبع نظامی کی بلند و بالا عمارت میں ایک کمرہ مخصوص تھا۔[2] مولانا وصی احمد اس پیر کامل کا ذکر خیر مولانا محمد علی مونگیری کی زبانی اکثر و بیشتر سُن چکے تھے۔ لیکن جب ملاقات کی تو زہد و توکّل رشد و ہدایت اور الطاف الٰہی کے تمام خزانے اس ذات گرامی میں موجود پائے۔ چنانچہ طے کرلیا کہ تعلیم سے فارغ ہو کر کچھ عرصے تک شاہ فضل رحمٰن کے قدموں میں زندگی گذاریں گے۔ باور کیا جاتا ہے کہ گنج مراد آباد کے سفر میں مولانا وصی احمد کے ہمراہ مولانا محمد علی مونگیری بھی تھے۔ جو حضرت شاہ فضل رحمٰن کے مرید و خلیفہ تھے اور آپ کی ہی سفارش پر مدرسۂ فیض عام میں درس و تدریس

---

[1] ۔ مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ گنج مراد آباد قصبہ ہے جس کو اس علاقے کے حاکم مراد شیر خان نے آباد کیا تھا۔ اس لئے مراد آباد نام ہوا۔ گنج کا نام یوں لگ گیا کہ چند میل کے فاصلہ پر گنج کے نام سے ایک گاؤں آباد تھا۔ دوسرے یہ کہ سنبھل مراد آباد اور گنج مراد آباد میں امتیاز پیدا ہو جائے۔ یہ قصبہ اناؤ کے ضلع میں اناؤ اسٹیشن سے تقریباً اٹھارہ میل دور تھا۔ اناؤ سے لوگ تانگہ پر یا بیل گاڑی وغیرہ میں بیٹھ کر صفی پور اور بانگرمئو ہوتے ہوئے گنج مراد آباد پہنچتے تھے۔ اناؤ صوبہ یوپی کا ضلع ہے جو کانپور اور لکھنؤ کے درمیان آئی آئی آر ریلوے پر واقع ہے گنج مراد آباد جانے کا دوسرا راستہ بالامئو جنکشن اسٹیشن سے بلگرام جانے والی ریل کے ذریعہ مادھو گنج جاتا ہے جہاں اتر کر ملانوان اور وہاں سے گنج مراد آباد پہنچتے ہیں۔ تیسرا راستہ کانپور سے بلہور ہو کر جاتا ہے اور جو تھا راستہ ہردوئی سے تانگہ یا بیل گاڑی کے راستہ جاتا ہے۔ بالامئو سے بھی لوگ سیدھے گنج مراد آباد آتے ہیں۔ شاہ فضل رحمٰن نے جب ملانوان کی سکونت ترک کرکے گنج مراد آباد کی سکونت اختیار کی تو اس ـــ قصبہ کی شہرت عام ہو گئی۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں کانپور سے گنج مراد آباد کے لئے ریلوے لائن بچھائی گئی۔ اور باقاعدہ اسٹیشن قائم کیا گیا۔ (مولانا حکیم قاری احمد کی قلمی یادداشتیں)

[2] البلاغ کراچی صفحہ ۹۸ مضمون عبد الرحمٰن خان شمارہ دسمبر سنہ ۱۹۷۵ء

کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مولانا وصی احمد نے حضرت شاہ فضل رحمٰن کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے دستِ مبارک پر سلسلۂ نقشبندیہ قادریہ میں بیعت کی اور سلوک کی تعلیم کے لئے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔[1]

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی ۲۱ رمضان المبارک سنہ ۱۲۰۸ھ کو سندیلہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا اسم گرامی حضرت شاہ اہل اللہ تھا جو حضرت شاہ عبد الرحمٰن لکھنوی کے مرید تھے۔ اور حضرت گنج مراد آبادی کا نام آپ کے والد بزرگوار و مرشد نے فضل رحمٰن تجویز فرمایا۔ جس سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی نے مولانا نور الحق بن مولانا انوار الحق فرنگی محلی سے ابتدائی کتب درسیہ لکھنؤ میں پڑھیں اور پھر دہلی سفر اختیار کیا۔ جہاں حدیث شریف کی تعلیم حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ اسحٰق محدث دہلوی سے حاصل کی۔ آپ کے ہم درس طلبہ میں مرزا حسن علی محدث لکھنوی، مولانا حسین احمد ملیح آبادی اور مولانا عبد الصمد بھی شامل تھے۔ آپ نے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے حدیث مسلسل بالاولیۃ پڑھی اور سند حاصل کی جبکہ مولانا شاہ اسحٰق سے حدیث کی مکمل تعلیم حاصل کی۔[2] بعد میں آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے شہرۂ آفاق بزرگ حضرت شاہ محمد آفاق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلوک کی تعلیم حاصل کی اور بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے مرشد نے آپ کو علامہ محمد ابن جزری کی کتاب حصن حصین پڑھائی اور اس کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ حضرت شاہ آفاق آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور بیشتر آپ کے مرشد نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔[3] حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی پہلی شادی ملاواں میں ہوئی لیکن اہلیہ کی وفات کے بعد آپ نے ملاواں کی سکونت ترک کردی اور گنج مراد آباد ضلع اناؤ میں مستقل سکونت اختیار کرلی

---

[1] تذکرۂ علماء اہلسنت صفحہ ۲۵۹ [2] تذکرۂ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی صفحہ ۲۸ سید ابو الحسن علی ندوی
[3] تذکرۂ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی صفحہ ۳۰ سید ابو الحسن علی ندوی مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۷۷ء

اور دوسرا عقد فرمایا۔ مجاہدے اور ریاضت سے آپ کو حد درجہ شغف تھا۔ چنانچہ زندگی کا بیشتر حصّہ اپنی خانقاہ میں بسر کیا۔ جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء کے وقت آپ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی میں مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انگریزوں سے جہاد کرنے والوں میں شاہ صاحب بھی شامل تھے۔ مگر ایک دن لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور مجاہدین کے سپہ سالار سے فرمایا کہ لڑنے سے کیا حاصل ہوگا میں تو خضر کو انگریزوں کی صف میں دیکھ رہا ہوں۔[1]

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کو علم حدیث سے خصوصی شغف تھا اور معقولات کے شدید مخالف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے ارادت رکھنے والوں نے علم حدیث کے فروغ کی جانب زیادہ توجہ دی۔ مولانا محمد علی مونگیری اپنی کتاب ارشادِ رحمانی میں لکھتے ہیں کہ:۔

"طالب علمی کے زمانہ میں جب میری ملاقات شاہ فضل رحمٰن سے ہوئی تو مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کیا پڑھتے ہو۔ میں نے کہا کہ قاضی مبارک۔ ارشاد ہوا استغفر اللہ۔ نعوذ باللہ قاضی مبارک پڑھتے ہو۔ اس سے کیا حاصل۔ ہم نے فرض کیا کہ منطق پڑھ کر قاضی مبارک کے مثل ہو گئے۔ پھر کیا۔ قاضی مبارک کی قبر پر دیکھو کیا حال ہے۔ کوئی فاتحہ پڑھنے والا بھی نہیں اور ایک بے علم کی قبر پر جاؤ جس کو خدا سے نسبت تھی اس پر کیسے انوار و برکات ہیں۔[2]

اسی طرح ایک مرتبہ جب استاذ العلماء مولانا احمد حسن کانپوری آپ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ تو آپ نے حسبِ عادت دریافت کیا کہ آپ کیا پڑھاتے ہیں۔ مولانا کانپوری نے سب علوم کا نام لیا۔ اور معقولات کی زیادہ کتابیں بتائیں۔ شاہ صاحب نے معقولات پڑھنے اور پڑھانے کی بہت ہجو کی۔ اور فرمایا کہ منطق زیادہ پڑھنے اور پڑھانے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ حدیث و فقہ زیادہ پڑھا کرو۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے اپنی یادداشتوں میں لکھا

---

[1] سوانح قاسمی۔ مناظر احسن گیلانی مطبوعہ دار العلوم دیوبند ۱۳۷۳ھ

[2] ارشاد رحمانی صـ۴۳ مولانا محمد علی مونگیری مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۵ھ

ہے کہ مولانا عبدالکریم گنج مرادآبادی فرماتے تھے کہ حدیث کے مطالعہ سے انبیاء اور اولیاء کے قلوب کے انوار و برکات جو اس میں ہیں قلب پر اثر کرتے ہیں مطالعہ حدیث سے استغفار اور خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے اور خلقِ خدا کی رہنمائی میں مدد ملتی ہے جبکہ معقولات کے مطالعہ سے کلماتِ کفریہ زبان سے نکلتے ہیں۔ نفس موٹا پڑتا ہے اور کدورت پروان چڑھتی ہے۔[1]

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی صحاح ستہ موطا امام مالک اور حصن حصین پڑھانے پر خاص قدرت رکھتے تھے۔ آپ سے جن علماء نے درسِ حدیث لیا اُن میں مولانا عبدالکریم گنج مرادآبادی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا وصی احمد سورتی، مولانا ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا دیدار علی الوری، اور پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ ان علماء نے درس حدیث کو بطور مشن اختیار کیا۔ اگر بہ نظرِ غائر ہندوستان میں علم حدیث کے فروغ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان ہی علماء سے فیض یافتہ افراد کے دم قدم سے آج تک علم حدیث کی شمع برصغیر پاک و ہند میں روشن ہے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی درس حدیث کے سلسلے میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے ہمیشہ مداح رہے اور آپ اکثر و بیشتر اپنے حلقہ ارادت کے علماء کو مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی خدمت عالیہ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے بھیجتے تھے۔ شاہ صاحب مجاہدۂ باطنی اور علم و عرفان کی شہرت ایسی عام تھی کہ لوگ دور و نزدیک سے جوق در جوق آپ کی زیارت کے لئے گنج مرادآباد پہنچا کرتے تھے۔ تذکرۂ علمائے ہند کے مصنف مولانا رحمان علی لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا کے اوصاف حمیدہ اور خصائص پسندیدہ ایسے نہیں ہیں کہ زبان بریدہ قلم بے بنیاد کا غذ پر ان میں سے تھوڑے بھی لکھ سکے۔ اور لسان ضعیف البیان کی کیا مجال ہے کہ ان کا عشرِ عشیر بھی بیان کر سکے۔[2]

مولانا رحمان علی ماہ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۸۳ء میں اپنے وطن مالوف سے ملاقات

---

[1] مولانا قاری احمد کی قلمی یادداشتیں۔

[2] تذکرہ علمائے ہند صـ۳۷۹ مولانا رحمان علی (ترجمہ) مطبوعہ ہسٹاریکل سوسائٹی پاکستان کراچی ۱۹۶۱ء

کی غرض سے کانپور تک گئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اناؤ سے مرادآباد تک بارش کی وجہ سے سخت طغیانی ہے اور گاڑی یا پالکی وغیرہ کی سواری کا پار کرنا سخت دشوار تھا۔ چنانچہ افسردہ و ملول واپس لوٹ گئے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی حضرت کی دو مرتبہ زیارت کی اور کچھ دن گنج مرادآباد میں قیام کر کے حضرت سے حصن حصین پڑھنے کی اجازت حاصل کی۔ مولانا تھانوی نے ان ملاقاتوں کا احوال اپنی کتاب ارواحِ ثلاثہ میں تحریر کیا ہے۔ حضرت شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی (نبیرہ حضرت محدث سورتی) نے اپنی کتاب سوانح حیات اعلیٰ حضرت بریلوی میں لکھا ہے کہ عظیم البرکت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی ۱۳۱۱ھ میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی زیارت کے لئے گنج مرادآباد تشریف لے گئے تھے اس سفر میں آپ کے ہمراہ مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولوی حکیم خلیل الرحمٰن خان تلمیذ مولوی لطف اللہ علی گڑھی قاضی خلیل الدین حسن رحمانی، المعروف حافظ پیلی بھیتی، اور استاذ الزمن مولانا احمد حسن کانپوری شامل تھے۔ اس زمانہ میں ریل گنج مرادآباد کے لئے نہیں چلی تھی۔ ہردوئی، اناؤ یا بالامیوٗ سے لوگ بیل گاڑی میں بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔ اعلیٰحضرت اپنے احباب کے ساتھ بالامیوٗ اسٹیشن سے بیل گاڑی کے ذریعہ گنج مرادآباد تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن کو آپ کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ لہٰذا آپ نے مریدین کے ساتھ قصبہ سے باہر تشریف لا کر اعلیٰحضرت کو خوش آمدید کہا۔ تین دن سے زائد اعلیٰ حضرت گنج مرادآباد میں مقیم رہے۔[1] اس ملاقات کا تذکرہ شاہ فضل رحمٰن کے موجودہ سجادہ نشین مولانا افضال الرحمٰن نے اپنی تالیف "افضال رحمانی" میں بھی کیا ہے۔ اور ملاقات کی تاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ بیان کی ہے۔ مولانا محمود احمد قادری نے اپنی تالیف "تذکرۂ علماء اہلسنت" میں اعلیٰحضرت اور شاہ صاحب کی ملاقات کی تاریخ ۱۳۱۹ھ تحریر کی ہے جو غلط ہے کیونکہ شاہ صاحب کا ۱۳۱۳ھ میں وصال ہو چکا تھا۔ غرض کہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی ذاتِ گرامی منبع فیض و ہدایت تھی اور آپ کے تمام معاصر علماء و اکابر آپ کی زیارت و صحبت سے مستفیض ہوئے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن کا قاعدہ تھا کہ جب بھی کوئی شخص

۱؎ اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۱۵۷۔ شاہ مانا میاں پیلی بھیتی۔ مطبوعہ کراچی ۱۳۹۰ھ

آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو پہلے اس کے لئے دعائے خیر فرماتے بعد میں اُس کی آمد کا مقصد دریافت فرماتے۔ آپ کی دُعا مقبول باری تعالیٰ ہوتی تھی اور اکثر لوگوں کی حاجتیں پوری ہو جایا کرتی تھیں۔

شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کا وصال ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ میں تقریباً ۱۰۵ سال کی عمر میں ہوا۔ گنج مرادآباد میں آپ کا مزار آج بھی مرجع عقیدت ہے اور ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے۔ جس میں دور دراز سے ہزاروں عقیدت مند شرکت کرتے ہیں۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن کے خلفاء میں ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مولانا عبدالکریم گنج مرادآبادی۔ مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد میاں گنج مرادآبادی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا ابوسعید رحمانی فتح پور ہسوہ، مولانا ابرار احمد رحمانی رئیس اعظم مرادآباد، حضرت مولانا قادر علی رامپوری، جد امجد مولانا ہدایت رسول رامپوری۔ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا دیدار علی محدث الوری لاہوری، مولانا ظہور الاسلام فتحپوری، مولانا تجمل حسین بہاری،

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی نے مولانا وصی احمد کی غیر معمولی لیاقت اور خصوصاً علم حدیث اور اصولِ فقہ پر متاثر کن دسترس کے پیشِ نظر آپ کو اپنے درس میں شامل کر لیا۔ بلکہ نئے طلبہ کو پڑھانے کی ذمہ داری بھی آپکے سپرد کی۔ اس وقت شاہ فضل رحمٰن کے حلقۂ درس میں مولانا عبدالکریم جالندھری اور فتح پور ہسوہ کے مولانا سید ابوسعید رحمانی وغیرہم شامل تھے۔ مولانا وصی احمد نے شاہ صاحب سے حصن حصین پڑھنا شروع کی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے بعد شاہ فضل رحمٰن کسی حد تک گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور اوراد و وظائف آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس زمانہ میں جو طالبِ علم آپ کی زیارت اور اکتسابِ فیض کے لئے حاضر ہوتے۔ آپ ان کو حصن حصین کے دو چار سبق پڑھا کر اوراد و وظائف کی اجازت عطا فرما کر رخصت کر دیتے تھے۔ مولانا وصی احمد میں چونکہ ایک اعلیٰ محدث اور مدرس کی تمام صفات موجود تھیں۔ اس لئے شاہ صاحب نے آپ کو حصن حصین کی تمام دعائیں نہ صرف پڑھائیں بلکہ اُن کے پڑھانے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ شاہ فضل رحمٰن چونکہ صاحب

کشف بزرگ تھے۔ اس لئے آپ نے مولانا وصی احمد میں چھپا ہوا مستقبل کا ایک عالم دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ آپ مولانا وصی احمد پر خصوصی عنایت فرماتے اور دیگر طالب علموں سے کہتے کہ ان کی عزت کر و یہ ہندوستان میں فرمانِ رسول مقبول ؐ کے محافظ قرار پائیں گے مولانا وصی احمد جب حصن حصین کے درس سے فارغ ہوئے تو شاہ فضل رحمٰن نے آپ کو خلافت عطا کی اور فرمایا کہ علم کے اظہار میں کبھی بخل نہ کرنا اور حق بات چاہے اپنے اور دوسروں کے حق میں کتنی ہی کڑوی کیوں نہ ہو عوام الناس کی فلاح کے لئے عام کرنا۔[1]

حصن حصین ہمیشہ علماء اور صوفیہ کے معمولات میں رہی ہے اور اس کی پراثر دعاؤں سے وہ فیض اٹھاتے رہے ہیں۔ مولانا وصی احمد نے صاحب حصن حصین محدث اعظم علامہ محمد ابن جزری متوفی ۸۳۳ھ پر تحفہ حنفیہ مطبوعہ عظیم آباد میں ایک مقالہ تحریر فرمایا جس میں آپ نے لکھا کہ حصن حصین کے واسطے سے میری ایک بہت بڑی مشکل حل ہوئی۔ جبکہ میری کتاب التعلیق المجلّٰی کا مسودہ گم ہو گیا اور میں اس کی تلاش و فکر میں بھوک و پیاس سے بیگانہ ہو چکا تھا کہ اچانک خیال آیا اور میں حصن حصین کو ہاتھوں میں اٹھا کر دعا میں مصروف ہو گیا۔ صبح فجر کی نماز کے لئے مسجد میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ محراب میں التعلیق المجلّٰی کا مسودہ کپڑے میں لپٹا ہوا رکھا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور اس کے بعد اپنا معمول بنا لیا کہ جب بھی کوئی پریشانی آتی تو میں اس مبارک کتاب کو واسطہ بناتا۔ میرے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی نے مجھے حصن حصین کے ورد کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ جو شخص بعد الجمعہ حصن حصین کو شروع کرے گا اور جمعرات کے دن بعد العصر ختم کرے گا وہ ہمیشہ ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہے گا۔ خلق اللہ میں محبوب رہے گا اور اس کی جملہ حاجات پوری ہوتی رہیں گی۔ اور یہ وہ مبارک و مجرب طریقہ ہے جس کی تلقین و اجازت مجھے میرے نامور مربی و مرشد شاہ آفاق دہلویؒ نے عطا فرمائی تھی۔[2]

---

[1] مولانا قاری احمد کی قلمی یادداشتیں۔

[2] مقدمہ حصن حصین صہ ۳۹ تحریر مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی مطبوعہ کلام کمپنی کراچی سنہ ۱۹۶۹ء

مدرسہ فیض عام سے وابستگی

مولانا وصی احمد تقریباً ایک سال حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآباد کی خدمت میں حاضر رہنے کے بعد ۱۲۸۸ھ کے اوائل میں کانپور پہنچے۔ مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا احمد حسن کانپوری نے جو مدرسۂ فیض عام کے صدر مدرس اور منتظم اعلیٰ تھے اور مولانا وصی احمد کی لیاقت کے ہمیشہ سے مداح تھے۔ فوری طور پر آپ کو مدرسۂ فیض عام میں باقاعدہ مدرس مقرر کر دیا۔ مولانا محمد علی مونگیری نے آپ کو دارالافتاء کی ذمہ داری بھی سپرد کی کیونکہ

مولانا خود بیک وقت یہ تمام ذمہ داریاں پوری کرنے سے قاصر تھے۔ مولانا وصی احمد کی مہر سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے ۱۲۸۸ھ میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا کیونکہ اس مہر پر ۱۲۸۸ھ کندہ ہے۔

مولانا وصی احمد نے تقریباً آٹھ سال تک مدرسۂ فیض عام میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اس دوران آپ نے احادیث اور فقہ کی کتب کا بغور مطالعہ کیا اور نسائی شریف کا حاشیہ تحریر کرنا شروع کیا جو تقریباً ۱۲۹۴ھ میں مکمل ہوا۔ مدرسۂ فیض عام میں درس و تدریس کے دوران آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا عبید اللہ کانپوری، مولانا عبد الرزاق کانپوری، اور مولانا حکیم مومن سجاد وغیرہ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

محدث سورتی کے برادر خورد مولانا عبد اللطیف تکمیل علوم کے بعد پورے طور پر تجارت کی جانب راغب ہو گئے تھے اور حکیم خلیل الرحمٰن کے مشورہ سے روہیلکھنڈ کے ایک ضلع پیلی بھیت میں جو بہتات جنگلات کی بنا پر ہندوستان میں مشہور تھا، مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ مدرسۂ فیض عام میں تقرر کے دوران مولانا وصی احمد اکثر و بیشتر پیلی بھیت تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جہاں آپ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

لکھنؤ روانگی

مدرسۂ فیض عام میں ملازمت کے دوران ہی مولانا وصی احمد نے علم طب کے حصول کی جانب توجہ فرمائی۔ اور لکھنؤ جھوائی ٹولہ کے معروف طبیب حکیم عبد العزیز کی کتابوں سے استفادہ شروع کیا۔ ابتداء میں تو حکیم عبد العزیز سے مولانا وصی احمد بذریعہ خط و کتابت معلومات حاصل کرتے رہے۔ لیکن جب حکیم عبد العزیز نے مولانا کی رغبت کا اندازہ لگایا تو لکھنؤ طلب کر لیا۔ جہاں مولانا وصی احمد نے تقریباً چھ ماہ حکیم عبد العزیز کے نائب کی حیثیت سے اُن کے مطب میں خدمات انجام

دیں۔ اور سند حاصل کر کے واپس کانپور آ گئے۔ پیلی بھیت کے حکیم خلیل الرحمٰن نے بھی حکیم عبدالعزیز سے تعلیم حاصل کی تھی۔ حکیم عبدالعزیز نہایت خلیق اور پابند شریعت بزرگ تھے۔ آپ کا شمار لکھنؤ کے نامی گرامی اطبا میں ہوتا تھا آپ نے ۱۹۰۲ء میں لکھنؤ میں تکمیل الطب کالج قائم کیا اور ۱۳۲۹ھ میں انتقال کیا۔[1]

مولانا وصی احمد محدث سورتی کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی شفا عطا فرمائی تھی۔ مریض دور دراز سے آپ کو خطوط لکھتے اور مرض کی نوعیت بیان کر کے نسخہ منگواتے تھے۔ حکیم مقصود حسن خان پیلی بھیتی (متوفی ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۵ء) فرمایا کرتے تھے کہ محدث سورتی کے کتب خانہ میں حدیث و فقہ کے علاوہ علم طب پر تقریباً ایک ہزار نادر و نایاب کتابیں تھیں جو آپ نے برسوں کی تلاش و جستجو کے بعد جمع کی تھیں۔ ان کتابوں میں چند نسخے عہد مغلیہ سے قبل ہندوستان میں شائع ہوئے تھے۔ جن کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کرایا گیا تھا یہ کتب خانہ تقسیم ہند تک پیلی بھیت میں موجود تھا۔ لیکن بعد میں ہنگاموں اور افراتفری کی نذر ہو گیا کچھ کتابیں پیلی بھیت کے متعدد حضرات کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی نبیرۂ حضرت محدث سورتی نے کچھ کتابیں اپنے برادر خورد مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کو ارسال کر دی تھیں۔ جو مولانا کے کتب خانے میں بحفاظت موجود ہیں۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حکیم عبدالعزیز کے درمیان استادی شاگردی کے رشتہ کے علاوہ برادرانہ مراسم قائم ہو گئے تھے۔ اور محدث سورتی کے اکثر تلامذہ کو حکیم عبدالعزیز سے سند طب حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا وصی احمد کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد نے بھی حکیم عبدالعزیز سے طب کی تکمیل کی تھی۔ اور تقریباً دو سال تک آپ کے مطب میں طبیب شریک کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں طبابت مولانا وصی احمد محدث سورتی کی تین نسلوں تک جاری رہی۔ آپ کے پوتے مولانا شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی اور مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے بھی باقاعدہ طبی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور دونوں حضرات پیلی بھیت اور کراچی میں سورتی دواخانہ کے نام سے ۱۹۷۶ء تک مطب کیا کرتے تھے۔

---

[1] رموز الاطبا جلد اول ص ۱۲۵ حکیم محمد فیروز الدین۔ اسٹیم پریس لاہور (نزہۃ الخواطر جلد ہشتم مؤلفہ حکیم عبدالحئی۔ میں بھی آپ کے تفصیلی حالات موجود ہیں۔)

سہارنپور روانگی۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی ہر سال اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مدرسہ فیض عام کے زمانہ تدریس میں آپ نے نسائی شریف پر حاشیہ لکھنا شروع کیا اور اس سلسلہ میں وقتاً فوقتاً اپنے پیر و مرشد سے مشورہ فرماتے۔ ۱۲۹۳ھ میں جب محدث سورتی اس حاشیہ کی تکمیل کے مراحل میں تھے تو آپ کی علم حدیث سے رغبت دیکھ کر حضرت شاہ فضل رحمٰن نے آپ کو محدث جلیل حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ اس زمانے

میں ہندوستان کے علمائے احناف میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے بڑھکر علم حدیث کا کوئی عالم موجود نہ تھا۔ اور تمام اکابر علماء آپ کے شاگرد تھے۔ مولانا وصی احمد نے ۱۲۹۴ھ میں مدرسہ فیض عام کی ملازمت ترک کر کے سہارنپور کا سفر اختیار کیا جہاں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کا چشمہ فیض "مظاہر العلوم" میں جاری تھا۔

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اپنے دیرینہ دوست اور ہندوستان کے استاذ اجل مولانا لطف اللہ علیگڑھی کی زبانی مولانا وصی احمد کی لیاقت و فراست کے بارے میں بہت کچھ سن چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ آپکو خوش آمدید کہا۔ سہارنپور حاضری کے وقت مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عمر اور حیثیت چونکہ عام طالب علموں کے مقابلے میں بالکل مختلف تھی۔ آپ کو حضرت شاہ فضل رحمٰن اور مولانا لطف اللہ علیگڑھی سے علم حدیث کی اسناد مل چکی تھیں۔ اور علمی تبحر کا یہ عالم تھا کہ عام اسناد بات کرتے کتراتے تھے۔ خصوصاً مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا احمد حسن کانپوری تمام فقہی معاملات میں آپ کی رائے کو اولیت دیا کرتے تھے۔ اس لئے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے بھی مولانا وصی احمد کے ساتھ عام طالب علموں سے ہٹ کر خصوصی برتاؤ کیا۔ مدرسہ کے قریب ہی ایک کمرہ رہائش کے لئے مخصوص فرمایا۔ اور درسِ عام میں شرکت سے ممانعت کی۔ کہا کہ ہر روز نماز مغرب کے بعد ایک حدیث سنا دیا کرو۔ یہی کافی ہے۔ اب آپ کی عمر مطالعہ میں اضافہ کی ہے۔ مدرسہ کے کتب خانہ سے استفادہ کریں۔ تاکہ آئندہ درس و تدریس میں سہولت پیدا ہو۔[1]

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اپنے زمانہ میں علم حدیث کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ شاہ اسحٰق محدث دہلوی کے بعد ہندوستان میں آپ کو وہ مرکزیت اور امتیاز حاصل تھا کہ تکمیل علوم کے بعد درس حدیث اور اجازت حدیث کے لئے اکثر علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اس عہد کا مشکل سے کوئی ممتاز عالم

[1] مکتوب مولانا عبدالحنان سورتی بنام مولانا حکیم قاری احمد، مملوکہ خواجہ رضی حیدر

ہوگا جس نے مولانا سے حدیث کی سند و اجازت حاصل نہ کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج برصغیر میں محدثین کے جتنے سلسلے ہیں اُن میں سے بیشتر کی سند مولانا احمد علی محدث سہارنپوری تک پہنچتی ہے۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ۱۲۲۵ھ میں بمقام سہارنپور پیدا ہوئے۔ میرٹھ میں قرآن حکیم حفظ کیا۔ اور مولانا شیخ وجیہہ الدین صدیقی سہارنپوری اور مولانا عبدالحیٰ تلمیذ مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی سے حدیث کی سند حاصل کی پھر ۱۲۶۱ھ میں مکہ معظمہ جا کر حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے دوبارہ حدیث پڑھی اور سند و اجازت حاصل کی۔ ۱۲۶۲ھ میں حجاز سے واپس آکر ایک "مطبع احمدی" قائم کیا جہاں سے ۱۲۶۵ھ بمطابق ۱۸۴۸ء میں جامع ترمذی ۱۲۶۷ھ بمطابق ۱۸۵۰ء میں صحیح بخاری اور ۱۲۷۱ھ میں مشکوٰۃ المصابیح شائع ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں یہ مطبع تباہ ہوگیا۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ان حالات میں دہلی سے ہجرت کر کے کلکتہ چلے گئے۔ جہاں آپ نے مسجد حافظ جمال دین میں تقریباً دس سال قیام کیا۔ اور درس حدیث دیتے رہے۔ ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء میں مولوی سعادت علی سہارنپوری نے مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا چنانچہ مولانا احمد علی کلکتہ سے سہارنپور تشریف لے آئے اور آخر وقت تک اسی مدرسہ میں حدیث شریف کی تعلیم دیتے رہے۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی وابستگی کی بنا پر مظاہر العلوم ہندوستان کی مشہور اسلامی درسگاہ کی حیثیت سے مقبول ہوا اور بڑے نامور علماء پیدا کئے۔[1]

علامہ سید سلیمان ندوی نے "حیات شبلی" میں لکھا ہے کہ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ استاذ مرحوم مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے بیس برس کامل بخاری کی تصحیح و تحشیہ میں بسر کئے۔ اُس زمانے کے اکثر بڑے بڑے علمائے احناف محدث سہارنپوری کے شاگرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ عمل اور عمل کے ساتھ دولت کی برکت عطا کی تھی۔ پہلے کتابوں کی تصحیح و طباعت کی پھر دوسری تجارتوں میں مصروف ہوئے۔ بایں ہمہ وہ بجید منکسر المزاج، متواضع اور نیک تھے۔ کبھی مسجد میں امامت نہیں کی چپکے سے مسجد میں جاتے اور جماعت میں شامل ہو کر واپس آجاتے۔ بازار سے سودا خود خرید کر لاتے تھے۔ مولانا

[1] استاذ العلماء محدث سہارنپوری۔ صد ۲، مضمون خواجہ رضی حیدر مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی، ۲۰ اپریل ۱۹۷۷ء

شبلی فرماتے تھے کہ ایک دفعہ بازار میں مولانا کو میں نے دیکھا تو پیچھے پیچھے ہولیا کہ سودا میں لے لوں۔ مگر مولانا کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئے اور خود اپنے ہاتھ سے سودا لیکر گھر تک گئے۔[1]

یکم جمادی الاول ۱۲۹۷ھ کو آپ پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی کو اطلاع پہنچی تو آپ فوری طور پر لکھنؤ سے اپنے استاد حکیم عبدالعزیز کو ساتھ لے کر سہارنپور پہنچے لیکن ۶ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۷۹ء کو یہ آفتابِ علم غروب ہو گیا۔[2]

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے تلامذہ میں یہ علماء کرام شامل ہیں۔ مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد علی مونگیری، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا دیدار علی محدث الوری، مولانا احمد حسن نانوتوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی۔

محدث سورتی کو اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے بعد سب سے زیادہ عقیدت و انسیت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے تھی۔ سہارنپور میں قیام کے دوران چند روز میں ہی آپ مولانا احمد علی کی خصوصی عنایات اور پُراثر شخصیت کے گرویدہ ہو گئے۔ اور اپنا بیشتر وقت مطالعہ یا مولانا سہارنپوری کی صحبت میں بسر کرنے لگے۔ اسی زمانہ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی کے ہم درس طلبہ میں پنجاب کے مشہور عالمِ دین اور ولی اللہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف اور مولانا ابو محمد دیدار علی الوری شامل تھے۔ مولانا وصی احمد نے تقریباً ۱۲۹۵ھ میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے سندِ حدیث حاصل کی جبکہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو بھی مولانا احمد علی نے اسی سال سند عطا کی تھی۔

مولانا فیض احمد فیض نے اپنی کتاب مہر منیر سوانح حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف میں لکھا ہے کہ "حضرت پیر مہر علی شاہ فرماتے تھے کہ مولانا احمد علی کے درس میں دو طالب علم مولانا وصی احمد اور میں حنفی المذہب تھے۔ باقی اکثر و بیشتر طلباء غیر مقلد تھے۔ درس کے دوران اکثر و بیشتر اختلافی

---

[1] حیاتِ شبلی ص ۸۴ تا ۸۶ ۔ مولانا سید سلیمان ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء
[2] تاریخ ہند و پاک ص ۱۵۱ مولانا حکیم قاری احمد مطبوعہ ۱۹۷۶ء

مسائل پر بحث چھڑ جاتی تھی اور اللہ کے فضل و کرم سے ہمیشہ حنفی مذہب کی فوقیت ہی ثابت ہوتی۔[1]

مولانا وصی احمد محدث سورتی نے غیر مقلدوں کے ساتھ بعض مباحث اور مکالموں کا اپنی کتاب "تعلیق المجلیٰ فی المنیۃ المصلی" میں تذکرہ کیا ہے۔ طحاوی کے حاشیے پر بھی بعض جگہ مذکورہ واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مولانا وصی احمد فقہی معاملات اور فہم حدیث میں اپنی نکتہ رسی اور قابلیت کی بناء پر مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے دل میں گھر کر چکے تھے۔ مدرسہ کے تنظیمی معاملات سے لیکر استفسارات کے جوابات تک میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اپنے اس عزیز شاگرد کی رائے کو اوّلیت دیتے۔ مولانا وصی احمد کے ساتھ مولانا احمد علی کا یہ خصوصی برتاؤ ہر چند غیر مقلد طلبہ کے لئے بڑا سوہانِ روح تھا۔ لیکن مولانا نے ہمیشہ انصاف کو پیشِ نظر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا وصی احمد محدث سورتی اپنی کتابوں میں اپنے استاد کا ذکر نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔

محدث سورتی مقدمہ شرح معانی الآثار میں لکھتے ہیں کہ جب میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد رخصت ہوا تو رَضِیَ عَنِّیْ وَرَضِیْتُ عَنْہُ (وہ مجھ سے راضی تھے اور میں اُن سے راضی تھا۔ مولانا شاہ حسین گردیزی اپنے رسالہ "رجال السنہ" میں شرح معانی الآثار کی یہ عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی علماء اہلسنت اور خصوصاً محدث سورتی جیسے سخت گیر اور متصلب سنی کے ساتھ اتنی دلبستگی اور تعلقِ خاطر سے اُن کی قلبی کیفیت اور مسلک کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔[2]

تعلیق المجلیٰ میں ایک حدیث کی وضاحت کے ضمن میں مولانا وصی احمد نے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو ان القاب و آداب کے ساتھ یاد کیا ہے۔ "شیخ المحدث رحمۃ اللہ خاتمۃ المحدثین الفقیہ الوجیہ والمحدث النبیہ مولینا و سیدنا الحافظ احمد علی السہارنفوری۔[3]

قسمت کی ستم ظریفی کہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کو مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے

---

[1] مہر منیر ص ۸۲ مولانا فیض احمد فیض مطبوعہ گولڑہ شریف ۱۹۷۳ء
[2] رجال السنہ ص ۲ ۔ شاہ حسین گردیزی مطبوعہ سورتی اکیڈمی اپریل ۱۹۷۸ء
[3] تعلیق المجلیٰ ص ۳۹۴

صرف تین سال تک شرفِ صحبت حاصل رہا کیونکہ مولانا وصی احمد کو سندِ حدیث ملنے کے دو سال بعد ہی مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ لیکن محدث سورتی کا روحانی تعلق ہمیشہ برقرار رہا۔ اور آپ اپنے استاد کا تذکرہ نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ کرتے رہے مولانا قاری احمد نے لکھا ہے کہ مولانا وصی احمد محدث سورتی اکثر درس حدیث کے دوران اپنے استاد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے حوالے سے طلبہ سے گفتگو فرماتے اور ایسے مواقع پر بیشتر آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور درس حدیث روک کر طلبہ کے ہمراہ اپنے استاد کی مغفرت کے لئے دعا کرتے۔[1]

محدث سورتیؒ کی سندِ حدیث

حضرت محدث سورتیؒ نے تین اساتذہ سے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت و سماعت فرمائی اور اسناد حدیث حاصل کیں۔ مولانا لطف اللہ علیگڑھیؒ، مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ اور مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، آپ کی سند مولانا لطف اللہ علیگڑھیؒ اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے ذریعے تین وسائط سے اور شاہ فضل رحمٰنؒ کے ذریعے دو وسائط سے شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتی ہے۔ جبکہ امام بخاریؒ تک آپ کی سند سترہ اور اٹھارہ وسائط سے پہنچی ہے۔ محدث سورتیؒ کی مکمل سند حدیث یہ ہے۔

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ۔ شاہ عبدالعزیز محدث سورتیؒ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، الشیخ ابو طاہر مدنیؒ، شیخ ابراہیم کردیؒ، شیخ احمد قشاشیؒ۔ الشمس محمد بن احمد الرملیؒ۔ الزین زکریا الانصاریؒ۔ حافظ ابن حجر عقلانیؒ۔ ابراہیم احمد التنوخی المعروف بالبرہان الشامیؒ۔ الشیخ احمد بن ابی طالب بحلاحؒ۔ ابو عبداللہ الحسین بن مبارک الزبیدی البغدادیؒ۔ ابوالوقت عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب بن اسحاق السنجری الصوفی الہرویؒ۔ جمال الاسلام ابوالحسن عبدالرحمٰن بن

---

[1] مولانا قاری احمد کی یادداشتیں۔

محمد الرادادیؒ۔ ابو محمد عبداللہ محمد بن مطر الغربریؒ۔ ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بخاریؒ۔

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی سند شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے ذریعہ شاہ عبدالعزیزؒ تک جاتی ہے۔ جبکہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی سند مولانا مفتی عنایت احمد کاکورویؒ سے شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کو پہنچتی ہے۔

علماء کے وفد کی قیادت۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی نے سنہ ۱۲۹۵ھ بمطابق سنہ ۱۸۷۸ء میں مظاہر العلوم سہارنپور سے سند حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پورے ہندوستان پر شدید قنوطیت طاری تھی خصوصاً مسلمان حشمت و اقتدار سے محروم ہونے کے بعد بڑے کرب کی زندگی گذار رہے تھے۔ اِس وقت تک انگریزوں کو ہندوستان پر مکمل تسلط قائم کئے ہوئے بیس بائیس سال کا عرصہ ہو گیا تھا لیکن ابھی تک ہندوستان کی سیاسی اور سماجی سرگرمیاں بحال نہیں ہوئی تھیں۔ صرف ایک گورنر جنرل کی کونسل تھی جو انگریزی اقتدار کے قدم جمانے کے لئے وقتاً فوقتاً فیصلے صادر کرتی رہتی تھی۔ تعلیمی میدان میں مسلمان ابھی ہندوؤں سے کہیں پیچھے تھے اور اس بات کا احساس اُس زمانہ کے تمام رہنماؤں کو بڑی شدت کے ساتھ تھا جدید تعلیم کے ضمن میں سرسید احمد خان اور سید امیر علی نے جبکہ مذہبی تعلیم کے ضمن میں شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے اس قنوطیت زدہ ماحول میں فروغِ تعلیم کی راہ نکالی اور فلاح قومی کی بنا ڈالی۔ سرسید احمد خان برصغیر کے مسلمانوں کو جدید تعلیم کی جانب رغبت دلانے کے لئے ۸ر جنوری سنہ ۱۸۷۷ء بمطابق ۲۲ر ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۳ھ کو علیگڑھ میں محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ سنہ ۱۸۷۶ء میں سید امیر علی نے سینٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی تھی جو بعد میں ایک مجلسِ مذاکرہ کی شکل اختیار کر گئی۔ اس کے علاوہ کانپور میں مولانا عنایت احمد کاکوروی کی نگرانی میں شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے ہاتھوں مدرسہ فیض عام کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اور سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ اگرچہ مولانا قاسم نانوتوی بھی دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ لیکن اس

کے باوجود علم دین کا وہ غلغلہ سنائی نہیں دیتا تھا جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے عہد کا طرۂ امتیاز تھا۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں برصغیر کے دینی مراکز و مدارس کو شدید بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک اندازہ کے مطابق جہادِ آزادی کی ناکامی کے بعد تقریباً دس ہزار مذہبی مدارس بند ہو گئے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو اس صورتحال نہ صرف شدید احساس تھا بلکہ شدید غم بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے باہم مشورہ سے ۱۸۷۸ء بمطابق ۱۲۹۵ھ میں علماء کی ایک جماعت تشکیل دی تاکہ یہ جماعت برصغیر کے طول و عرض کا دورہ کرکے از سرِ نو دینی مدارس کی تنظیم کا فریضہ انجام دے سکے۔ جامعہ امدادیہ کشور گنج سابق مشرقی پاکستان کے ناظم اعلیٰ اور مولوی اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مولانا اطہر علی (متوفی ۱۹۷۶) نے جامع کی رپورٹ مطبوعہ ۱۹۶۲ء میں لکھا ہے کہ اس مختصر وفد کے اراکین میں مولانا محمد علی واعظ، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا حسن الدین سلہٹی اور مولانا محمد علی مونگیری کے نام خاص طور پر مشہور ہیں۔ اس وفد کے قائد مولانا وصی احمد محدث سورتی تھے۔ جن کی قیادت میں وفد نے تین ماہ تک ملک کے تمام گوشوں کا دورہ کیا خصوصاً مشرق میں ڈھاکہ سلہٹ چاٹگام نواکھالی میمن سنگھ کشور گنج اور مغرب میں ملتان لاہور اور پشاور کا دورہ کرتا رہا۔[1] بنگال میں مولانا سید عبدالحیٔ اسلام آبادی اور پنجاب میں حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کی وجہ سے اس جماعت کو نمایاں کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ انہی علماء کا فیض ہے کہ برصغیر میں لاکھوں دینی مدارس تشنگانِ علم کی پیاس بجھا رہے ہیں۔[1]

اگر ۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کی ملی تحریک کا جائزہ لیا جائے تو اس سیاسی اور مذہبی گھٹن کے دور میں علماء کی یہ جماعت امید کی پہلی کرن ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس جماعت کا پورے ہندوستان میں جس طرح استقبال کیا گیا اور جماعت کو اپنے مقاصد میں جو کامیابی حاصل ہوئی اس نے محکوم مسلمانوں کے حوصلے جوان کر دیئے۔ مصلحتوں کے خول میں زندہ رہنے والے مسلمان رہنما بلند آہنگ ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کے لئے جدوجہد شروع کی اور بالآخر یہ جدوجہد ہندوستان کی اجتماعی آزادی پر ختم ہوئی۔

---

[1] سالانہ رپورٹ جامع امدادیہ کشور گنج صفحہ ۱۶ مطبوعہ کشور گنج میمن سنگھ ۱۹۶۲ء

شادی اور پیلی بھیت میں قیام۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عملی زندگی کا فی الحقیقت آغاز ۱۲۹۶ھ سے ہوتا ہے آپ کی قیادت میں علماء کے وفد کی ہندوستان گیر کامیابی نے آپ کی مقبولیت اور شہرت میں خصوصی اضافہ کیا۔ طالبانِ علم خصوصیت کے ساتھ آپ کی جانب رجوع ہونے لگے۔ اس وقت مولانا وصی احمد کی عمر ۲۴ سال ہو چکی تھی۔ اور آپ ہنوز غیر شادی شدہ تھے۔ جبکہ آپ کے برادر خورد مولانا عبداللطیف سورتی کی شادی حکیم خلیل الرحمٰن پیلی بھیتی کے مشورہ پر پیلی بھیت

میں ہو چکی تھی۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی جب ہندوستان کے دورہ کی تکمیل پر کانپور پہنچے تو مولانا احمد حسن کانپوری نے آپ کو شادی کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مسجد نیر نگیانِ کانپور کے ایک نمازی میر عنایت نے جو مسجد کے قریب ہی مقیم تھے۔ اپنی بڑی لڑکی کے لئے خواہش ظاہر کی۔ مولانا احمد حسن کانپوری اور میر عنایت حسین کے درمیان بڑے دیرینہ مراسم تھے اور دونوں حضرات ایک دوسرے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ میر عنایت حسین نے ریاست جھالراواڑہ سے ترکِ سکونت کر کے کانپور کو وطن بنالیا تھا۔ اور کانپور کے متموّل افراد میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا احمد حسن کانپوری نے اس رشتہ کو قبول کرتے ہوئے منظوری دیدی اور میر عنایت حسین کی صاحبزادی محترمہ لطیف النساء سے مولانا وصی احمد محدث سورتی کا عقد ہو گیا[1] شادی کے بعد مولانا وصی احمد نے کچھ دن کانپور میں قیام کیا۔ بعد میں بھائی کی فرمائش اور تقاضہ پر پیلی بھیت چلے گئے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے بھی پیلی بھیت میں قیام کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور حکم دیا کہ پیلی بھیت میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھو تاکہ روہیلکھنڈ کی اس مرکزی آبادی میں بھی علم و فضل کا چرچا عام ہو۔

پیلی بھیت کا پس منظر

ہندوستان کے صوبہ یوپی میں نیپال کی ترائی میں قدیم شہر ہے۔ حافظ رحمت خان روہیلہ نے یہ شہر ۱۷۶۳ء میں آباد کیا تھا۔ اور اس کا نام حافظ آباد رکھا گیا تھا۔ بعد میں حافظ رحمت خان روہیلہ کے حکم پر ایک فصیل شہر کے اطراف سے نکلنے والی پیلی مٹی کی تعمیر کروائی گئی۔ جس کی بنا پر یہ شہر حافظ آباد سے پیلی بھیت ہو گیا۔ کیونکہ ہندی اور سندھی میں بھیت دیوار کو کہتے ہیں۔ جار دو میں آ کر بھیت ہو گیا۔ حافظ رحمت خان کی آمد سے قبل اس علاقہ پر بنجاروں کی آبادی تھی۔ سترھویں صدی عیسوی میں یہاں حافظ رحمت خان اور ان کے جانشینوں نے افغانی طرز کی عمارات تعمیر کیں۔ حافظ رحمت خان نے شہر کے وسط میں ایک جامع مسجد

[1] مکتوب حسن رضا بیگ دخترزادہ محدث سورتی مقیم رامپور بنام خواجہ رضی حیدر

بنوائی جو اپنی وضع قطع کے اعتبار سے فنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔[1] پیلی بھیت میں ہندو کا تسلّط اور بنجاروں کے علاوہ مسلمان پٹھانوں، پنجابی سوداگروں اور سیّدوں کی اکثریت ہے۔

۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں پیلی بھیت کی حیثیت ایک پرگنہ کی تھی اور اُس وقت یہاں ایک انگریز مجسٹریٹ مسٹر کارمیکل متعین تھا۔ اتفاق سے جہادِ آزادی کے آغاز پر وہ پیلی بھیت میں موجود نہیں تھا بلکہ نینی تال میں تھا۔ جیسے ہی اُسے میرٹھ اور دیگر علاقوں کے واقعات کا علم ہوا تو اُس نے پیلی بھیت پہنچ کر مجاہدین کی سرکوبی کے لئے پولیس اور سوار بھرتی کئے۔ اس وقت پیلی بھیت کے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف بہت جوش و خروش تھا۔ گزٹیئر پیلی بھیت میں لکھا ہے کہ مسلمانانِ پیلی بھیت بہت جوش کی حالت میں تھے۔ جس کا اندازہ اُن اشتہارات سے ہوتا ہے جو عید کے دن جامع مسجد اور عیدگاہ میں چسپاں کئے گئے تھے۔ مگر اس سے قبل کہ پیلی بھیت میں کوئی معرکہ ہوتا۔ یکم جون ۱۸۵۷ء کو مسٹر کارمیکل کو بریلی کے واقعات کا علم ہوا کہ وہاں خان بہادر خان کی حکومت قائم ہو گئی ہے اور انگریز افسر بریلی سے فرار ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اُس نے فوری طور پر اپنے بیوی بچے پولیس کی حفاظت میں نینی تال بھیج دیئے۔ اور بعد میں خود بھی دیگر افسران کے ساتھ نینی تال فرار ہو گیا۔ نتیجتاً پیلی بھیت سے انگریز کی عملداری ختم ہو گئی اور خان بہادر خان کی حکومت قائم ہو گئی۔ پیلی بھیت کے پٹھانوں کی ایک بڑی تعداد جنرل بخت خان روہیلہ کی قیادت میں دہلی کے لئے روانہ ہو چکی تھی۔ باقی کچھ سو افراد بریلی پہنچ گئے تاکہ نواب خان بہادر خان کی حفاظت کر سکیں۔ ایسے حالات میں پیلی بھیت کا شہر نوجوانوں اور فنِ حرب کے ماہرین سے تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ پیلی بھیت کے قریب جوار میں آباد ہندو آبادیاں جو حافظ رحمت خان اور ان کے جانشینوں کے ہاتھ کئی مرتبہ ہزیمت اٹھا چکی

[1] جامع مسجد پیلی بھیت اپنی خوبصورتی اور بناوٹ کے اعتبار سے جامع مسجد دہلی کا نمونہ ہے حافظ الملک نواب حافظ رحمت خان روہیلہ نے ۱۱۸۰ھ میں اپنی والدہ کے انتقال کی اطلاع پا کر دہلی سے براستہ مرادآباد و بریلی پیلی بھیت تشریف لائے۔ اور کچھ عرصہ پیلی بھیت میں قیام کیا۔ اس دوران آپ کو پیلی بھیت میں جامع مسجد دہلی کی طرز پر ایک مسجد کی تعمیر کا خیال آیا۔ اور آپ نے مسجد کی تعمیر شروع کرائی۔ اسی زمانہ میں راجپوتانہ سے قحط زدہ مارواڑیوں کی ایک بڑی تعداد پیلی بھیت کے اطراف آ کر آباد ہو گئی تھی۔ چنانچہ ان مارواڑیوں کو مزدوری پر لگا دیا گیا۔ اور یہ مسجد ایک سال کے اندر مکمل ہو گئی۔ "المسجد بیت المتقین" سے مسجد کی تکمیل کا مادہ تاریخ ۱۱۸۱ھ نکلتا ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کا مضمون "حافظ الملک کی دلی" مطبوعہ ماہنامہ پیام حق ستمبر ۱۹۶۷ء - کراچی)

تھیں، انہوں نے یہ موقع غنیمت جانا اور پیلی بھیت پر قبضہ کر لینے کے منصوبے بنانے لگیں۔ اس وقت پیلی بھیت میں خان بہادر خان کے ایک قریبی عزیز نواب لشیر خان اُن کے نائب کی حیثیت سے شہر کے انتظام اور اس کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔

پیلی بھیت کے ایک سیاسی کارکن محمد عمر خان ایڈوکیٹ نے اپنی کتاب "دو قومی نظریہ" میں ۱۸۵۷ء کے واقعات کی تفصیل میں لکھا ہے کہ "ہندوؤں نے پیلی بھیت کو جب پٹھان فوجوں سے خالی پایا۔ تو اُن کے دل میں شہر پر قبضہ کر لینے کی امنگ پیدا ہوئی۔ پیلی بھیت سے چند میل کے فاصلے پر ہندوؤں کی ایک قوم کرمی آباد تھی۔ اور اُس کے سربراہ کا نام ذوقی رام تھا۔ اُس نے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کیا اور لشیر خان کو ایک خط لکھا کہ پیلی بھیت کی عنانِ حکومت ہمارے سپرد کر دی جائے ورنہ ہم شہر پر حملہ کر دیں گے۔ اس صورتحال کے پیش نظر پیلی بھیت کے باقی ماندہ مسلمانوں نے دو سو افراد پر مشتمل ایک جماعت تیار کی اور پیلی بھیت سے چند میل دور کمر لوپرہ کے مقام پر آٹھ ہزار ہندوؤں سے مقابلہ ہوا جس میں مسلمانوں کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ اور ذوقی رام مارا گیا۔[1] مسلمانوں کی اس تمام کامیابی کا سہرہ پیلی بھیت کے پٹھانوں کے سر تھا۔ جو ہمیشہ سے جرأت و بہادری کے مظاہرے کرتے چلے آئے ہیں۔

پیلی بھیت میں علم دین کا شہرہ ہندوستان کے دیگر شہروں کے مقابلے میں کم تھا۔ مگر صوفیاء کی ایک بڑی اکثریت اس شہر میں ہمیشہ سے موجود تھی۔ حافظ رحمت خان کے دورِ حکومت میں شاہ کلیم اللہ شاہ میاں کے مجاہدہ باطنی کی شہرت عام تھی۔ اور حافظ رحمت خان بھی آپ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء میں جو صوفیاء پیلی بھیت میں مقیم تھے۔ اُن میں شاہ نعمت اللہ شاہ میاں نقشبندی، شاہ لطف اللہ شاہ میاں، شاہ سبحان شاہ میاں اور شاہ مستان شاہ میاں کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ شاہ نعمت اللہ شاہ میاں ہر وقت استغراق کے عالم میں رہتے تھے۔ اور جہادِ آزادی سے کئی سال قبل سے اپنے گلے پر انگلی پھیر پھیر کر فرماتے تھے کہ مخلوق پر قتل ہے۔ مخلوق پر تباہی ہے۔ ان تمام صوفیاء کے مقابر پیلی بھیت

[1] محمد عمر خان ایڈوکیٹ پیلی بھیتی صفحہ ۵۶ تا ۶۰۔ دو قومی نظریہ مطبوعہ پشاور ۱۹۶۷ء

میں موجود ہیں۔ اور عوام الناس کی آج بھی توجہ کا مرکز ہیں۔

علماء میں مولانا احمد رضا خان کے والد مولانا نقی علی خان کی شخصیت ایسی تھی جسکو پیلی بھیت کے عوام الناس قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مولانا نقی علی خان اکثر بریلی سے پیلی بھیت تشریف لاتے اور خصوصاً میلاد کی محافل میں شرکت کرتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مذہبی حلقوں میں پیلی بھیت کو مرکزی حیثیت مولانا وصی احمد محدث سورتی کے قیام پیلی بھیت کے بعد حاصل ہوئی اور اس شہر کا نام ہندوستان کی مذہبی اور سیاسی تاریخ میں زندہ وجاوید ہو گیا۔

حافظ العلوم سے وابستگی

حافظ الملک حافظ رحمت خان روہیلہ نے جامع مسجد پیلی بھیت میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ جس کا نام حافظ العلوم رکھا گیا۔ اس مدرسہ میں ابتدائی طور پر قرآن حکیم کے ناظرہ کی تعلیم کا انتظام تھا۔ لیکن بعد میں طالبانِ علم کی ضرورتوں کے پیش نظر عربی، فارسی، حدیث و تفسیر، فقہ، اور اصولِ فقہ کی تعلیم کا بھی انتظام کر دیا گیا۔ اس مدرسہ کے پہلے مدرس مولانا حافظ سعد اللہ تھے جبکہ قرآنِ حکیم کے ناظرہ کی ذمہ داری مولانا محمد موسیٰ کے سپرد تھی ۱۲۹۷ھ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی جب پیلی بھیت پہنچے تو عمائدین اور علماء شہر نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور جامع مسجد پیلی بھیت میں قائم مدرسہ حافظ العلوم میں صدر مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر فرما دیا پیلی بھیت میں اُس وقت تک علم حدیث کا کوئی ایسا عالم موجود نہیں تھا۔ جو دورۂ حدیث کی ذمہ داری بھی پوری کر سکے۔ چنانچہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کی آمد سے علم حدیث کا چرچا عام ہوا۔ اور طلبہ کی ایک کثیر تعداد آپ کے درس میں شامل ہونے لگی۔ ابتدائی طور پر آپ کے درس میں شامل ہونے والے طلبہ میں مولانا حافظ فضل حق۔ مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی، مولانا عبد الحیّ پیلی بھیتی، مولانا صفدر علی خان عرف پشاوری، مولانا عبد الحق پنجابی اور مولانا عتیق احمد پیلی بھیتی وغیرہ کا نام ملتا ہے۔ ان تمام طلباء نے حضرت محدث سورتی کی

زندگی ہی میں علم وفضل میں وہ کمال حاصل کرلیا تھا کہ دور دور تک ان کی شہرت عام ہوگئی تھی۔

مولانا وصی احمد نے پندرہ سال حافظ العلوم میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اس دوران آپ نے تصنیف وتالیف کی جانب بھی توجہ دی اور جلالین وبیضاوی کی تفسیر شروع کی۔ محدث سورتی چونکہ حنفی المسلک تھے اس لئے خصوصاً غیر مقلد وہابی اور اہل حدیث کے عقائد کا رد فرماتے تھے۔ تقلید کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیتے اور فقہ حنفی کے حق میں مدلل ثبوت پیش کرتے۔
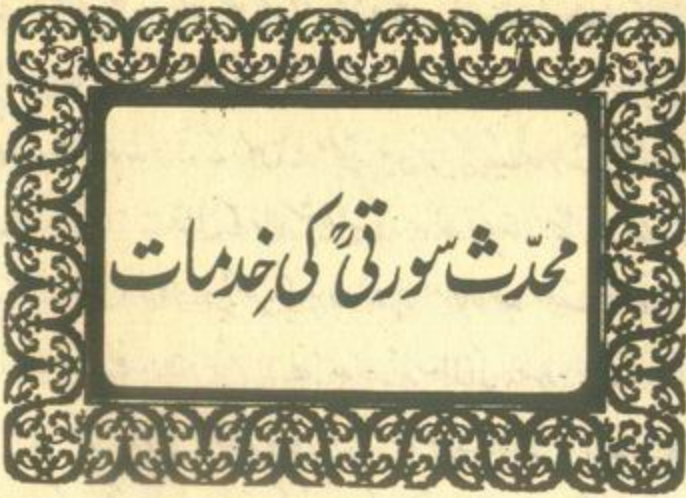
مدرسۃ الحدیث کا قیام

مولانا وصی احمد محدث سورتی سنہ ۱۳۱۴ھ تک حافظ العلوم سے بحیثیت شیخ الحدیث وابستہ رہے۔ اس دوران آپ کی تصنیف وتالیف کی سرگرمیوں اور تبلیغی دوروں میں بڑی حد تک اضافہ ہوگیا تھا اور آپ پورا وقت حافظ العلوم میں نہیں دے پاتے تھے چنانچہ آپ نے حافظ العلوم سے علیحدگی کا فیصلہ کرلیا۔ آپ کے برادر خورد مولانا عبداللطیف سورتی نے جامع مسجد پیلی بھیت سے کچھ فاصلہ پر محلہ منیر خان میں حضرت محدث سورتی کی رہائش

کے لئے ایک مکان خرید لیا تھا۔ جس میں حضرت محدث سورتی اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم تھے
حافظ العلوم سے علیحدگی کے پیش نظر مولانا عبداللطیف سورتی نے جواب پیلی بھیت میں جنگلات
کے ٹھیکیدار تھے۔ محدث سورتی کے مکان سے ملحق زمین خرید کر ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ اس مدرسہ
سے ملی ہوئی حافظ رحمت خاں کے سالار شیخ کبیر کی مسجد اور قبرستان تھا اس قبرستان میں
حافظ رحمت خاں کی والدہ اور دیگر اعزہ کی قبور موجود ہیں۔ مولانا عبداللطیف نے جو اس مسجد اور
قبرستان کے متولی تھے۔ اپنے ذاتی خرچ سے مسجد اور قبرستان کی از سر نو مرمت کروائی تھی مدرسہ
کے قیام سے مسجد کی رونق میں اضافہ ہوگیا۔ اس مسجد میں حضرت محدث سورتی نے اپنے وصال
تک امامت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں مولانا عبداللطیف کے صاحبزادے مولانا
عبدالحی پیلی بھیتی یہ فرائض انجام دیتے تھے۔

حضرت محدث سورتی نے اپنے مدرسہ کا نام مدرسۃ الحدیث تجویز فرمایا اور اس کا افتتاح
نہایت شاندار طریقہ پر ہوا۔ افتتاحی تقریب میں دور دراز سے علماء نے شرکت کی۔ مولانا احمد رضا
خاں بریلوی قدس سرہٗ نے افتتاح کے موقع پر فن حدیث پر تقریباً تین گھنٹے تقریر فرمائی۔ لہ

حضرت محدث سورتی نے حافظ العلوم سے علیحدگی کے وقت اپنے شاگرد عزیز مولانا عبدالحق
پیلی بھیتی کو حافظ العلوم کا صدر مدرس مقرر فرمایا جو اس وقت فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ
احمدیہ پیلی بھیت میں طالب علموں کو درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھا رہے تھے۔

مدرسۃ الحدیث کے قیام کا چرچا پورے ہندوستان میں بہت جلد عام ہوگیا اور ہر طرف
سے طالبان علم پیلی بھیت آنے لگے۔ ان طالب علموں میں پنجابی، پٹھان، اور بنگالی طالب علموں
کی اکثریت تھی۔ حضرت محدث سورتی نے تقریباً بیس سال اس مدرسہ میں حدیث شریف
کا درس دیا اور لاتعداد طالب علم یہاں سے فارغ التحصیل ہوکر پورے ہندوستان میں پھیل گئے۔
۱۳۱۷ھ میں پٹنہ کے قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے پٹنہ میں مدرسۃ حنفیہ قائم کیا مدرسہ

لہ مولانا محمود احمد قادری صفحہ ۱۵۵، تذکرۂ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ

کی افتتاحی تقریب میں ہندوستان کے نامی گرامی علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ مولانا احمد رضا
خاں بریلوی، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا عبدالقیوم بدایونی، مولانا سلامت اللہ رامپوری، اور
مولانا وصی احمد محدث سورتی نے بھی اس تقریب میں شرکت کی۔ اس موقع پر قاضی عبدالوحید نے
حضرت محدث سورتی کو مدرسہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے پٹنہ میں قیام کی دعوت دی حضرت
محدث سورتی نے اس خدمت کو قبول کرلیا۔ اور پیلی بھیت میں مولانا عبدالقادر بدایونی کے صاحبزادے
مولانا عبدالمقتدر بدایونی کو مدرسۃ الحدیث میں دورہ حدیث کے لئے مامور فرمایا۔ اور خود مدرسہ
حنفیہ میں درس وتدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ لہ

قاضی عبدالوحید نے پٹنہ سے ایک ماہنامہ تحفۂ حنفیہ بھی جاری کیا تھا۔ جس کا مدیر اعلیٰ حضرت
محدث سورتی کے ایک شاگرد مولانا شاہ محمد ضیاء الدین ہمدم پیلی بھیتی کو مقرر کیا گیا تھا۔ یہ رسالہ تقریباً بیس
سال تک برابر اخوت اسلامی اور عقاید حنفیہ کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ مولانا وصی احمد محدث
سورتی نے تقریباً دو سال پٹنہ میں قیام فرمایا اور جب مدرسہ حنفیہ چل نکلا تو آپ واپس پیلی بھیت
تشریف لے آئے۔ جہاں طالبان علم آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے فارغ التحصیل طلباء کی رسم دستار بندی کے موقع
پر ہر سال ایک اجلاس منعقد کیا جاتا تھا۔ ان اجلاسوں کی صدارت کے لئے مقتدر علماء کو دعوت
دیجاتی تھی۔ رسالہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ کی ایک رپورٹ کے مطابق "۶ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ کو بحمداللہ تعالیٰ
مدرسۃ الحدیث واقع محلہ منیر خاں پیلی بھیت کے طلبہ کا امتحان حضرت مولانا مولوی شاہ محمد
سلامت اللہ رامپوری دام فیوضہٗ نے لیا۔ مولوی امجد علی (اعظمی انصاری) نے بعد فراغ
کتب درسیہ کے نہایت جانفشانی وکمال مستعدی سے سال بھر میں صحاح ستہ، مسند شریف،
کتاب الآثار شریف، موطا شریف، طحاوی شریف کا قرأۃ وسماعۃ درس حاصل کرکے اعلیٰ درجہ
کا امتحان دیا۔ جس کے باعث ممتحن صاحب وحاضرین نہایت شاداں اور ان کی حسن لیاقت

لہ مولانا محمود احمد قادری صفحہ ۱۵۲، تذکرۂ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ

وذکاوت سے بہت فرحان ہوئے۔ اور دستار فضیلت زیب سر کی گئی۔ مولوی عبدالحئی صاحب و مولوی عبدالرحمٰن صاحب صاحبزادگان جناب عبداللطیف صاحب سورتی مقیم پیلی بھیت نے بھی کتب احادیث سے فراغت حاصل کی اور اچھا امتحان دیا۔ دستار فضیلت ان دونوں صاحبوں کے بھی باندھی گئی۔ یہ سب فیض و حسن تدلیس عالم جلیل، فاضل نبیل، خاتم المحدثین، زبدۃ المفسرین، خلاصۃ المحققین، عمدۃ المدرسین، اجل الفقہا، اکمل الکملا، حضرت مولانا مولوی وصی احمد محدث سورتی مقیم پیلی بھیت مدرس اعلیٰ مدرسہ مذکورہ دام اللہ تعالیٰ فیوضہ القویہ کا ثمرہ ہے۔ آپ ہر سال کتب احادیث کا بھی ایک ہی سال میں درس دیکر فارغ التحصیل کراتے ہیں۔ چنانچہ یکم محرم ۱۳۲۵ھ سے دورۂ کتب احادیث شروع ہو گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف۔ بخاری شریف طلبہ پڑھ رہے ہیں۔[۱]

اس رپورٹ کے آخر میں ابوالمساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی نے جو اس زمانہ میں رسالہ تحفۂ حنفیہ کے مدیر اعلیٰ تھے۔ ایک قطعہ تاریخ درج کیا ہے۔

سنی جب خبر جلسۂ امتحاں کی
ضیا کو ہوئی فکرِ تاریخ پیدا
خرد نے کہا جہل کا سر اڑا کر
ہوا واقعی امتحان خوب زیبا

۱۳۲۴ھ

اصلاح عقائد کی جدوجہد

تیرھویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی کے شروع میں محکوم ہندوستان میں زندگی بے لگام گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑ رہی تھی، طمع اور لالچ نے وہ جال پھیلایا تھا کہ ہر شخص

---

[۱] تحفۂ حنفیہ ص ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ مطبوعہ پٹنہ بہار۔

اپنے پیر چادر سے باہر دیکھنے کا آرزو مند تھا۔ نت نئے مسائل اور جدت طبع کی فراوانی تھی۔ خصوصاً مسلمانوں میں حمیت دینی روبہ زوال اور نفس پرستی عام ہو رہی تھی۔ ایسی فضا میں کسی عالم کا روشِ دنیا سے علیحدہ رہنا اور اپنے حالات پر قناعت اختیار کرنا کرامت سے کم نہ تھا۔ پورے ہندوستان میں مغربی افکار کو فروغ دیا جا رہا تھا اور کتاب و سنت کو مسجدوں اور حجروں تک محدود کرنے کی سامراجی سازش اپنے ہی دینی بھائیوں کے ہاتھوں پروان چڑھ رہی تھی اس سازش کے پیر جمانے میں مصلحت کوش علماء، بے دین دانشور، اور جاہل عوام سب ہی یکساں مصروف تھے۔ اعمالِ شریعت اور اوصافِ طریقت پر شرک و بدعت کا لیبل لگا کر سنت اسلاف پر عمل کرنے والوں کو کافر و بدعتی ٹھہرایا جا رہا تھا۔ مصلحت کا یہ حصار کچھ اس قدر وسیع تھا کہ اس میں خود بہت سے نام نہاد صاحبِ شریعت و طریقت گرفتار تھے۔ سامراجی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی اس کوشش میں بعض ناعاقبت اندیش علماء تو اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی ادائیگی کو بھی حاضر و غائب کی شرط لگا کر محدود کر دینا چاہا۔ اظہار عقیدت کے ذرائع مسدود کر دینے کی یہاں تک جسارت کی گئی کہ اساتذہ کی دست بوسی بھی خلافِ شریعت قرار پائی۔ غیر نظری سوالات اور مسائل اٹھائے گئے۔ نماز میں رسولِ مقبول ؐ کا خیال آنا جائز ہے یا ناجائز۔ رسول اللہ ؐ کو علم غیب تھا یا نہیں۔ بعد از نماز پیش امام سے مصافحہ کرنا مکروہ ہے یا مسنون، بعد از نماز ذکر بالجہر واجب ہے یا متروک، بعد از تلاوت قرآن حکیم کو بوسہ دینا حرام ہے یا حلال۔ غرض کہ مسلمانوں کے سامنے مذہب کو نہایت تنگ و تلخ بنا کر پیش کیا گیا تاکہ مسلمان اکتاہٹ کا شکار ہو کر اس روحانی قوت سے کٹ جائیں جو تیرہ سو سال سے اُن کی سرخروئی اور افضلیت کا باعث بنی ہوئی تھی۔ ہر چند اس مکروہ تحریک کا آغاز جہاد آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل ہوا تھا لیکن تیرھویں صدی کے اواخر میں اور چودھویں صدی کے شروع میں یہ تحریک اپنی تمام تر کراہتوں اور خباثتوں کے ساتھ منظرِ عام پر آ چکی تھی۔ خصوصاً ایک گروہ نے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کا پیرو کار اور ہندوستان

میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کو اپنا سر گروہ تسلیم کرتا تھا۔ تقلید آئمہ اربعہ سے انحراف کرتے ہوئے فقہ کی اہمیت سے انکار کردیا جس کی بنا پر شدید ترین شرعی اور فقہی اختلافات رونما ہوگئے چنانچہ مختلف ادوار میں مولانا فضلِ حق خیر آبادی، مولانا نقی علی خان بریلوی، مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی، مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا لطف اللہ علیگڑھی، مولانا فضل رسول بدایونی، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولانا ارشاد حسین رامپوری، مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا عبدالحق خیر آبادی، مولانا خیرالدین کلکتوی، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا عبدالعلی آسی مدراسی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی، پیر سید مہر علیشاہ گولڑوی، مولانا غلام دستگیر قصوری، مولانا عبدالسمیع رامپوری اور مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اس فتنہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے علمی کاوشوں کا جال بچھادیا اور ہر ممکنہ وسائل کو بروئے کار لا کر عوام الناس کو اصولِ مذہب سے روشناس کرایا۔ سامراجی حکمرانوں کی سرپرستی میں اٹھائے گئے تمام سوالات کا مفصل جواب دیا اور اُن تمام عقائد باطلہ کا رد فرمایا جو اختلافِ امت اور ترکِ مذہب کا باعث بن رہے تھے۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی نے خود درس حدیث کے ساتھ تصنیف و تالیف کی جانب بھی مکمل توجہ دے رہے تھے۔ اصول حدیث اور مسائل فقہ کو عام کرنے اور عوام الناس کو صحیح العقیدہ بنانے کے لئے متعدد مذہبی کتابوں پر حواشی لکھے اور مختلف مسائل پر فتویٰ رسائل کی صورت میں شائع کرائے۔ اور کذب و اختراع کی دیوار پر برابر کاری ضربیں لگاتے رہے۔

علم فقہ اور محدث سورتی

تفقہ فی الدین ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اس کے بغیر دینی امور کے مختلف پہلوؤں اور دنیاوی اعمال کی شرعی حیثیت کی مکمل وضاحت و صراحت ممکن نہیں ہے۔ لاریب قرآن حکیم تمام مسلمانوں کے نزدیک خدائے لم یزل ولایزال کی آخری کتاب۔ ایک متفقہ اور مشترکہ دستور العمل

اور اکمل و جامع نظامِ حیات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپؐ کا عمل اور قرآن حکیم میں بیان کئے گئے احکامات کی تشریحات نبوی صحابۂ کرام رضؓ کے لئے حجت تھیں لیکن اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا تھا چنانچہ آپؐ کے وصال کے بعد اسلامی ریاست کی وسعت فتوحات اور مختلف تمدنوں کے انضمام نے نئے نئے سیاسی سماجی و اجتماعی مسائل پیدا کئے اور پھر صحابہ کا عمل حجت قرار پایا۔ پھر تابعین کو یہ فضیلت حاصل ہوئی اور پھر تبع تابعین اس منصب پر فائز ہوئے اور فقہ اسلامی یعنی اسلامی قوانین کی تدوین کا عمل شروع ہوا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبل نے اس ضمن میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے فقہ اسلامی کی تدوین کا آغاز کیا اور یہ حضرات جو آئمہ اربعہ کہلاتے ہیں فقہی امور میں حجت قرار پائے ہرچند فروعی مسائل میں ان کے ہاں آپس میں کچھ اختلافات موجود ہیں۔ لیکن بنیادی امور پر سب متفق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی برادری کی نمائندگی کا سہرا ہمیشہ آئمہ اربعہ کے مقلدین کے سر رہا۔ اور اُن کے متبعین علماء ہر دور میں فقہ اسلامی کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے آئمہ اربعہ کی تقلید عام ہونے کے بعد جب ہر ایک امام کا مذہب و مسلک مستقل ہوگیا اور اجتہاد و قیاس کا دروازہ بند ہوا تو جزئیہ مسائل کے پیش آنے پر تصریح و تنظیر اور الحاق مسائل کی ضرورت پیش آئی تاکہ بغیر اجتہاد جدید متعلقہ امام ہی کے اصول و قواعد کے موافق مسئلہ پیش آمدہ کو کسی مسئلہ مقررہ کے تحت میں لے لیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ توثیق و تطبیق کسی مذہب میں ملکۂ راسخہ کے حصول کے بغیر ممکن نہیں اور یہی ملکۂ راسخہ اسلامی قوانین پر فقہ کہلاتا ہے جبکہ صاحب فقہ کو فقیہہ کہتے ہیں۔

فقہ کے معنی "شق" اور "فتح" کے ہیں جیسا کہ علامہ زمخشری نے حقیقۃ الفقہ میں درج کیا ہے کہ فقہ کی حقیقت تحقیق و تفتیش کرنا اور کھولنا ہے اور فقیہہ وہ عالم ہے جو تفکر و تدبر سے قوانین کے حقائق کا پتہ لگائے اور مشکل و مغلق امور کو واضح کرے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں فقہ کے معنی فہم و تدبر اور دین میں بصیرت و درک بیان کئے ہیں۔ ایک فقیہہ کے لئے ظاہری

علوم وفنون پر مہارت تامّہ کے ساتھ دل و دماغ کی صفائی اور تزکیۂ نفس بھی ضروری ہے۔ اُسے انسانی نفسیات اور اپنے علاقے کے عوام کی مذہبی ضروریات کا رمز شناس بھی ہونا چاہیئے۔ علّامہ ابنِ عابدین نے لکھا ہے جو فقیہہ اپنے زمانے کے لوگوں کے حالات اور اُن کی مصلحتوں سے واقف نہ ہو وہ عالم نہیں جاہل ہے۔

فقہ حدیث کا ثمر ہے۔ بظاہر محدث اور فقیہہ ایک ہی شجر کی دو شاخیں ہیں لیکن دونوں کا منصب اور طرزِ تحقیق ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسا کہ محدث کامل حضرت علّامہ اعمشؒ نے ایک محفل میں امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ کی نکتہ رسی اور بناّضی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ: یامعشر الفقہا نحن العطارون وانتم الاطباءؔ یعنی اے فقیہو تم طبیب ہو اور ہم عطار ہیں۔ مذکورہ قول سے جہاں فقیہہ اور محدث کا فرق واضح ہوتا ہے وہاں اس امر کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اگر ایک محدث اپنے اندر فقیہہ کی صلاحیتیں پیدا کرلے تو وہ طبیب کامل اور حاذق بن جاتا ہے۔ ہر چند کہ فقیہہ اور محدث کی طبیعت اور طریقہ کار میں فرق ہے محدث روایت کا اسیر ہوتا ہے اور فقیہہ درایت کا سفیر لیکن روایت اور درایت کے امتزاج سے جو شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ وہ عقل اور قلب کے آمیزہ سے پیدا ہونے والی فہم و فراست کا مجسّم نمونہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں اکثر محدثین فقیہہ کے مرتبہ پر نہ صرف فائز ہوئے بلکہ اپنی ٹھوس صلاحیتوں کی بنا پر دونوں حیثیتوں میں بقائے دوام کو پہنچے۔ درحقیقت فقہ اسلامی ہمارے عظیم الشان تمدّن کا ورثہ ہے کیونکہ کسی تمدّن کی قدر و قیمت کا اندازہ اُس کے قانون سے لگایا جا سکتا ہے۔ اگر قانون میں انسانی وقار اور آزادی کی ضمانت موجود ہے۔ تو لازمی بات ہے کہ تمدّن بھی ان ہی اصولوں کا آئینہ دار ہوگا۔ قانون مرتب کرنے والوں کے درمیان اختلافات باعثِ برکت ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح قانون کو وسعت نصیب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان فقہا کے درمیان بعض مسائل میں شدید اختلاف کے باوجود اُن میں کسی قسم کا

باہم تکدّر واقع نہیں ہوا۔ فقہائے سابقین کا اختلاف اخلاص پر مبنی ہوتا تھا۔ اور وہ اس بنیادی اصول سے اچھی طرح واقف تھے کہ تفقہ یا اجتہاد اس کے لئے دین میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان ہی چیزوں کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جو النصوص یعنی وحی و نبوت کی معلومات پر مشتمل ہیں۔ یہاں ایک مرتبہ پھر بات وہیں پہنچ جاتی ہے کہ وحی و نبوت کی معلومات پر مشتمل قوانین کا بہترین استخراج وہی شخص کر سکتا ہے جو بیک وقت قرآن و حدیث پر نہ صرف گہری نظر رکھتا ہو۔ بلکہ اجتہادی قوّت بھی اُس کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہو۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد اور افزائش کے بعد جو تمدّن سامنے آیا وہ اپنے دامن میں ایسی برائیاں لئے ہوئے تھا جو اسلامی معاشرہ اور خصوصاً مسلمانوں کے عقائد کے لئے سم قاتل کا درجہ رکھتی تھیں۔ چنانچہ تشکیک کی اِس فضا میں مسلمانوں کو اسلام کی اصل روح سے متعارف کرانے بدعات شنیعہ اور عقائد باطلہ سے بچانے کے لئے علمائے عظام اور فقہائے کرام نے جو خدماتِ جلیلہ انجام دیں اُن کے بیان کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ انہوں نے ہر قسم کی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر حق گوئی اور بیباکی کا مظاہرہ کیا۔ اس سلسلے میں دار و رسن کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اقتصادی مقاطعہ کا نشانہ بنے۔ مگر حق کو عام کرنے سے گریز نہیں کیا۔

۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے بعد برصغیر میں جن فقہائے کرام نے اپنے منصب سے وفا کی اور عوام الناس کو فروعی مسائل کی الجھنوں سے نجات دلانے کے لئے اپنی خدمات وقف کردیں اُن میں مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ کا اسمِ گرامی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ میں بیک وقت پائے کے محدث اور اعلیٰ درجے کے فقیہہ کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتب احادیث کے حواشی اور کتب فقہ کی شرح پر بیک وقت آپ نے کام کیا اور ان کے مطالعہ سے آپ کی نکتہ رسی و علم و ادراک پر نمایاں روشنی پڑتی ہے۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی امامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد تھے۔ اس

لئے آپ مسائل پر غور و فکر میں فقہائے حنفیہ کو حجت تسلیم کرتے تھے۔ ویسے بھی امام ابوحنیفہؒ کو علم فقہ کا امام اعظم تسلیم کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب خیرات الحسان میں امام شافعیؒ کا ایک قول اُن کے شاگرد ربیع بن سلطان سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں میں نظر نہیں کی وہ علم فقہ میں تبحر حاصل نہیں کر سکتا۔

محدث سورتیؒ نے ۱۲۸۵ھ سے مدرسہ فیض عام کانپور میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ تادمِ آخر یعنی ۱۳۳۴ھ تک جاری رہا۔ اس لحاظ سے آپ نے تحریر افتاء کا فریضہ تقریباً پچاس برس تک انجام دیا۔ آپ کے محررہ فتاویٰ کے جمع اور ضبط کرنے کا ابتداء سے کوئی اہتمام نہ ہو سکا جس کی بناء پر کوئی جامع مجموعہ فتاویٰ منظر عام پر نہیں آ سکا البتہ رسائل کی صورت میں آپ کے بیشتر فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں۔ پٹنہ سے تحفۂ حنفیہ کے اجراء کے بعد مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتیؒ نے جو محدث سورتی کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے فتویٰ کی نقل کو تحفۂ حنفیہ میں شائع کرانا شروع کیا لیکن یہ سلسلہ بھی تادیر یوں قائم نہ رہ سکا کہ قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے جو تحفۂ حنفیہ کے مالک و مدیر تھے مولانا ضیاء الدین کو اس رسالہ کی ادارت کے لئے پٹنہ بلالیا۔ بعد میں کچھ تلامذہ نے جن میں ابوسراج مولانا عبدالحق پیلی بھیتیؒ، مولانا امجد علی اعظمیؒ اور مولانا محمد فضل حق رحمانی شامل تھے محدث سورتی کے فتاویٰ جمع کرنا شروع کئے اور رسائل کی صورت میں "اظہار شریعت" کے نام سے کئی حصوں میں شائع کئے۔ راقم الحروف نے محدث سورتی کے مطبوعہ فتاویٰ بعد تلاش و جستجو جمع کئے ہیں۔ پیلی بھیت کے بھی کئی اصحاب نے جن میں مولانا افتخار ولی خان سر فہرست ہیں کچھ فتویٰ فراہم کئے جو بہر حال اب کتابی صورت میں شائع ہو سکتے ہیں۔ یہاں حضرت محدث سورتیؒ کے چند فتویٰ نذرِ قارئین کئے جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ کسی موقع پر تمام فتویٰ کو مجموعہ کی صورت میں پیش کر دیا جائے گا۔

فتاویٰ

از سید بشارت علی۔ گونڈہ۔ شوال ۱۳۱۹ھ

سوال:۔ زید نے باوجود فہمائش و سمجھانے کے کئی بار یہ کلمات کہے کہ نعوذ باللہ جملہ انبیاء علیہم السلام گناہ میں مبتلا رہے اور انہوں نے گناہ کیا اور جھوٹ بولا جب زید نے کلمات مذکورۃ الصدر بار بار بہ تکرار کہے اور اس سے کہا گیا کہ ہر گز ہر گز ایسا نہ کہو تمام انبیاء علیہم السلام پاک اور معصوم ہیں تو پھر اس نے یہ کہا کہ اچھا انبیاء کرام تو معصوم ہیں مگر اور جو مخلوق ہے سب نے گناہ کیا اور گناہ میں مبتلا رہے اور یہ بھی کہا کہ ہم کسی کو قطعی جنتی نہیں کہہ سکتے چنانچہ زید سے کہا گیا کہ یہ بھی تم نے بالکل خلاف کہا کیونکہ اصحاب کبار اور عشرہ مبشرہ و شہداء و صالحین وغیرہ وغیرہ کی نسبت حدیث شریف و نص قطعی قرآنی جنتی ہونے کی موجود ہے اور اکثر اشخاص مادر زاد ولی اللہ ایسے ہوئے ہیں کہ کبھی انہوں نے گناہ نہیں کیا۔ اور تمام عمر یاد الٰہی میں صرف کی ہے اور اسی پر اُن کا خاتمہ ہوا۔ لیکن زید مذکور نے ہر گز فہمائش و سمجھانے کا خیال نہیں کیا اور برابر کلمات مذکورہ بالا کہتا رہا اور زید حافظ کلام اللہ ہے۔ اور اردو فارسی کی کتابیں جن میں کہ مسائل وغیرہ مندرج ہوتے ہیں خریدتا بھی ہے اور متفرق مسائل بھی علماء سے استفسار کرتا رہتا ہے پس جس شخص کی ایسی گفتگو اور خیالات ہوں اُس کی نسبت شرع میں کیا حکم ہے۔ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ رب زدنی علما صورت مستفسرہ میں زید ضرور گمراہ بددین ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت جو کلمات کہ اُس نے کہے ہیں وہ صریح کلمات توہین ہیں۔ ان کا حکم بتصریح فقہائے کرام و محدثین عظام حد کفر تک پہنچتا ہے مگر از انجا کہ سوال میں اُس سے لفظ مشعر بہ رجوع منقول ہے حکم کفر سے بچ گیا پھر بھی اُس کے بدعتی گمراہ بددین ہونے میں شک نہیں۔ قطعاً

وہ بدمذہب وخارج از دائرۂ اہلِ سنت وجماعت وداخل زمرۂ جہنمیان ہے۔ حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قطعی جنتی ہونا تمام اہلسنت کا عقیدۂ قطعیہ اجماعیہ ہے۔ اور اس کا مخالف گمراہ بددین ہے اور اس کے پیچھے نماز ممنوع۔ علیٰ ما صرح بہ فی التبیین والغنیۃ وفتح اللہ المعین وامداد الفتاح والحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار ورد المحتار۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں۔

۱۔ بہت چھوٹی حمائل کا تعویذ بنا کر لڑکوں کے گلے میں لٹکانا جائز ہے یا نہیں اور خلافِ ادب ہوگا یا نہیں؟

۲۔ گیارھویں شریف ہمارے مرشد پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ کی کرنا تو جائز ہے لیکن خواتین کا اجتماع کرنا یا چندہ جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳۔ بعد نماز وتر کے لوگ ایک سجدہ شکر کا کرتے ہیں اور سجدے میں جاکر دعا مانگتے ہیں کیا یہ صرف ایک سجدہ کرنا اور دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ۱۔ رب زدنی علماً قرآن عظیم کو اتنا چھوٹا لکھنا مکروہ ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو حمائل لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ اور غنیۃ المستملی میں ہے۔ ویکرہ تصغیر المصحف وکتابتہ بقلم دقیق لان فیہ شبھتہ التحقیر الخ۔ (یعنی مکروہ ہے چھوٹا کرنا قرآن شریف کا اور لکھنا اوسکا باریک قلم سے اس لئے کہ اس میں شبہ حقارت کا ہے۔) نہ کہ اتنے چھوٹے چھوٹے تعویذ کہ اس میں صریح کم وقعتی اور دین میں بے قدری کا باعث ہے پھر بے تمیز بچوں کے گلے میں ڈالنا ضرورا سے اہانت کیلئے پیش کرنا ہے اس سے احتراز چاہیئے۔

۲۔ نیاز مبارک سراپا برکت وسعادت ہے اور اس کے لئے بطیب خاطر چندہ ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں مگر نامحرم خواتین کا اجتماع جو موجب فتنہ اور صورت لہو ہے

اس سے احتراز ضروری ہے۔

۳۔ اس سجدہ کے بارے میں ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے جسے علماء نے موضوع فرمایا ہے اور اس پر عمل سے ممانعت کی ہے۔ کما فی الخامسۃ من الغنیۃ شرح المنیۃ للعلامۃ الحلبی واللہ تعالیٰ اعلم حررہ العبد الفقیر الی اللہ القدیر وصی احمد الحنیفی الحنفی السنّی نفضلِ رحمانی۔

سوال:۔ مرسلہ گونڈہ ماہ شوال ۱۳۱۹ھ

کتاب مالا بد منہ مصنفہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مستند ہے یا غیر مستند ہے۔ اور جو اُن میں کلمات کفریہ کا ترجمہ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا اُن میں تشدد کیا ہے اور اگر تشدد کیا ہے تو کن کن مسائل میں ہے۔ آیا اُن مسائل میں کہ جو انبیاء علیہم السلام کی شان میں کوئی بدبخت کلمات کہے یا دیگر مسائل میں مفصل ارقام ہو۔

جواب:۔ رب یسر لی امری۔ مالا بد منہ عام کتب مسائل کی طرح ہے جو متاخرین نے تصنیف کی ہیں۔ بعض مسائل کا خلاف تحقیق ہونا ساری کتاب کو نامستند نہیں کرتا۔ وجوب تعظیم انبیاء کرام ان کی اہانت کفر ہونے کے بارے میں یہ اس قسم کے مسائل ترجمہ مذکور میں لکھے ہیں۔ مسئلہ "اگر کسے اہانت پیغمبراں کرد کافر شد" اور اس کے بعد کا مسئلہ "کہ ما ہمہ جولاہیگا نیم" اور مسئلہ "مردے گفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چناں میکرد ودیگر گفت کہ ایں بے ادبی است کافر شود"۔ مسئلہ "ہر ملعون کہ در جناب پاک سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دشنام دہد۔ یا اہانت کند یا در امرے از امور دین او یا از صورت مبارک او یا در وصفے از اوصاف شریفہ او عیب کند اگرچہ از راہ ہزل کردہ باشد کافر است۔ واجب القتل واجماع امت برآں ست کہ بے ادبی واستخفاف ہر کس از انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کفر ست۔ خواہ فاعل او حلال

دانستہ مرتکب شود یا حرام ۔ قطعاً ویقیناً یہ سب مسائل حق ہیں اُن میں اصلاً تشدّد کو راہ نہیں ۔

سوال :۔ زید اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے مگر اُس کے حالات وعقائد یہ ہیں کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتا ہے اور نفس مولود کو اچھا نہیں جانتا ۔ اور نفسِ عرس اولیاء اللہ کو بھی برا کہتا ہے ۔ اور آمین بالجہر کہنے کو اور سورۂ فاتحہ پڑھنا امام کے پیچھے اور رفع یدین کرنا واجب جانتا ہے اور اون علمائے غیر مقلدین کو کہ جنہوں نے اپنی تصنیفات میں تمام مقلدین کو مشرک بدعتی جاہل بلکہ کافر لکھا ہے کل علماء وغیرہ مقلدین پر ترجیح دیتا ہے اور اُنکی یعنی غیر مقلدین کے اتقاء پرہیزگاری کی تعریف کرتا ہے اور غیر مقلدین کو باطناً ہر قسم کی مدد دیتا ہے تو ایسے شخص کو مقلد سمجھا جائے یا غیر مقلد اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ رب ارزقنی الفقہ کما رزقتنی الحدیث ۔ صورت مسئول عنہا میں زید قطعاً وہابی بلکہ کٹر غیر مقلد ہے اور اُس کے پیچھے نماز ناجائز اور اُسکی صحبت اور مجالست سے احتراز ضروری شرعی کہ صحبت اُس کی ایک بددین کی صحبت ہے چنانچہ بعض اجلۂ آئمہ کے کلام میں یہ امر مصرح ہے نفس مجلسِ میلاد مبارک و نفسِ اعراس اولیائے کرام کو برا کہنا تو ظاہر ہے کہ اُن ہی اصول مخذولۂ وہابیہ پر مبنی ہوگا اور سورۂ فاتحہ خلف الامام کا ایجاب باوصف ادعائے حنفیت ضرور غیر مقلدی بلکہ بتصریح حضرت شیخ مجدد الف ثانی کے الحاد ہے اور آمین بالجہر و رفع یدین کو واجب کہنا تو صراحتاً نئی شریعت اپنے دل سے ایجاد کرنا ہے ۔ تمام عالم میں کوئی عالم اُن کے وجوب کا قائل نہیں تو زید ضرور خارقِ اجماع و مفتر علی الشرع ہے ۔ تمام مقلدینِ آئمہ کو مشرک اور کافر کہنے والا بنصوص صریحاً احادیث صحیحہ واتفاق آئمہ فتویٰ کافر اور جو ایسے لوگوں کو علمائے مقلدین پر ترجیح دے اور اُن کا مداح اور معتقد ہو خود اُس کی مثل ہے ۔ اس صورت میں تو اس کے پیچھے

نماز ممنوع ناجائز ہونا درکنار مطابق حکم ظاہر احادیث صحیحہ وارشادات فقہائے کرام محض باطل ہے ۔ حررہ العبد المسکین المتشبث بذیلِ سید المرسلین وصی احمد الحنیفی الحنفی السنی عفی اللہ تعالیٰ عن شر کل غبی و غوی ۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ملک برہما شہر مانڈلے میں دو فریق ہیں ایک کہتا ہے کہ بغیر محراب کے اور کسی جگہ امام کو امامت کیوقت نہ کھڑا ہونا چاہیئے ۔ اگر گرمی یا کسی سبب سے صحن میں وسط صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائے گا تو بباعث چھوڑ دینے محراب کے نماز مکروہ ہوگی ۔ فریق ثانی کہتا ہے کہ بیشک امام کو محراب میں کھڑا ہونا چاہیئے ۔ لیکن بباعثِ گرمی یا کسی اور سبب کے وسط صف میں کھڑا ہو کر امامت کرے گا تو بغیر کراہت جائز ہے کیونکہ امام کا وسط میں کھڑا ہونا کتابوں میں آیا ہے اور صحن مسجد کو حکم مسجد کا ہے ۔ اس مسئلہ کو بحوالہ کتب حدیث و فقہ حل فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب وھو ملھم الحق والصواب ۔

رب زدنی علما وارزقنی فہما ۔ فریق ثانی کا قول حق بالاتباع احق عند العاقل ہے اور فریق اوّل کا مقولہ مہمل عاطل اور محض باطل ہے اس واسطے کہ اصل حکم شرعی اور محکم فرعی یہ ہے کہ امام کسی طرف مائل نہ ہو بلکہ محاذات وسط صف میں کھڑا ہو ۔ سرور عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ۔ توسطوا الامام وسدوا الخلل اخرجہ الامام ابوداؤد من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، یعنی صف کے بیچ و بیچ میں کر دو تم امام کو اور عین وسط صف کی برابری میں اُن کو کھڑا کرو اور بند کر دو تم صف کی کشادگی اور فرجات کو اور مل کر کھڑے ہو تم تاکہ شیطان لعین کے لئے صف میں کھڑے ہونے کے لئے گنجائش نہ رہے اور وہ مردود لبسبب

مجاورت کے وسوسہ اندازی کی طرف راہ نہ پائے۔ فان الشیطان یدخل فیما بینکم بمنزلۃ الحذف اخرجہ الامام الرابع الامام احمد رحمۃ اللہ فی مسندہ الشریف من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اسی سے ہمارے فقہائے کرام امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ تابعی رویۃً وحکایۃً سے حکایت کرتے ہیں کہ السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف جیسا کہ وہ معراج وغیرہ میں مصرح اور کتب حاملان شریعت صاحب معراج میں منقح ہے اور محرابوں کی بنا جو ڈالی گئی تو صرف اس لئے کہ وہ نشانی ہوں محل قیام امام کیلئے تاکہ وسط صف کی تعین میں خفا و اشتباہ نہ رہے۔ اور تحصیل سنت توسط میں دقت نہ ہو۔ اور اُس کے محاذات میں کھڑے ہونے سے وسط صف کا پانیوالا ہو۔ لان المحراب انما بنی علامۃ لمحل قیام الامام لیکون قیامہ فی وسط الصف کما ھو السنۃ قالہ سیدنا العلامۃ محقق المتاخرین ابن العابدین فی رد المحتار۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام امام ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام کے لئے سنت یہ ہے کہ محراب کے محاذات میں کھڑا ہو تاکہ تعادل اور تمایل نہ ہو۔ دونوں طرف سے مقتدی برابر ہوں اور طرفین امام میں کسی طرف کم بیش نہ ہوں چنانچہ مبسوط بکر رحمۃ اللہ میں ہے کہ السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان۔ اور جب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا کہ محاذات محراب مقصود لذاتہٖ نہیں بلکہ یہ ذریعہ اور وسیلہ ہے واسطے تحصیل مقصود اصلی کے کہ وہ توسط ہے تو محاذات محراب میں جبھی تک امام کھڑا ہوگا کہ اُس سے مقصود اصلی فوت نہ ہو ورنہ محراب کو چھوڑنا ہوگا۔ اور اصل مقصود کا جو توسط ہے ہاتھ میں لانا اُس کو ضرور ہوگا۔ مثلاً مسجد صیفی یعنی گرمیوں میں نماز پڑھنے کی مسجد جو غیر پٹی ہوئی ہوتی ہے اور نرا صحن ہوتا ہے مسجد شتوی کے پہلو میں ہو جو سردی میں نماز پڑھنے کے لئے پٹی ہوئی ہوتی ہے اور چاروں طرف سے اُس میں ہوا اور سردی کی حفاظت

ہوتی ہے پس ایسی صورت میں جب نمازی کثیر ہو جائیں حتیٰ کہ اُس میں سما نہ سکیں تو امام کو چاہیئے کہ محراب کو چھوڑ دے اور جانب دیوار میں کھڑا ہو تاکہ مقتدی دونوں طرف سے برابر ہو جائیں اور حدیث توسطوا الامام کے خلاف کاربند نہ ہونے پائیں۔ سیدنا المحدث النبیہ والفقیہ الوجیہ محقق ابن العابدین عازیا الیٰ معراج فرماتے ہیں۔ ولو کان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیہ انتھی کلامہ الشریف۔ پھر یہ حکم کہ امام محاذاتِ محراب میں کھڑا ہو علی الاطلاق والعموم اور ہر امام کے لئے نہیں بلکہ اُس امام کے لئے ہے جو بڑی جماعت کا امام ہو جس کو امام راتب کہتے ہیں اور جو بڑی جماعت کا امام نہ ہو۔ اور چند اشخاص کی امامت کرتا ہو۔ تو وہ مختار ہے چاہے وہ محاذات محراب میں کھڑا ہو خواہ محراب سے الگ کھڑا ہو بشرطیکہ واجد سنت توسط ہو۔ امام شامی بعض ائمہ فقہ سے نقل کرتے ہیں کہ: السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الا تری ان المحاریب ما نصبت الا وسط المسجد وھی قد عینت لمقام الامام۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں۔ والظاھر ان ھذا فی الامام الراتب لجماعۃ کثیرۃ لئلا یلزم عدم قیامہ فی الوسط فلو لم یلزم ذالک لا یکرہ۔ اور جب یہ محقق ہوا کہ امام مامور اس کا ہے کہ وسط صف میں کھڑا ہو محراب کے محاذی ہو یا غیر محاذی اور خاص کر محراب ہی میں کھڑے ہونے کا اُس کو حکم نہیں تو اگر صحن مسجد میں جس کو مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی مسجد کہتے ہیں جو عین مسجد ہے نہ حکمِ مسجد میں ہے امام وسط صف میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائیگا تو بیشک مقیم سنت ہوگا اور شائبہ کراہت سے بالکل بری ہوگا۔ علاوہ برآں فروع فقہیہ بکثرت اس کے مثبت منجملہ اُن کے کلام صاحب معراج کا ہے جس کو ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں اور گو اثبات مدعا کے لئے یہی کافی ہے اور عاقل فہیم کی تسکین کے واسطے وافی ہے لیکن بطور مشتے نمونہ از خروارے دو قول اور بھی ہم درج کئے دیتے ہیں۔ رد المحتار میں ہے۔ السنۃ فی سنۃ الفجر ان یاتی بھا فی بیتہ والا فان کان عند

باب المسجد مکان صلاھا فیہ والا صلاھا فی الشتوی أو الصیفی ان کان للمسجد موضعان الخ اور حافظ حدیث شیخ الاسلام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ، عمدۃ القاری شرح صحیح امام بخاری میں تحریر فرماتے ہیں وفی الذخیرۃ السنۃ فی سنۃ الفجر ان یاتی بھما فی بیتہ فان لم یفعل فعند باب المسجد اذا کان الامام یصلی فیہ فان لم یمکنہ ففی المسجد الخارج اذا کان الامام فی المسجد الداخل وفی الداخل اذا کان الامام فی الخارج ۔ یعنی فجر کی سنتوں میں سنت طریقہ یہ ہے کہ آدمی گھر ہی سے پڑھ کر آیا کرے اور جو کسی نے گھر میں نہیں پڑھیں اور جماعت ہو رہی ہو تو مسجد کے دروازے پر پڑھے اور جو دروازہ میں کوئی جگہ قابل نماز پڑھنے کی نہ ہو تو امام اگر اندر مسجد کے نماز پڑھا رہا ہو تو مسجد کے صحن میں پڑھ لے اور جو امام صحن میں نماز پڑھا رہا ہو تو مسجد کے اندر سنتیں نہ پڑھے اور جس جگہ امام پڑھا رہا ہو اسی جگہ سنت نہ پڑھے کہ مکروہ ہے ظاہر ہے کہ جب امام صحن مسجد میں نماز پڑھائیگا تو محراب میں کھڑا ہونا کیونکر ہوگا ۔ اور نیز بعض احادیث مرفوعہ سے بھی یہ مضمون مفہوم ہوتا ہے محاذاتِ محراب امر ضروری نہیں ۔ معانی الاثار شریف اور بخاری شریف میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور لفظ بخاری شریف کا ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتخذ حجرۃ قال حسبت انہ قال من حصیر فی رمضان فصلی فیھا لیالی فصلی بصلاتہ ناس من اصحابہ الحدیث اور امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی واللفظ ایضاً للبخاری ۔ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی اللیل فی حجرتہ وجدار الحجرۃ قصیرۃ فرأی الناس شخص النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقام ناس من اصحابہ یصلون بصلاتہ الحدیث ومن طریق آخر فی البخاری عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لہ

حصیر یبسط بالنہار ویحتجرہ باللیل فثاب الیہ ناس فعفوا ورادہ ۔ اور سوا اس کے حدیثیں بھی ہیں جو تعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی میں درج ہیں ۔ اور کتاب مذکور مطبع یوسفی واقع فرنگی محل بن محلات لکھنؤ میں طبع ہوئی ہے طالب تحقیق کو چاہیئے کہ اُس کو منگا کر مطالعہ کرے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتمہ واحکم ۔

حررہ العبد المسکین المتشبث بذیل شفاعۃ سید المرسلین خاتم النبیین الذی اعطاہ علم الاولین والآخرین وجعلہ خازن علم المکنون ورفع لہ الدنیا فھو ینظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما ینظر الی کفہ کما ھو المخرج عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عند الطبرانی متیوم المخرجین وصی احمد الحنیفی الحنفی السنی کان اللہ حماہ عن شر من یبتغی الفساد فی الدین (حصہ دوم اظہار شریعت ص ۱۰۱ تا ۱۰۲)

سوالات مرسلہ مولوی حبیب اللہ امام جامع مسجد حافظ جمال صاحب واقع ڈیرہ اسماعیل خان سرحد کابل وزیرستان

سوال :۔ ایک شخص نے درمیان ذکر امور محدثہ کے کہا کہ روضۂ مقدسہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدعت ہے اور مردارہ کی طرح واسطے ضرورت نقب مباح ومشروع ہوا ہے اگر خوف نقب ثابت ہوتا تو اس کا بنانا بھی ہرگز درست نہ ہوتا اس شخص کا قول درست ہے یا غلط بر تقدیر غلط اُس کے واسطے سزائے شرعی کیا ہے ۔

جواب :۔ شخص مذکور کا قول محض باطل اور قائل ایسے قول کا عقل و دین سے بالکل بے بہرہ اور عاطل ہے روضۂ منورہ مطہرہ علیٰ صاحبہا الوف الصلوات الباھرہ والتسلیمات الزاھرہ کہ زمانۂ تابعین سے شکل روضہ بنا کیا گیا ۔ جیسے اب تک تمام علماء و اولیاء کا قبلہ گاہ و موضع دعا والتجا رہا زنہار کسی طرح سے بدعت نہیں ہو سکتا ۔ اور مردار سے تمثیل کا لفظ ناپاک یعنی صرف لفظ مردار جس کی زبان

بے باک سے نکلے سخت شدید شنیع قطیع تعزیر کا مستحق ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانو یعلمون اور اگر معنی حقیقی اس لفظ سے مراد ہوں تو قائل کے ایمان پر بھی حرف ہے والعیاذ باللہ حجاج نے کچھ لوگوں کو روضۂ مطہرہ کے گرد طواف کرتے دیکھا تو کہا۔ انما یطوفون باعواد و رمۃ علماء نے اس پر حکم کفر دیا نقلہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواھب اللدنیۃ عن الکامل للمبرد۔

سوال :۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا من البعید جائز ہے یا ناجائز بہر تقدیر کس قسم کا ندا جائز اور کس قسم کا ندا ناجائز اور ہم سب کے ندا کو آپ ہر وقت سنتے ہیں یا نہیں اور ہمارے احوال واقوال کا علم آپ کو ہر وقت حاصل ہے یا کسی خاص وقت میں بواسطۂ ملک یا بلا واسطہ وبالذات مفصل طرح سے اولۂ صحیحہ سے بخط واضح ارشاد فرمایئے کہ مطلب بخوبی حاصل ہو۔

جواب :۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا من البعید جائز ہے حدیث حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کی امام ترمذی و امام طبرانی وغیرہما اجلۂ ائمہ نے تصحیح کی ہے اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کریم سے ایک نابینا کا اپنی دعا کا عرض کرنا اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی ۔ اور عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم سے زمان خلافت امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایک حاجتمند تابعی کا اپنی قضائے حاجت کے لئے پڑھنا مذکور ہے ۔

ونیز حدیث اذا اراد عونا فلینادیا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی کہ مروی ابن السنی ہے اور دونوں قدیم سے معمول مقبول علمائے دین ہیں اس کی سند کے لئے کافی ہیں ندا باعتبار لفظ منادی دو قسم ہیں۔ ندا باوصاف کریمہ ۔مثلاً یارسول اللہ یا نبی اللہ ، یا حبیب اللہ یہ بالاتفاق جائز ہے ۔ دوسرے ندا بعلم اکرم یعنی یا محمد یا احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں اعلام طیبہ سے اول و آخر اگر کوئی کلمۂ تعظیم نہ ہو

تو غیر مروی میں ضرور ناجائز وحرام۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا ۔ اور مروی میں جس طرح حدیث مذکور اول بعض نے نظر باتباع اثر اجازت دی اور راجح یہ ہے کہ وہاں بھی یا رسول اللہ وامثالہ سے تبدل کرے اور اگر اول وآخر کلمات تعظیمیہ ہیں تو بعض نے مطلقاً اجازت دی اور راجح یہ ہے کہ اب بھی ممنوع ہے احتیاط اسی میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف باوصاف کریمہ ہی ندا کرے تاکہ بالاتفاق جائز ہو۔ افادہ الامام احمد بن محمد الخطیب العسقلانی فی المواھب والعلامۃ احمد الشہاب الخفاجی فی النسیم وغیرہما رحمہم اللہ تعالیٰ ۔ اور ندا باعتبار جواب دو قسم ہے اول وہ کہ توسل میں نص صریح ہو مثلاً یارسول اللہ حضور میری شفاعت فرمائیں۔ یارسول اللہ حضور اپنے اس غلام کے حق میں دعا فرمائیں یارسول اللہ حضور میری حاجت اپنے رب سے عرض کریں یارسول اللہ حضور میرے کام اپنے مولیٰ سے بنوادیں۔ یہ باجماع جائز ہے ۔ دوسرے وہ کہ خود حضور سے طلب حاجت ہو مثلاً یارسول اللہ حضور میری مراد عطا فرمائیں۔ یا رسول اللہ حضور میرا کام بنا دیں یارسول اللہ حضور میری حاجت روا فرمائیں۔ یہ کلمات جب زبان مومن سے صادر ہونگے قطعاً معنی تجوز اور توسل پر محمول ہوں گے ۔کہ اس کا ایمان ہی اس پر قرینۂ قاطعہ ہے جس طرح موحد کا انبت الربیع البقل کہنا کما لا یخفی علی من لہ ادنی مسکۃ بالمعانی والبیان ۔ ان الفاظ کو خواہی نخواہی معانی حقیقیہ پر حمل کرنا بلا وجہ قلب پر حکم لگانا اور مومن کے ساتھ اساءت ظن اور ناحق ناروا مسلمان کو کافر بنانا ہے ۔ وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ اسی کے عادی وبادی ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اہل سنت کو اس ضلالت سے مصون اور اس غوایت سے مامون رکھے۔ آمین یارب العلمین بحرمۃ حبیبک خاتم النبیین ۔ ہاں اگر کوئی شخص تصریحاً اپنا عقیدہ ظاہر کرے کہ وہ کسی غیر خدا کو مالک مستقل و معطی بالذات اور بے عطائے الٰہی قاضی حاجات جانتا ہے تو وہ ضرور کافر ومشرک ہوگا ۔ بحمد اللہ تعالیٰ کلمہ گویان

میں اس کا احتمال بھی نہیں۔ افادہ کل ذلک الامام خاتمۃ المحدثین تقی الملۃ
والدین علی بن عبد الکافی السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فی شفاء السقام سید
عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت حق عزوجل نے سمع وبصر وعلم محیط مابین
المشرق والمغرب وحاوی مابین السمٰوات والارض عطا فرمائے ہیں۔ جامع ترمذی
شریف میں حدیث ہے انی اریٰ مالا ترون واسمع مالا تسمعون اطت السماء
وحق لھا ان تاط۔ میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ہو۔ اور سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے
ہو۔ آسمان چرچرایا اور سزاوار ہے اوسے یہ کہ چرچرائے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ
واللہ انی لاری حوضی الاٰن۔ خدا کی قسم میں بیشک اپنے حوضِ کو اس وقت دیکھ رہا
ہوں۔ ترمذی شریف کی حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے۔ فتجلی لی کل
شیٔ۔ ہر چیز میرے لئے روشن ہے۔ طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت
کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا
والی ماھو کائن فیھا الی یومِ القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ۔ بیشک اللہ سبحانہٗ
وتعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو اوٹھا دیا تو میں اُسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونیوالا ہے
سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو ابو عمران عبدالبر وغیرہ کی حدیث میں ہے
ان اللہ وکل بقبری ملکا اعطاہ اسماع الخلائق۔ بیشک اللہ نے میرے مزار مبارک
پر ایک فرشتہ متعین کیا ہے جسے تمام جہان کی آوازیں سننے کی قوت بخشی ہے جہاں کہیں
کوئی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ فرشتہ عرض کرتا ہے یا رسول اللہ فلاں ابنِ فلاں
حضورؐ پر درود عرض کرتا ہے۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آسمان زمین میں پانسو برس
کی راہ کا بُعد ہے اور جنت کا فاصلہ تو اللہ ہی جانے۔ جب پانسو برس کی راہ سے آسمان
کے چرچرانے کی آواز سنتے ہیں اور ہزاروں برس کی راہ کے فاصلے سے اپنے حوضِ
مبارک کو نظر فرما رہے ہیں۔ تو روئے زمین پر کوئی شہر کتنے ہی فاصلے پر ہو۔ مدینۂ طیبہ

سے چند سال کی راہ کے بُعد پر بھی ہوگا ایسے پاک ومبارک سمع وبصر کے آگے تمام دنیا کی
چیزیں اور آوازیں خواہ مخواہ ہلکا ایسا ہوا چاہیں جیسے پیش پا افتادہ اور اس میں معاذ اللہ
سمع وبصر الٰہی سے توہم تساوی نہ ہوگا مگر نرے مجنون یا اُس بے دین کو جو اللہ کی قدر نہیں
جانتا وما قدروا اللہ حق قدرہ سمع وبصر الٰہی ازلی وابدی واجب الذات
واجب البقا مستحیل التغیر غیر متناہی وغیر محدود ہیں اور ازل سے ابد تک کے تمام
اشیاء کو شامل ومحیط۔ پھر بعطائے الٰہی محبوبان خدا خصوصاً سید المحبوبین صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو سمع وبصر محیط تمام اشیائے دنیا ملجانا کیا بعید ومستلزم مساوات
ہوسکتا ہے جیسا کہ اُس فرشتے کی نسبت خود حدیث ہی میں ارشاد ہوا کہ اُس کا سمع
خلائق کو محیط ہے۔ اشیائے خارجیہ تو درکنار آئمۂ دین نے تو یہاں تک تصریح فرمائی
ہے کہ اُمت کے دلوں میں جو خطرے گذرتے ہیں جو ارادے پیش آتے ہیں اُن سب پر
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلع ہیں اور فرمایا ہے۔ وکل ذالک جلی
عندہٗ لاخفاء بہ اور اس کی وجہ فرمائی ہے کہ حضور نورِ الٰہی سے دیکھتے ہیں ولنور اللہ
لا یحجبہ شیٔ نور الٰہی پر کوئی شے حجاب نہیں ہوتی امام ابن حاج مالکی مکّی نے
مدخل اور امام احمد قسطلانی شارح بخاری نے مواہب لدنیہ میں یہ تمام مضامین
علمائے کرام سے نقل فرمائے۔ علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے
ہیں۔ فان النفوس القدسیۃ اذا تجردت عن العلائق عرجت واتصلت
الملاء الاعلیٰ فتری وتسمع الکل کالمشاھد۔ نفوسِ قدسیہ جب علائق
بدنیہ سے جدا ہوتے ہیں ترقی فرماتے اور ملاءِ اعلیٰ سے ملجاتے ہیں ہر چیز کو ایسے دیکھتے
اور سنتے ہیں جیسے آنکھ کے سامنے ہی تفصیل۔ ان سب مباحث کی مع ازالۂ اوہام
منکرین بحمد اللہ تعالیٰ وفضلہٖ مجدد مأۃ حاضرہ صاحب حجت قاہرہ المولوی محمد احمد رضا
خانصاحب نے اپنی کتاب مستطاب ورسالۂ لاجواب مسمی بہ سلطنۃ المصطفیٰ فی

ملکوتہ کل الوریٰ میں فرمائی ہے۔ رزقنا اللہ وسائر اخواننا مطالعتہ۔ اور ایصال صلاۃ وعرض اعمال پر ملائکہ کا متعین ہونا حضور کے اپنے سمع و بصر کے منافی نہیں کہ یہ داب بارگاہِ سلطانی ہے اور حضرت جل وعلا عالم الغیب والشہادہ پھر اعمالِ عباد ہر صبح وشام ملائکہ اس کے حضور عرض کرتے ہیں جیسا کہ صحاح ستہ سے ثابت ہے۔

حررہ:۔ العبد المسکین وصی احمد الحنیفی الحنفی السنی۔

(اظہارِ شریعت حصہ اول ص۲ تا ۶)

اصلاح ندوۃ العلماء

جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانانِ برصغیر شدید افراتفری اور زوال کا شکار ہو گئے تھے۔ فرنگی حکمرانوں کو اس خطہ کے ہندو باشندے یہ بات اچھی طرح باور کرا چکے تھے کہ جہادِ آزادی میں صرف اور صرف مسلمان شریک تھے۔ یہ جہاد صرف مسلمانوں اور ان کے علماء کے ایماء پر کیا گیا تھا جس کی بناء پر مسلمانوں پر ترقی کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔ خصوصاً علماء کی کڑی نگرانی کی گئی۔ نہ صرف یہ بلکہ مسلمانوں کے فقہی اختلافات کو ہوا دے کر بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی اساس اور بنیاد کو کمزور کرنے کی سازش کی گئی جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانانِ برصغیر شدید افتراق وانتشار کا شکار ہو گئے اور جہادِ آزادی کے تقریباً نصف صدی بعد تک اُن میں مرکزیت پیدا نہ ہو سکی۔ برصغیر کی ہندو آبادی نے کشیدہ صورتحال سے حتی الامکان فائدہ اٹھایا اور تعلیمی میدان میں وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ آگے نکل گئے۔ سرکاری ملازمتوں سے لیکر تجی کاروبار تک ہندو اثر غالب آ گیا اور مسلمان قطعی طور پر اپنی اہمیت کھو بیٹھے۔ اس صورتحال کا چند دردمند دل نہایت خاموشی سے جائزہ لے رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں میں تعلیم کو عام نہیں کیا جائے گا اور محبت و یگانگت کو ان کے درمیان فروغ

نہیں دیا جائے گا اُس وقت تک یہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ انگریزی تعلیم کو عام کرنے میں سرسید احمد خان بڑا اہم کردار ادا کر رہے تھے جبکہ مذہبی تعلیم کو نئے خطوط پر استوار کرنے کے لئے چند علماءِ امت مسلسل غور وفکر میں غرق تھے۔ ایسے میں مدارس اسلامیہ کے نصاب کی اصلاح کیلئے ۱۸۹۳ء بمطابق ۱۳۱۰ھ میں مسلمانوں کی ایک مذہبی تنظیم ندوۃ العلماء[1] کے قیام کی تحریک شروع ہوئی۔ بقول مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی اصولی طور پر اس تحریک کا مرکز مدرسہ فیض عام کانپور تھا جہاں مولانا سید محمد علی کانپوری ثم مونگیری اور مولانا احمد حسن کانپوری درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مولانا محمد علی مونگیری مولانا احمد حسن کانپوری اور دیگر علماء نے اس نئی تنظیم وتحریک کے معاملات سرگوشیوں میں طے کئے اور مدرسہ فیضِ عام کے سالانہ جلسۂ دستار بندی کو اس تنظیم کی بنیاد رکھنے کے لئے استعمال کیا۔[2]

۱۳۱۰ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور کا سالانہ جلسۂ دستار بندی بڑے پیمانے پر منعقد کیا گیا اس جلسہ میں برصغیر کے علماء ومشائخ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ابتدائی وعظ وتقریر کے بعد مولانا محمد علی مونگیری نے ندوۃ العلماء کا پہلے سے مرتب کردہ خاکہ اجتماع کے سامنے پیش کیا۔ جسے تمام شرکاءِ جلسہ نے قبول کر لیا۔ اس مجلس کے قیام کی جب خبر عام ہوئی تو عرصے سے گھٹن اور حبس کی زندگی گذارنے والے مسلمانوں نے بڑی فراخدلی کے ساتھ مجلس کے قیام کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے یادگارِ شبلی میں "ندوۃ العلماء کے بانی" کے عنوان سے ایک تفصیلی بحث کا آغاز کیا ہے۔[3] ہر چند وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں کسی حد تک کامیاب رہے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی گفتگو کو چند افراد تک محدود رکھنے کی دانستہ کوشش کی ہے۔ جو ایک محقق کے شایانِ شان نہیں۔ یکطرفہ حوالوں کی بنیاد پر

---

[1] ابتداء میں اس نئی مجلس کا نام ندیۃ العلماء مشہور ہوا تھا لیکن بعد میں اسے بدل کر ندوۃ العلماء کر دیا گیا۔ (یادگارِ شبلی صفحہ ۲۸۳۔ مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ۱۹۷۱ء)

[2] مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی مضمون "مجلس ندوۃ العلماء کی بین الاقوامی کانفرنس" مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۳ نومبر ۱۹۷۵ء

[3] ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ص ۲۸۲۔ یادگارِ شبلی مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۱ء

انہوں نے بڑے بڑے فیصلے دیدیئے ہیں۔ اور کسی ایسے عالم کا نام ندوہ کے ضمن میں نہیں آنے دیا جو بہ اعتبار مسلک ان کا ہمخیال نہ ہو۔ حتیٰ کہ انہوں نے شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی کا بھی ذکر نہیں کیا۔ جو ایک صریح ناانصافی ہے۔ مدرسہ فیض عام کے جلسۂ دستاربندی میں جن علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اُن میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی، شاہ محمد حسین الہ آبادی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا عبدالحق دہلوی حقانی، شاہ سلیمان پھلواروی، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا محمد عادل کانپوری، مولانا حکیم مومن سجاد کانپوری وغیرہ شامل ہیں مگر معلوم کن وجوہ کی بناء پر ندوہ کے ضمن میں ان افراد کا نام محققین کی تحریروں میں بہت کم ملتا ہے جو تعصب کی ایک بدترین مثال ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی حیات شبلی میں لکھتے ہیں کہ ندوۃ العلماء کے قیام میں شامل افراد کا رابطۂ عقیدت ایک روحانی مرکز سے بندھا ہوا تھا۔ جس کا نامِ نامی اسم گرامی حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تھا۔ تیرھویں صدی کے آخر میں اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں یہ ذاتِ گرامی سارے ہندوستان کی روحانی عقیدت کا مرکز تھی۔ سنتِ سنیہ، فقر و غنا، علم و عمل اور نور و معرفت کی تمام خوبیاں اس ایک ہستی میں جمع ہو گئی تھیں۔[۱]

علامہ سید سلیمان ندوی کا یہ تجزیہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ مولانا لطف اللہ علیگڑھی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عقیدت کا مرکز حضرت شاہ فضل رحمٰن کی ذات تھی بلکہ مؤخر الذکر دونوں بزرگ مولانا مونگیری اور محدث سورتی حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہاں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ علم تاریخ کو ہندوستان میں سائنسی بنیادوں پر جن افراد نے استوار کیا یا تو وہ سر سید احمد خاں کے حلقۂ اثر میں شامل تھے یا اہلحدیث تھے۔ اس لئے تاریخ کے صفحات پر

---

[۱] مولانا سید سلیمان ندوی ص ۳۰۲، حیاتِ شبلی مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء

کسی ایک ایسے شخص کا نام نہ آسکا جس نے ردِّ وہابیت یا عدم تقلید کی مذمت میں سرگرمی کا مظاہرہ کیا ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کے وہ طالب علم جنہوں نے حاصل مواد پر اکتفا کیا آج تک حقیقت ناآشنا ہیں۔ اور کسی ایسی بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں جو فی زمانہ رائج تاریخی کتابوں میں موجود نہ ہو۔ بہرحال یہاں میرا مقصد ضمنی اختلافات کا بیان نہیں ہے اس لئے پھر میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

ندوۃ العلماء کا قیام بظاہر تو بڑا خوش آئند تھا۔ لیکن درونِ خانہ یہ جلد ہی مختلف النوع مذہبی اختلافات کا گڑھ بن گیا۔ ان اختلافات کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس میں شرکت کی دعوت عام تھی۔ ندوہ کے اجلاسوں میں غیر مقلدوں، رافضیوں اور نیچریوں نے بڑی تعداد میں نہ صرف شرکت کی بلکہ اتحاد بین المسلمین کے نعرے کا سہارا لے کر کار پردازانِ ندوہ سے اس قدر قربت حاصل کر لی کہ وہ ندوہ کے اجلاسوں کی روئیدادوں میں سرفہرست نظر آنے لگے۔ بات صرف یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ ان گروہوں کے سرکردہ افراد نے ندوہ کے پلیٹ فارم کو اپنے عقائد کے پرچار کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ متنازعہ مسائل پر تقاریر کی گئیں اور اتحاد بین المسلمین کے بجائے تفرقۂ امت کو ہوا دی گئی۔ ندوۃ العلماء کے جلسۂ دستاربندی منعقدہ کانپور کی روئیداد میں ہے کہ وہ جلسہ جو مسلمانوں کے ادبار اور اُن کے باہمی نفاق کو اور ان کے مذہبی جھگڑوں کو دور کر سکتا ہے وہ صرف ندوۃ العلماء ہے اور یہ ہندوستان میں اپنی قسم کا پہلا اجلاس ہے۔[۱]

جلسۂ دستاربندی میں چونکہ ندوۃ العلماء کے قیام کا اچانک فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس لئے اختلافی مسائل سامنے نہ آسکے۔ اور صرف خیر مقدمی تقاریر ہوئیں۔ جیسا کہ اس جلسہ کی روئیداد سے ظاہر ہے لیکن دوسرے سال مدرسہ فیض عام کانپور ہی میں پہلے باقاعدہ سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء میں ندوۃ العلماء کے خدوخال ہی بدل گئے۔ ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری مولانا لطف اللہ علیگڑھی اور مولانا احمد حسن کانپوری ندوۃ

---

[۱] سیوف العنوہ علیٰ دمائم الندوہ ص ۳ سید امیر احمد مجددی فضل رحمانی مطبوعہ بریلی ۱۳۱۵ھ

العلماء کے روحِ رواں تھے۔ اور تینوں اشخاص ردِ وہابیت اور عدم تقلید میں ایک عرصہ تک سرگرم عمل رہ چکے تھے۔ اس لئے غیر مقلدوں اور دیگر فرقوں کے علماء کو تشویش لاحق ہوگئی اور انہوں نے پہلے باقاعدہ سالانہ اجلاس میں ندوۃ العلماء پر بڑی تعداد میں چھاپہ مارا اور اس کو اپنے مسلک اور عقائد کی ترجمانی کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا۔ اخوت اور اتحاد کا کچھ اس انداز سے پرچار کیا گیا کہ تمام اسلامی قیود و ضوابط کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس اجلاس کی روئیداد کے مطابق علامہ شبلی نعمانی، غلام حسنین کنتوری اور مولوی ابراہیم آروی نے نہ صرف اس اجلاس میں تقاریر کیں بلکہ بنیادی اراکین ندوہ میں شامل کئے گئے۔ مولوی ابراہیم آروی جو عدم تقلید کے پرچار میں سرفہرست تھے اپنا رسالہ "اتفاق" ندوہ کی کارروائیوں کے لئے وقف کر دیا۔ اس رسالہ کو ندوۃ العلماء نے بھی پاس کیا اور تمام اراکین ندوہ اس کے خریدار قرار پائے۔ ایک اور غیر مقلد محمد احسن بہاری نے بھی اپنا رسالہ "تحفۂ محمدیہ" جو کانپور سے شائع ہوتا تھا ندوہ کے لئے وقف کر دیا۔ ان دونوں رسالوں میں مقلدین کی تذلیل کی گئی اور آئمہ اربعہ کے باہمی اختلافات پر بحث و مباحثہ کرکے یہ بات ثابت کرنے کی مسلسل کوشش کی جاتی رہی کہ مقلدین آئمہ اربعہ پر خود ایک دوسرے کی تکفیر واجب آتی ہے۔ [۱]

شیعہ مجتہد علامہ غلام حسنین کنتوری نے بھی پہلے اجلاس میں تقریر کی اور علماء اہلسنت کی موجودگی میں حضرت علیؓ کی خلافت کو بلا فصل ثابت کرنے کے سلسلے میں ایسے دلائل دیئے جن سے شیخین کی توہین ہوتی تھی۔ جلسہ کی روئیداد کے مطابق غلام حسنین کنتوری کے بیان سے حاضرین جلسہ کو فی الجملہ تکدر ہوا اور بعض حضرات نے کچھ بولنا بھی چاہا مگر چونکہ یہ بات قرار پاچکی تھی کہ مجلس میں کسی قسم کی ردو قدح نہ ہو اس لئے خاموشی اختیار کی گئی۔ ندوۃ العلماء کی کارروائی اس وقت ختم ہوگئی تھی مگر مجتہد صاحب کا بیان تنگیٔ وقت کی وجہ سے ختم نہ ہوا تھا چنانچہ سہ پہر کو بھی جلسہ ہوا۔ بیان ختم ہونے کے بعد مولوی ابراہیم آروی نے بڑے شاندار الفاظ میں مجتہد صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ [۲] اس جلسے کی روئیداد میں ہے کہ ہم مقلدان اور اہلحدیث ایک دوسرے

---

[۱] سیوف العنوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص۴

[۲] سیوف العنوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص۳-۴

کو موحد اور مومن جانتے ہیں۔ اور کسی مومن کو مشرک اور بدعتی کہنا سخت گناہ سمجھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز جانتے ہیں۔ [۱] اسی اجلاس میں مولانا شبلی نعمانی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فروعات دین پر ہمارا اعتقاد نہیں۔ علم سے ہمارا مذہبی تعلق ہے۔ کیونکہ مسلمانوں میں کوئی خصوصیت نہیں۔ جس کو کلمۂ توحید پر اعتقاد ہے وہ مسلمان ہے۔ [۲] حد تو یہ ہے کہ مولانا محمد علی مونگیری نے بھی جو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنا لب و لہجہ بدل لیا اور انہوں نے "ندوۃ العلماء کے دوسرے اجلاس قیصر باغ لکھنؤ منعقدہ اپریل ۱۸۹۵ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مقلد اور غیر مقلد کا اختلاف ایسا ہے جیسا حنفی شافعی مالکی اور حنبلی کا اختلاف ہے۔ ایک شے شافعیہ کے نزدیک فرض یا واجب ہے وہی حنفیہ کے نزدیک حرام و مکروہ۔ اب خیال کیجئے کہ بلحاظ عمل و اعتقاد دونوں فریقوں کے یہاں کس قدر فرق ہے۔ اگر اس پر خیال کیجئے کہ فرض کو ممنوع اعتقاد کرنے والا اور حرام کو حلال جاننے والا کیسا ہے تو ایسا سخت حکم نکلے گا کہ ان چاروں گروہوں میں اسلامی شرکت بھی نہ رہے گی۔ [۳]

جلسۂ لکھنؤ میں ایک طویل نظم پڑھی گئی جس میں غیر مقلد مولوی نذیر حسین دہلوی اور شیعہ مجتہد غلام حسنین کنتوری اور حکومت وقت کی مدح کی گئی تھی۔ نظم کے کچھ اشعار بطور نمونہ یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔ [۴]

وہ ذی علم و فن مجتہد دوراں — غلامی حسنین پر جو ہے نازاں

ہوا مجلس ندوہ پر جن کا احساں — کیا متحد قوم کو جس نے ایجاں

الٰہی رہے اس کی توفیق یاور

کرے ایکی سال اور کچھ اس سے بڑھ کر

---

[۱] سیوف العنوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص۵

[۲] سیوف العنوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص۳

[۳] سیوف العنوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص۸

[۴] سیوف العنوہ علیٰ ذمائم الندوہ ص۱۰-۹

گورنمنٹ وکٹوریہ شاد باد	دلش خرم و ملکش آباد باد
فلک پر ہیں جب تک ستارے چمکتے	زمیں پر رہیں جب تک جگنو چمکتے
گلستاں میں جب تک رہیں گل مہکتے	درختوں پہ جبتک ہیں طائر چہکتے
رہے لارڈ لگن کا اقبال یاور	مدارج ہوں لیفٹننٹ صاحب کے برتر

ندوہ کے تیسرے اجلاس منعقدہ بریلی میں مولوی عبدالحق مصنف تفسیر حقانی نے مدارس اسلامیہ کے نصاب پر شدید نکتہ چینی کی اور کہا کہ "اگر ناگوار خاطر علمار نہ ہو تو صاف صاف عرض کر دوں کہ پگڑی باندھ کر نکلے ہوئے عالم یا مولوی کا ہر علم میں بہت کم پایہ ہوتا ہے فقہ میں اس قدر مہارت نہیں ہوتی کہ معاملات کا فیصلہ کر سکے۔ وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کو کہیں کا زج بنا دیا جائے۔"[1]

علمار اہلسنت کو جو پہلے مرحلہ سے ہی ––– ندوۃ العلمار میں شامل تھے اس قسم کی باتوں سے تکدر رہا۔ خصوصاً عدم تقلید کے مسئلے کی اشاعت اور تقلید کے خلاف ندوۃ العلمار کی تقریروں اور تحریروں میں دلائل نے اُن کو سخت تذبذب میں ڈال دیا۔ مولانا لطف اللہ رامپوری اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی تو پہلے ہی جلسہ کی کارروائی سے اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ انہوں نے جلسہ کے اختتام پر ناظم ندوہ اور صدر جلسہ کی توجہ اس فساد فی الدین کی جانب مبذول کرائی اور اظہارِ حق کر کے ندوہ سے علیٰحدہ ہو گئے۔[2] اس اجلاس میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اصلاحِ نصاب پر ایک مقالہ بھی پڑھا تھا۔[3] جبکہ دیگر علمار اصلاح کا انتظار میں ندوہ سے تعاون کرتے رہے۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی چونکہ ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا لطف اللہ علیگڑھی کے تلامذہ میں شامل تھے۔ اس لئے ابتدا میں خاموش رہے ––– لیکن دوسرے جلسۂ لکھنؤ میں بھی وہی کچھ ہوا جو پہلے جلسے میں ہوا تھا چنانچہ انہوں نے اظہارِ حق کو ضروری تصور کرتے ہوئے اصلاح ندوہ کی جانب توجہ دی حضرت

[1] سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ ص ۳۱ [2] سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ ص ۳
[3] سالانہ رپورٹ ندوۃ العلمار مطبوعہ کانپور ۱۳۱۲ھ

مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تک بھی جوان دنوں شدید استغراق کے عالم میں تھے ندوہ کی کارروائیاں ––– پہنچیں اور آپ سخت کبیدہ خاطر ہوئے چنانچہ آپ کے صاحبزادے مولانا احمد میاں گنج مرادآبادی جب جلسۂ لکھنؤ میں شرکت کی اجازت لینے آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ وہ معاملات نفس ہیں لہٰذا وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔[1] حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کو مولانا وصی احمد محدث سورتی کی حق پرستی ہمیشہ عزیز رہی یہی وجہ ہے کہ جب محدث سورتی نے غیر مقلدوں کے رد میں "جامع الشواہد الاخراج الوہابیین عن المساجد" مرتب کی تو شاہ فضل رحمٰن نے کسی قسم کے تردد کا اظہار نہیں فرمایا۔ اور معاملات شریعت میں آپ کے مشورہ کو ضروری قرار دیتے رہے بحیثیت خلیفہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کے لئے یہ ضروری تھا کہ آپ ندوہ سے علیٰحدگی اختیار کرنے سے قبل یا اُس کے خلاف کوئی فتویٰ دینے سے پہلے اپنے پیرو مرشد شاہ فضل رحمٰن سے رجوع کریں چنانچہ آپ نے لکھنؤ کے اجلاس منعقدہ ۱۳۱۲ھ کے بعد گنج مرادآباد حاضری دی اور تمام روئیداد اپنے پیرو مرشد کے گوش گذار کی۔ چنانچہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی نے مولانا محمد علی مونگیری کو طلب کیا اور مفاسد ندوہ کے سلسلے میں بازپرس کی لیکن اُن کے پاس سوائے خاموشی کے کوئی اور جواب نہ تھا۔ کیونکہ ندوہ پر تو تمام غیر مقلد، رافضی اور نیچری پوری طرح قبضہ کر چکے تھے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے مولانا وصی احمد محدث سورتی کو اذنِ اظہار حق ملا۔ اور آپ اصلاح ندوہ میں مصروف ہو گئے۔

پروفیسر افضال حسین نے لکھا ہے کہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کو ابتدا ہی سے قومی اور مذہبی مشاغل سے خاص لگاؤ تھا۔ وہ ملک میں مذہبی علوم کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی جلائی ہوئی شمع کی روشنی کو دور دراز مقامات تک پھیلا دیا جائے۔ یہی وجہ

[1] مکتوب مولانا سید محمد رضا سندیلوی (پوتے داماد مولانا شاہ فضل رحمان) بنام مولانا احمد رضا خاں ص ۹۳ مطبوعہ مکتوب علمار و کلام اہل صفا ۱۳۱۲ھ مرتبہ سید محمد عبدالکریم قادری۔ بریلی۔

ہے کہ آپ علم کے نام پر ہر مذہبی تحریک کو آگے بڑھانے میں خاص حصہ لیا کرتے ندوہ کے قیام کی تحریک میں اپنے پیر و مرشد شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے ساتھ شریک ہو کر گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور اس کے استحکام کے لئے سعیٔ بلیغ فرمائی مگر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی اور اُن کے بعض رفقاء کے مذہبی خیالات سے آپ متفق نہیں ہو سکے۔ اور ندوہ سے علیٰحدگی اختیار کرنا پڑی۔ نیز شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی اور اُن کے مریدین نے بھی ندوہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔[1]

ندوۃ العلماء کے مفاسد کا ہندوستان میں سب سے زیادہ نوٹس مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا عبدالقادر بدایونی نے لیا اور اصلاح ندوہ کے ضمن میں نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی نے ابتداء میں ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری سے مفاسد ندوہ پر بات چیت کی اور برابر اصلاح پر زور دیتے رہے۔ اصلاحِ ندوہ کے سلسلے میں بریلی سے شائع ہونے والے رسائل اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلہ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی کے ساتھ جو علماء کام کر رہے تھے۔ اُن میں مولانا احمد میاں گنج مرادآبادی خلف مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی مولانا محمد عادل کانپوری، ــــــ مولانا شاہ محمد حسین الٰہ آبادی، مولانا حکیم خلیل الرحمٰن پیلی بھیتی تلمیذ رشید مفتی لطف اللہ علیگڑھی، مولانا ہدایت رسول لکھنوی اور مولانا احمد حسن کانپوری وغیرہ شامل تھے۔ لیکن ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی وفات کے بعد یہ تمام حضرات مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی قیادت میں متحد ہو گئے۔ ندوۃ العلماء کی مخالفت صرف ان ہی علماء تک محدود نہیں تھی بلکہ گنگوہ اور دیوبند کے علماء بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ ندوہ میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کی ابتدائی شرکت کے باوجود مولانا رشید احمد گنگوہی ندوہ کی تحریک سے حسن ظن نہیں

[1] پروفیسر انصار حسین کانپوری ص۱۹ ہمارے گنج گرانمایہ مضمون مطبوعہ ماہنامہ پیام حق کراچی جولائی ۱۹۵۸ء

رکھتے تھے[1] ایک مرحلہ پر جب علماء اہلسنت کی دعوتِ اصلاح نے زور پکڑا تو اراکین ندوہ نے علماء دیوبند اور بریلی کے دیرینہ اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علماء دیوبند کو ندوہ میں شرکت کی دعوت دی۔ لیکن علماء دیوبند بھی ندوہ کی مذہبی اور اخلاقی صورتحال سے آگاہ ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس میں شرکت کو قبول نہیں کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے تو ایک فتویٰ میں ندوہ کے عزائم و قیام کی سخت مذمت کی۔ ایک شخص محمد احسان اللہ غزنوی نے آپ سے استفسار دربارۂ ندوہ کیا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

"یہ جلسہ، جلسۂ ہمدردیٔ اسلام میں نہیں ہے بلکہ جیسا اس مسئلہ میں ظاہر کیا ہے اس کے موافق باعث ہدم اسلام ہے۔ پس اس میں شرکت اور اس کی اعانت اصلاً درست نہیں ہے۔" فقط واللہ اعلم بندہ رشید احمد عفی عنہ۔[2]

اُس وقت تک علماء اہلسنت نے کھل کر ندوۃ العلماء سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی تھی اور نہ ہی ندوہ کی حمایت سے عوام الناس کو منع کیا تھا کیونکہ علماء اہلسنت کو اس بات پر یقین تھا۔ کہ ندوۃ العلماء کے طریقۂ کار میں ضرور تبدیلی واقع ہو گی۔ مگر یہ تمام خوش فہمیاں اُس وقت کافور ہو گئیں جب ندوہ کے سرکردہ افراد نے ندوۃ العلماء کا تیسرا اجلاس بریلی میں منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ یہ اعلان دراصل ایک اعلانِ جنگ تھا کیونکہ اصلاح ندوہ کی تمام کوششوں کا مرکز بریلی قرار پا چکا تھا۔ اور مولانا احمد رضا خان بریلوی دعوت اصلاح میں سرِ فہرست تھے۔ چنانچہ علماء اہلسنت نے ضروری تصور کیا کہ اجلاس بریلی سے قبل ایک مرتبہ پھر ناظم ندوہ سے مفاسد ندوہ کو دور کرنے کی درخواست کی جائے۔

اس مقصد کے لئے مولانا وصی احمد محدث سورتی کو بحیثیت سفارت کار مقرر کیا گیا اور محدث سورتی ناظم ندوہ کے نام مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ایک خط لیکر جس میں پابندی اور مذہب اہلسنت کی درخواست کی گئی تھی۔[3] کانپور پہنچے اور کئی دن تک مسائل پر بات

[1] یادگارِ شبلی ص۲۸۸
[2] مہر گنگوہ در رد ندوہ ص۱۲ مطبوعہ بریلی ۱۳۱۴ھ
[3] مولانا احمد رضا خان اور ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کے درمیان اصلاح ندوہ کے ضمن میں ہونے والی تمام خط و کتابت "مراسلات سنت و ندوہ" کے نام سے ۱۳۱۳ھ میں مطبع نظامی بریلی سے شائع ہو چکی ہے۔

چیت کرتے رہے مگر کوئی مثبت جواب نہ ملا نتیجتاً پیلی بھیت واپس آ گئے۔[1]

اس عرصے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی ردِ ندوہ میں اپنا فتویٰ "القدوہ لکشف دفینِ الندوہ" تحریر فرما چکے تھے۔ اس فتوے کو اطراف واکنافِ ہند میں بڑی ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کیونکہ اس میں مختلف بلاد وامصار کے تقریباً پچپن علمائے اہلسنت کی مواہیر ثبت تھیں[2] مولانا وصی احمد محدث سورتی کو پیلی بھیت پہنچنے پر یہ فتویٰ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ایک مکتوب کے ہمراہ موصول ہوا۔ جس میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے آپ سے مفاسد ندوہ کے رد میں فتویٰ تحریر کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ محدث سورتی نے اس مکتوب کا جواب ۲ر شعبان ۱۳۱۳ھ کو تحریر کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو لکھا — "مطالعہ استفتار در بارۂ ندوہ سے مستفید ہوا۔ کیا لاجواب جواب آپ نے افادہ فرمایا ہے۔ "جزاکم اللہ عنی وعن سائر اہل السنۃ خیر الجزاء" میری تحریر کا کوئی اثر پڑنا بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتا ہے مگر آج میں نے بڑے شدومد کی تحریر روانہ کردی ہے۔ آپ دعا کیجیے کہ حق تعالیٰ نتیجہ مطلوبہ مرتب کرے اور اُن کی عنان کو حق کی طرف منعطف کرے۔ آمین یا الٰہ العالمین[3]

مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اپنے مکتوب میں جس تحریر کا ذکر کیا ہے وہ آپ کا ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کے نام مکتوب تھا۔ لیکن اربابِ ندوہ کی جانب سے حسبِ سابق خاموشی برقرار رہی البتہ مولانا محمد علی مونگیری نے مولانا وصی احمد کے مکتوب کا جواب ارسال کیا مگر اس میں بھی کسی مثبت اقدام کا تذکرہ موجود نہیں تھا۔ محدث سورتی نے مولانا احمد رضا خان کو ۱۱ر شعبان ۱۳۱۳ھ کو ایک اور خط تحریر کیا جس میں مولانا محمد علی مونگیری کے خط کا حوالہ بھی دیا تھا۔

---

[1] سرگزشت وماجرائے ندوہ ص۳ مرتبہ مولانا عبدالحی پیلی بھیتی مطبع نادری پریس بریلی ۱۳۱۳ھ

[2] "فتاویٰ القدوہ لکشف دفین الندوہ" مطبوعہ قادری پریس بریلی ۱۳۱۳ھ

[3] مکتوبات علماء ص۱۰، مرتبہ حافظ سید عبدالکریم قادری مطبوعہ مطبع اہل سنت بریلی۔

بحر العلوم مولانا و بالفضل اولنا مولوی احمد رضا خان صاحب عمت فیوضاتہم المشارق والمغارب السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں نے سابق کے عریضہ میں نظر فیض اثر سے گذارا تھا کہ جناب ناظم صاحب پر میری تحریر کا کوئی اثر نہیں پڑنے کا مگر اون کو متنبہ کروں گا چنانچہ میں نے ایک عریضہ اُن کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے یہ عنایت کی کہ فوراً جواب دیا۔ الفاظ اُس کے بعینہ مرقوم ذیل ہیں۔

"عزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ! محبت نامہ نے پہنچکر مسرور کیا۔ آپ کا غصہ یا خفگی چونکہ خلوص کی وجہ سے ہے اس لئے مجھے مسرت ہوتی ہے۔ بریلی کی انجمنِ اسلامیہ نے دعوتِ جلسہ کی اور مولوی احمد رضا خان صاحب کا خلاف ذکر کیا اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب[1] وغیرہ نے بھی حالت دریافت کی اراکین اب تک اس بات پر ہیں کہ بریلی میں جلسہ ہونا چاہیے دیکھئے کیا ہو۔" انتہی کلامہ بقدر الحاجۃ اصل حال یہ ہے کہ ناظم صاحب برائے نام ہیں۔ قابو اور ہی لوگوں کا ہے۔ اراکین موجودین میں کوئی خوش عقیدہ نہیں۔ جو خوش عقیدہ تھے مانند شاہ محمد حسین الٰہ آبادی[2] وغیرہ وہ لوگ بھی ندوہ کی حرکتوں سے متنفر ہو کر

---

[1] مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے فرزند تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم میں پائی۔ ۱۲۹۱ھ بمطابق ۱۸۷۴ء کی روئیداد مظاہر العلوم کے تقسیم انعامات کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے میر زاہد رسالے میں امتیازی نمبر پائے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد عمارتی لکڑی کا کام شروع کیا۔ جس کا صدر مقام پیلی بھیت تھا۔ ندوۃ العلماء کی تحریک کی ابتداء ہی سے اس سے منسلک ہوگئے۔ اجلاس دوئم منعقدہ لکھنؤ میں اراکین مجلسِ انتظامی میں شامل تھے۔ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء کو ندوہ کے نائب ناظم با اختیارات ناظم منتخب ہوئے بعد میں ۱۹۱۵ء میں مولانا عبدالحی رائے بریلوی کو ان کی جگہ ناظم منتخب کرلیا گیا۔ آخر عمر میں سہارنپور میں مقیم تھے۔ ۱۰ر ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ بمطابق ۴ر فروری ۱۹۳۶ء کو سہارنپور میں وفات پائی (ماخوذ۔ حیات عبدالحی ص۱۵۱ مطبوعہ دار المصنفین جامع مسجد دہلی ۱۹۷۰ء)

[2] شاہ محمد حسین الٰہ آبادی نامور عالم عربی کے زبردست ادیب اور مرشد کامل تھے۔ آپ ۱۸۵۳ء محلہ بہادر گنج الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ مولانا نعمت اللہ فرنگی محلی، مولانا ابو الحسنات عبدالحی فرنگی محلی اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے تعلیم پائی۔ تکمیل درسیات کے بعد حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ اور شیخ الاسلام علامہ سید احمد دحلان مکی سے سند حدیث حاصل کی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ارادت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔ ہندوستان کے روحانی وعلمی حلقوں میں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ ندوۃ العلماء کے بانیوں میں تھے۔ لیکن بعد میں اہلسنت کے علماء کی فہمائش پر اصلاح ندوہ پر آمادہ ہوئے اور جلدی ندوہ چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے یادگار شبلی مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور میں لکھا ہے کہ — شاہ محمد حسین الٰہ آبادی کی ندوہ سے علیحدگی ایک بڑی محرومی ہے۔" ۹ر رجب ۱۳۲۲ھ کو سماع کی ایک محفل میں عالم وجد میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اب کی سال سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ اب باقی ماندہ اراکین میں سب سے اوّل درجے کے دخیل شبلی معتزلی ہیں اور دوسرے درجہ کے مولوی خلیل الرحمان صاحب سہارنپوری مولانا شبلی نے ان کو لکھا ہے کہ جس طرح ہو ندوہ کا جلسہ بریلی میں ہی ہونا چاہیئے۔[1] وصی احمد حنفی از پیلی بھیت ۱۱ر شعبان ۱۳۱۳ھ۔

محدث سورتی نے ندوہ کا اجلاس بریلی میں منعقد ہونے سے قبل اختلافات کو دور کرنے کی متعدد تدابیر کیں۔ مولانا محمد علی مونگیری اور محدث سورتی میں استاد اور شاگرد کا رشتہ ہونے کی وجہ سے حد درجہ قربت تھی۔ اس لئے علماءِ اہلسنت کو اس بات کا یقین تھا کہ اصلاح ندوہ کے سلسلہ میں مولانا محمد علی مونگیری سے کوئی کارروائی صرف محدث سورتی ہی کرا سکتے ہیں مولانا محمد علی مونگیری کی کیفیت سے محدث سورتی بخوبی واقف تھے۔ جیسا کہ آپ نے مولانا احمد رضا خان کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ "ناظم ندوہ برائے نام ہیں قابو اور ہی لوگوں کا ہے"۔ اس لئے یہ طے کیا گیا کہ مولانا محمد علی مونگیری کو ندویوں کے حصار سے رہائی دلا دی جائے۔ مگر اس وقت تک مولانا مونگیری ندوہ کے تنخواہ دار ملازم قرار پا چکے تھے چنانچہ مولانا احمد رضا خان نے یہ تجویز پیش کی کہ اُن کو بریلی کے مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرس بلا لیا جائے۔ محدث سورتی نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور آپ شوال ۱۳۱۳ھ میں پھر کانپور پہنچے تاکہ مولانا مونگیری سے مذاکرات کر سکیں۔ مگر محدث سورتی کے کانپور پہنچنے کے بعد اس تجویز کی اطلاع اُن اراکین و اربابِ ندوہ کو ہو گئی جو مولانا محمد علی مونگیری کی شخصیت کی آڑ میں وہ اہلسنت کو دھوکہ دے کر اپنے عقائد کو عام کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مولانا محمد علی مونگیری کے گرد اپنا دائرہ تنگ کر دیا۔ اور اس تجویز کو کسی حد تک ناکام بنا دیا محدث سورتی نے ایک مکتوب کے ذریعہ مولانا احمد رضا خان کو ان حالات کی اطلاع دی جس کا متن درج ذیل ہے۔

"بعد اہدائے ہدیہ سنیہ۔ میں نے حسب ارشاد صواب بنیاد محض بنظرِ خیر خواہی اسلام

[1] مکتوبات علماء ص ۱۰۸

تدابیرِ اصلاح میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب کو حضور کی ملازمت کے لئے آمادہ کیا بلکہ اُن سے عہد وثیق لیا چنانچہ تاریخ روانگی سے بھی میں حضور کو اطلاع دے چکا۔ مگر افسوس کہ بوجوہ عدیدہ شاہد مقصود منصۂ ظہور پر جلوہ گر نہ ہوا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ——— وصی احمد حنفی از کانپور ——— ۱۵ر شوال ۱۳۱۳ھ

ادھر علماء اہلسنت کی جانب سے اصلاح ندوہ کی کوششیں جاری تھیں اور ادھر اربابِ ندوہ بریلی میں اجلاس منعقد کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بریلی علماءِ اہلسنت کا مرکز و دار الخلافہ تھا۔ اس لئے ارباب ندوہ کو یہ فکر بھی لاحق تھی کہ کہیں اجلاس ندوہ درہم برہم نہ ہو جائے چنانچہ انہوں نے اجلاس سے قبل بریلی اور اُس کے قرب وجوار میں آباد شہروں میں وفود بھیجے جن کو خاص تاکید کی گئی کہ وہ خود کو سنّی ظاہر کرتے ہوئے ندوہ کا پرچار کریں اور عوام اہلسنت کو جو علماء حق پسندی کی بنا پر مخالف ندوہ ہو گئے ہیں ندوہ کے حق میں ہموار کریں۔ اس سلسلہ میں مولانا شاہ سلیمان پھلواروی پیلی بھیت پہنچے اور تائید ندوہ میں پیلی بھیت کے عوام کو ہموار کرنے کے لئے کئی ایک تقاریر کیں۔ ۱۳ر ذیقعد ۱۳۱۳ھ کو مولانا وصی احمد محدث سورتی نے ایک خط میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کو لکھا کہ گذشتہ جمعہ کو شاہ سلیمان صاحب بغرض اشاعت ندوہ میں معہ چند ندویوں کے وارد پیلی بھیت ہوئے۔ پیشتر امام اور خوش عقیدہ لوگوں مثل حکیم خلیل الرحمٰن خان صاحب وغیرہ نے قبل از خطبہ ان کی فہمائش کی ندوہ کے بارے میں آپ کچھ نہ فرمائیں بندہ نے بھی اتنا کہا کہ مجھ کو ندوہ والوں سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں کچھ نہ کہوں گا۔ مگر بطور تدبیر ما تقدم کے میں حضور کے افادات اور اُن کا خط مطبوع اپنے ہمراہ لیتا گیا تھا کہ ان کا کچھ اعتبار نہیں اگر کچھ خلاف گفتگو کی تو فوراً مواخذہ کروں گا۔ مگر بحمد اللّٰہ صراحتاً تو کیا اشارۃً بھی انہوں نے ندوہ کا ذکر نہ کیا۔ شاہ محمد شیر[1] صاحب سے ملے انہوں نے بھی چٹکیاں لیں چنانچہ شاہ صاحب سے ناخوش بھی ہوئے۔[2]

[1] پیلی بھیت کے ایک صاحب سلسلہ بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں

اصلاح ندوہ کے سلسلہ میں پیلی بھیت کے علماء و مشاہیر نے بھی بے پناہ دلچسپی کا مظاہرہ
کیا۔ مولانا عبد الحئی نے سرگذشت و ماجرائے ندوہ میں لکھا ہے کہ: پیلی بھیت کے اہلِ عمل
و روساء و معززین مثل مولانا حافظ شوکت علی، رئیس اعظم پیلی بھیت، جناب محمد عبد اللطیف
خاں صدر انجمن اسلامیہ پیلی بھیت، جناب محمد عبد اللہ خان تاجر، مولانا وصی احمد محدث
سورتی، مولانا عبد اللطیف سورتی، قاضی ممتاز حسین، مولانا حکیم خلیل الرحمٰن خاں تلمیذ
رشید مولانا لطف اللہ علیگڑھی، مولوی عتیق احمد امام مسجد جامع پیلی بھیت، مولانا
عبد الحق مدرس تلمیذ رشید مولانا وصی احمد محدث سورتی وغیرہم اکابر کا شکر اہلسنت
پر لازم ہے کہ ان حضرات اور اُن کے اصحاب کے ثبات و استقامت و سعی و ہدایت نے بحمد اللہ
روزِ اوّل سے اس اسلامی شہر کو مفاسد ندوہ سے پاک رکھا ہر چند داعیانِ ندوہ نے جی توڑ
کر عرق ریزیاں کیں مگر ناکام رہے۔ مسجد جامع وغیرہ کے جلسوں میں دندان شکن جواب سنے
خود عالیجناب کمالات نصاب جناب شاہ جی محمد شیر میاں صاحب دامت برکاتہم نے
بھی اپنے ارشاد و ہمت کو حمایت سنت میں صرف فرمایا۔ یہانتک کہ ایک گل گلزار ندوہ[1] نے
دم ملاقات اُن کے حملہ شیرانہ کے حضور اپنی پھلواری کا رنگ پھیکا اور وزن پھول سے ہلکا پایا۔
گل سے شگفتہ گئے تھے اور غنچہ سے بستہ اوٹھے۔ منہ کھولنے کا موقعہ ہاتھ نہ آیا۔[2]

شاہ سلیمان پھلواروی کے فوراً بعد پیلی بھیت کے عوام اہلسنت نے شہرۂ آفاق خطیب
مولانا ہدایت رسول رامپوری ثمہٗ لکھنوی کو پیلی بھیت آنے کی دعوت دی تاکہ شاہ صاحب
ندوہ کے سلسلہ میں درونِ خانہ پیلی بھیت کے چند افراد سے جو جوڑ توڑ کر گئے ہیں اُس کا رد
کیا جا سکے۔ مولانا ہدایت رسول کی آمد پر حامیانِ ندوہ بڑے جز بز ہوئے۔ پیلی بھیت
کے ایک عالم اور مولانا وصی احمد محدث سورتی کے شاگرد رشید مولانا صفدر علی لشوری،
حامیانِ ندوہ میں شامل تھے۔ چنانچہ انہوں نے مولانا ہدایت رسول لکھنوی کی تقاریر کو

[1] مولانا شاہ سلیمان پھلواروی
[2] سرگزشت و ماجرائے ندوہ صـ ۱۱

روکنے کی سعی کی۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی ہمیشہ سے دلائل و براہین پر زور دیتے تھے
اور کسی پر اپنا مسلک و عقیدہ مسلط کرنے کے روادار نہ تھے۔ اس لئے آپ نے مولانا صفدر
علی لشوری کو حمایت ندوہ سے منع نہ فرمایا تا آنکہ ندوہ کی حقیقت خود اُن پر عیاں نہ ہوگئی۔
مولانا احمد رضا خاں کے نام ایک مکتوب میں محدث سورتی لکھتے ہیں کہ "مولانا لکھنوی تشریف
لائے تھے۔ مولوی لشاوری نے بعض میرے احباب سے کہا کہ ہم ندوہ کی طرف سے مامور
ہیں کہ مولانا لکھنوی کو بیان نہ کرنے دیں۔ ایک بجے جس وقت ہم جامع مسجد پہنچے اسی وقت
دوسرے دروازے سے مولوی لشاوری بعض ندویوں کے ساتھ پہنچے۔ عبد اللہ خان صاحب
نے اُن سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ لوگوں کا کچھ ایسا ارادہ ہے۔ انہوں نے کہا ہاں،
بیشک۔ عبد اللہ خاں نے کہا بہتر جو آپ کی رائے میں آوے کیجئے۔ مگر پھر مجھ سے بھی شکایت
نہ کیجئے۔ تب مولوی لشاوری کے ہوش ہرن ہوئے۔ خجل ہو کر مولانا لکھنوی سے کہنے
لگے۔ ندوہ میرا پیر ہے۔ میں ندوہ کا مرید ہوں۔ اُس کو کوئی برا کہے گا تو میں اپنی جان
دیدوں گا۔ عبد اللہ خان صاحب نے کہا کہ اگر آپ یہ نہیں سن سکتے ہیں تو آپ کیوں شریک
بیان ہوں۔ نماز پڑھ کر چلے جائیے۔ بعد نماز مولانا لکھنوی ممبر پر بیٹھے، اور کوئی دقیقہ باقی
نہ رکھا۔ مولوی لشاوری وغیرہ صحن میں ٹہل رہے تھے۔ بعد بیان کے مولوی لشاوری نے
خود ہی کہا کہ دو تین دن قیام فرمائیے تاکہ بقیہ لوگوں کے شبہے رفع ہو جائیں۔ اور ندوہ
کیا ہے صرف پلاؤ اور قورمہ کی فکریں ہو رہی ہیں۔[1]

مولانا عبد القادر بدایونی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کو اجلاس بریلی سے قبل
ہندوستان کے اسّی سے زائد علماء نے ندوہ کے سلسلہ میں علماء اہلسنت کے موقف
کی تائید و حمایت میں ایک سو سے زائد خط تحریر کئے جو ۱۳۱۴ھ میں بریلی سے مکتوبات
علماء و کلام اہلِ صفا کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیئے گئے تھے۔ اس مجموعہ

[1] مکتوبات علماء صـ ۱۱۰

مکتوبات میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے نام مولانا وصی احمد محدث سورتی کے آٹھ خطوط شامل ہیں جن میں محدث سورتی نے ندوۃ العلماء سے اختلافاتِ اہلسنت پر بڑی مفصل روشنی ڈالی ہے۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اجلاس بریلی ۱۳۱۳ھ کے دوران بھی اختلافات کو دور کرنے کے سلسلے میں حتی الامکان کوشش کی۔ آپ نے مولانا لطف اللہ علی گڑھی مولانا محمد علی مونگیری، مولانا عبدالحق دہلوی حقانی، مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری خلف مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، اور شاہ سلیمان پھلواروی سے مولانا احمد رضا خاں اور مولانا عبدالقادر بدایونی کی ملاقاتیں کروائیں۔ کئی کئی گھنٹے مذاکرات جاری رہے حتیٰ کہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا عبدالحق حقانی نے تو علماء اہلسنت سے وعدہ فرمایا کہ اختلافات کو اجلاس کے انعقاد و اختتام سے قبل ہی دور کر دیا جائے گا۔ لیکن جلسہ شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہوگیا۔ مگر اختلافات اپنی جگہ برقرار رہے مولانا عبدالحئی بیلی بھیتی نے "سرگذشت ندوہ" میں اجلاس بریلی کے دوران کی جانے والی مصالحتی کوششوں کا بڑا تفصیلی احاطہ کیا ہے۔

ندوۃ العلماء کا چوتھا اجلاس میرٹھ میں ہوا۔ اس عرصہ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی اپنی کتاب "تعلیق المجلیٰ" کے پروف پڑھنے اور اس کی اشاعت میں مصروف تھے۔ لیکن آپ کی توجہ ندوہ کی جانب سے نہیں ہٹی تھی۔ بلکہ آپ برابر ندوہ سے شائع ہونے والی مطبوعات اور ندوہ کی رُوئیدادیں ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ۲۰ صفر ۱۳۱۴ھ کو پیلی بھیت سے آپ نے مولانا احمد رضا خاں کو ایک خط تحریر کیا اور ندوہ کی روئیداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "ندوہ نے ایک مختصر کیفیت طبع کرائی ہے اور اس کے دو حصے کر کے ایک حصہ کو جس میں بڑی بے تہذیبی کے شنیع کلمات لکھے ہیں محمد احسن بہاری کی طرف منسوب کیا ہے۔ جو خاص ناظم صاحب کے ملازم ہیں۔ اور تحفۂ محمدیہ کا جو ناظم صاحب نے اپنے زر نقد سے جاری کیا ہے۔ اہتمام اور حساب و کتاب اُن کے متعلق کیا

ہے۔ حقیقت میں اس حصہ اول کے محرر میری رائے میں ناظم صاحب ہی معلوم ہوتے ہیں اور یہ محمد احسن وہی ہیں جو ایام ندوہ بریلی میں حاضرِ خدمت ہوئے تھے۔ جب حضور نے فرمایا کہ روئیداد کی عبارات ناظم نے نہیں لکھی بلکہ کسی اور نے لکھی ہے۔ ناظم کی نظر شاید اس پر نہیں پڑی۔ تو انہوں نے کہا نہیں وہ ناظم صاحب کی تحریر ہے۔ فقط، دوسرا خط منشی نہال احمد کے نام لکھا ہے جو خاص دفتر ندوہ کے محرر ہیں۔ اپنے یہاں کی تصنیف میں اس کیفیت کے اکاذیب کا ردّ ملحق کرنا مناسب ہے۔ [۱]

۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ کو مولانا وصی احمد محدث سورتی کو ندوہ کے رد میں لکھے جانے والے رسائل موصول ہوئے۔ ان رسائل کے بارے میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو اپنی رائے تحریر کرتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھا کہ "رغم الجہلاء مع غزوہ رسائل پہنچے۔ بہت رسائل بحمد اللہ اعلیٰ درجہ کی قبولیت پر فائز ہیں۔ "رغم الجہلاء" اور "سطوہ" اور "غزوہ" کی تحریر عالم طبائع کے نہایت پسند ہوئی۔ عبارتیں ایسی سلیس اور روزمرہ حال کے موافق ہیں کہ ہر قسم کا ناظر اُن کے مطالعہ سے محظوظ ہوتا ہے اور بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھتا ہے۔ آئندہ کو بھی ایسے عنوان کی تحریر اگر ہوں گی تو نہایت مؤثر ہوں گی۔ ندوہ کے سب مغویات کا قلع و قمع ہوگیا۔ اسکی بھی خبر لینا بہت ضروری ہے" [۲]

۱۳۱۳ھ میں حیدرآباد کے ممتاز عالم مولانا عبدالرزاق المکی نے ایک رسالہ ندوہ کے حضرات کے رد میں "فتاوی السنۃ لالجام الفتنۃ" کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس رسالہ پر ہندوستان کے متعدد علماء کی تقاریظ موجود ہیں۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا کہ "میں ندوۃ العلماء کے جلسۂ اوّل کانپور اور جلسۂ دوئم لکھنؤ دونوں میں با اصرار مولانا ناظم ندوہ (محمد علی مونگیری) شریک ہوا۔ اور ہمیشہ کوشش کرتا رہا کہ ندوہ مفاسد شرعیہ سے برکنار ہے۔ اراکین خاص با اختصاص میں وہ حضرات غالب ہیں جو دین کو برباد کیا چاہتے ہیں۔ اور ان کی ہی رائے صائب تصور کی جاتی ہے اور اُن ہی کی تجویز منظور ہوتی ہے۔ بالآخر تیسرے جلسہ بریلی میں

---

[۱] مکتوبات علماء ص ۱۱۱

[۲] مکتوبات علماء ص ۱۱۱

شریک نہوا۔ لیکن خواہانِ اصلاح ندوہ رہا۔ مولانا ناظم اور حضرت صدر (مولانا لطف اللہ علیگڑھی) سے بہت کچھ عرض کیا۔ لیکن سود مند نہوا۔ اراکین ندوہ کی ہٹ دھرمی روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور بے قیدی برابر ترقی پاتی ہے۔ کتب سابقہ کے علاوہ اب جو اراکین ندوہ نے دو چار تحریریں مصلحین ندوہ کے جواب میں شائع کی ہیں۔ اُن سے بالکل یقین ہوتا ہے کہ ندوہ کے غرض اصول و فروعِ شرعیہ دونوں کو ضرر پہنچانا ہے۔ اور اُس میں وہ لوگ یہ نفع سوچتے ہیں کہ ترقی دنیا حاصل کرنے کے لئے یہی طریقہ نیچریہ اختیار ہو سکتا ہے۔ کہ اسلام صرف کلمہ گوئی کا نام۔ سنت صرف شیعیت کے مقابل۔ باقی جس قدر فرقے سب سنیوں میں داخلی اختلاف عقائد کا نتیجہ اسکو ندوہ سچا اسلام تصور کرتا ہے۔ رہا مدرسہ اگر بالفصل اوس میں کتب دینیہ و حنفیہ کے ہوں لیکن فلسفہ جدید بغیر رد کے بدولت پروفیسروں کی لیاقت دیانت سے یقین ہے کہ انجام کار اصولِ اسلام کو طالب علم یوں ہی سمجھیں گے اور جب اصول و ضروریات اسلام کا یہ رنگ لازم آتا ہے تو سنت اور حنفیت کا کیا ذکر۔ اس کے استحصال کے لئے تو غیر مقلدین کا سنی قرار دیا جانا ہی کافی تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [1]

ندوۃ العلماء کا پانچواں اجلاس شاہجہان پور میں منعقد ہونا قرار پایا۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی کی مصروفیات میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ تصنیف و تالیف کی جانب آپ نے مکمل توجہ صرف کردی تھی جس کی بناء پر جلسوں میں شرکت اور پیلی بھیت سے باہر کا سفر تقریباً ترک کردیا تھا۔ شاہجہاں پور میں ندوہ کے اجلاس کی اطلاع ملی تو آپ نے معذرت طلب کی۔ لیکن مولانا عبدالقادر بدایونی کے اصرار پر شاہجہاں پور روانگی کا قصد فرمایا۔ دراصل مولانا عبدالقادر بدایونی کی قیادت میں اجلاس ندوہ کے موقع پر ایک وفد شاہجہاں پور جارہا تھا۔ کہ وہاں پر عوام اہلسنت کو مفاسد ندوہ سے آگاہ کرسکے۔ اس وفد میں مولانا وصی احمد محدث سورتی اور آپ کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی۔ مولانا مولوی حسن رضا خان بریلوی۔ نواب سلطان

---

[1] تحفۂ سنیہ لانجام الفتنہ صـ۵۲ مولانا عبدالرزاق المکی الحیدرآبادی مطبوعہ مطبع اہلسنت وجماعت بریلی ۱۳۱۴ھ

احمد خان بریلوی۔ مولانا حکیم عبدالقیوم بدایونی، مولانا جمیل الدین خطیب جامع مسجد بدایوں، مولانا مولوی حافظ بخش متوطن آنولہ مدرس مدرسہ محمدیہ چودھری گنج اور حکیم مولوی محمد مومن سجاد کانپوری وغیرہم شامل تھے۔ [1] شاہجہاں پور میں اجلاس ندوہ سے قبل وفد نے اراکین ندوہ سے مختلف مسائل پر بات چیت کی اور حسبِ سابق دعوت اصلاح دی۔ ندوہ کی جانب سے جن اراکین نے گفتگو کی اُن میں مولانا عبداللہ انصاری، مولوی جمیل الدین احمد خان بہادر ڈپٹی کلکٹر اور نواب عبدالرشید خان تحصیلدار شاہجہاں پور اور سابق ڈپٹی کلکٹر شاہجہاں پور جناب عثمان خان شامل تھے۔ اجلاس ندوہ کی صدارت مولانا محمد شاہ رامپوری کو کرنا تھی لیکن ان کے غیر مقلد ثابت ہونے پر طے کیا گیا کہ مولانا احمد حسن کانپوری سے صدارت کرائی جائے علمائے اہلسنت کی اجلاس ندوہ کے موقع پر شاہجہاں پور میں موجودگی۔ بیشتر علماء و اراکین نے اجلاس ندوہ میں شرکت سے اجتناب کیا۔ ان افراد میں میاں سید فخر عالم، مولانا ریاست علی خان، مولوی فضل المجید، مولوی نور عالم ساکن سرحد، مولوی محمد گل ساکن مرادآباد، منشی سخاوت حسین مجسٹریٹ شاہجہاں پور، اور حاجی عبدالمجید خان پیلی بھیتی وغیرہ شامل تھے علماء اہلسنت نے ایک ہفتہ سے زائد شاہجہاں پور میں قیام کیا۔ اور مفاسد ندوہ کو بلا خوف عام کیا۔ متعدد تقاریر کیں۔ اور ردِ ندوہ میں رسائل تقسیم کئے۔ نتیجتاً اہل ندوہ کو شاہجہاں پور سے خاطر خواہ تائید و حمایت حاصل نہ ہوسکی۔ اور علماء اہلسنت فریضہ حق ادا کر کے شاہجہاں پور سے رخصت ہوگئے۔ [2]

ندوہ کے مفاسد کی تشہیر سے علمائے اہلسنت ندوہ کی اصلاح میں تو کامیاب نہ ہوسکے۔ البتہ ندوہ کو حسب توقع مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔ وہ ندوہ جس کو ایک یا دو سال کی مدت میں مستحکم تنظیم کا روپ دھار لینا چاہیئے تھا کئی سال تک کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوا کے دوش پر

---

[1] غرشِ صور صـ۱۱ مولانا حکیم محمد مومن سجاد کانپوری مطبوعہ مطبع اہل سنت بریلی ۱۳۱۶ھ

[2] یہ تمام تفصیلات حکیم محمد مومن سجاد کانپوری کے رسالہ "غرشِ صور بر ندوۂ شاہجہاں پور" مطبوعہ ۱۳۱۶ھ سے اخذ کی گئی ہیں۔

ہچکولے کھاتا رہا۔ اس کے علاوہ علماءِ اہلسنت کی کوششوں سے ندوہ کے اندر بھی گروہ بندی شروع ہو گئی۔ انتظامی معاملات، لائحہ عمل کی تیاری اور اس کے نفاذ کے سلسلے میں رسہ کشی نے اس قدر زور پکڑا کہ ناظمِ ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کو اپنے وقار کے تحفظ کے لئے ندوہ کی نظامت سے مستعفی ہونا پڑا۔

حیات عبدالحیٔ کے مصنف نے لکھا ہے کہ بالآخر ندوۃ العلماء کی تاریخ میں وہ نازک موڑ آگیا جو تقریباً تمام تحریکوں اور کوششوں کی تقدیر بن چکا ہے۔ یعنی مجلسِ انتظامی ندوۃ العلماء کے اندرونی اختلافات مزاجوں کے عدم توافق بلکہ تضاد اور تناقض کی بناء پر مولانا سید محمد علی مونگیری نے بار بار کی کوششوں اور ارکان کی معذرت و انکار کے بعد ندوۃ العلماء کی نظامت سے استعفیٰ دیدیا اور وہ جلسہ انتظامیہ منعقدہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ بمطابق ۱۹ جولائی ۱۹۰۳ء میں منظور ہو گیا۔[۱] مولانا محمد علی مونگیری کے استعفیٰ کے بعد مولانا مسیح الزماں شاہجہانپوری ناظم مقرر ہوئے۔ اور انہوں نے بھی ۲۱ اپریل ۱۹۰۵ء کو نظامتِ ندوہ سے استعفیٰ دیدیا۔ پھر یہ سلسلہ برابر جاری رہا ایک ایک کر کے تمام مقلد ندوہ سے علیٰحدہ ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۹ جولائی ۱۹۱۳ء کو ندوہ کے روحِ رواں مولانا شبلی نے بھی اختلافات کی بناء پر ندوہ سے استعفیٰ دیدیا۔ یہاں مولانا شبلی کا تفصیلی ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شبلی نعمانی واحد شخصیت تھے۔ جن کی ذات علماءِ اہلسنت کے لئے وجہ تنازعہ بنی ہوئی تھی۔ علماء اہلسنت ندوہ میں شامل افراد کو پابند صوم و صلوٰۃ دیکھنا چاہتے تھے۔ جبکہ مولانا شبلی عالمِ دین ہونے کے باوجود پابند شرع نہ تھے۔ اُن پر عدم پابندیٔ نماز، عورتوں سے میل ملاقات اور دینی معاملات میں آزاد خیالی کے الزامات عاید ہوتے تھے۔ علامہ شبلی دار العلوم ندوہ کو اسلامی ہندوستان کا سب سے بڑا مذہبی مرکز قرار دیتے تھے لیکن دار العلوم کی چہار دیواری میں مذہب کا جو حال تھا اُس کے بارے میں خود علامہ شبلی ایک مکتوب میں مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کو لکھتے ہیں کہ:۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ طلباء میں تقدس کا اثر نہیں ہے۔ آپ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ

[۱] حیات عبدالحیٔ ص ۱۴۷ سید ابوالحسن علی ندوی مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۰ء

ایک دفعہ ندوہ کے لڑکے ڈیپوٹیشن کے طور پر بھیکن پور بھی گئے تھے۔ اُن کی وضع سے آپ نے سمجھا کہ علیگڑھ کے لڑکے آئے ہیں۔ یہ میری موجودگی سے قبل کا زمانہ تھا اس کی وجہ میں نے بہت سوچی اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ ابتداء سے آجتک کوئی پرنسپل مقدس اور با اثر نہیں ملا۔"[۱]

اس صورتحال کے باوجود شبلی نعمانی "الندوہ" کے صفحات میں دعویٰ کرنے لگے کہ ندوۃ العلماء تمام ہندوستان میں سب سے بڑی مقتدر جماعت ہے۔ چنانچہ اہلِ دیوبند کو شبلی کا یہ دعوی گراں گذرا۔ اور دیوبند نے "ندوہ کے مفسدات کو اچھالنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر شیخ اکرام لکھتے ہیں کہ "اس زمانہ میں ندوہ کا ڈنکہ چاروں طرف بج رہا تھا لیکن ندوہ کے حریف کا رسالہ "القاسم" بار بار لکھتا تھا کہ "آواز دہل شنیدن از دور خوش است" والا معاملہ ہے اور فی الواقع اگر مولانا کے خطوط غور سے پڑھیں تو خیال ہوتا ہے کہ یہ طعن بے بنیاد نہ تھا۔"[۲]

ان حالات میں علماءِ اہلسنت سے توقع رکھنا کہ وہ ندوہ کی حمایت کریں کس طرح ممکن تھا کیونکہ اہلسنت تو پابندی مذہب میں تمام امت پر سبقت حاصل کئے ہوئے تھے وہ کس طرح سے اس مذہبی کجروی پر مہرِ تصدیق ثبت کر سکتے تھے۔ اس تمام کھیل میں ایک شخصیت ہر اختلافی موڑ پر سرِ فہرست نظر آتی ہے اور وہ ہے مولوی عبدالحیٔ رائے بریلوی کی ذات۔ دراصل ندوہ میں اس شخص کی ۲۵ دسمبر ۱۸۹۵ء میں شمولیت اور بحیثیت مددگار ناظم کے انتخاب کے بعد سے ہی مقلدین کے انخلاء اور ندوہ پر غیر حنفی اور غیر مقلدین کا غلبہ شروع ہو گیا تھا۔ مولوی عبدالحیٔ نے اپنی عبا میں شریعت و طریقت کے ہفت رنگ کے پیوند لگا رکھے تھے۔ اور کبھی اپنے اصل رنگ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ لیکن اس کے باوجود عدمِ تقلید اُن کی عبا کا بنیادی رنگ تھا۔ جس کا اندازہ اُن کی تحریروں اور ندوہ میں شمولیت کے بعد اُن کے کردار سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ دراصل کثریت سے کٹ کر کبھی بھی اقلیتی تحریکیں پروان نہیں چڑھ پاتی ہیں اس لئے مولوی عبدالحیٔ کے لئے یہ ناگزیر تھا کہ وہ مقلدین سے کٹ کر یا اُن کا ندوہ سے فوری طور پر پتہ صاف کر کے ندوہ کے معاملات پر گرفت کر لیں اس لئے وہ شروع سے ہی مقلدین کی آڑ میں اپنا کھیل کھیلتے رہے اور بالآخر علامہ

[۱] مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۱۹۵ [۲] یادگار شبلی ص ۳۵۷

شبلی نعمانی کے استعفیٰ کے بعد ۳ر اپریل ۱۹۱۵ء کو وہ ندوہ کے ناظم منتخب ہو گئے اور مرتے دم تک اسی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس تمام عرصے میں ندوہ غیر مقلدین کا گڑھ بن چکا تھا چنانچہ مولوی عبد الحیٔ کے بعد نواب حسن علی خان ناظم مقرر ہوئے اور ان کے فوراً بعد ہی مولوی عبد الحیٔ کے لڑکے حکیم سید عبد العلی ناظم ندوۃ العلماء مقرر ہوئے جس کے بعد ندوہ کی نظامت اور ندوہ عبد الحیٔ کے گھر تک محدود ہو کر رہ گیا اور آج بھی مولوی ابو الحسن علی ندوی کا سکہ ندوہ پر چلتا ہے ان تمام حالات اور واقعات کی روشنی میں اگر علماء اہلسنت کے ندوہ کی پالیسیوں سے اختلاف پر نظر ڈالی جائے تو بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ علماء اہلسنت کی نگاہِ دور رس نے مستقبل میں ندوہ کے خدوخال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ اگر ندوہ کے مفاسد کو عام نہ کیا گیا تو عوام الناس کو مستقبل میں شدید دھوکہ اٹھانا پڑے گا۔ آج ندوۃ العلماء سے متعلق جتنی کتابیں اور مضامین شائع ہو رہے ہیں ان میں دانستہ اختلافی مسائل کو نہیں چھیڑا جاتا کیونکہ ندوہ کے ابتدائی اختلافی حالات اگر سامنے آئے تو عوام الناس کو انصاف کے مواقع میسر آجائیں گے۔ چنانچہ ندوہ سے شائع ہونے والی سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ حیات عبد الحیٔ۔ تاریخ ندوۃ العلماء حیات شبلی اور دیگر کتابوں میں ندوہ کے ابتدائی حالات و واقعات اور اختلافات پر گفتگو نہیں کی گئی ہے جس کی بناء پر اب تک تصویر کا صرف ایک ہی رخ سامنے آسکا ہے۔ علماء اہلسنت کی ندوہ کے قیام میں کوششوں اور اصلاح ندوہ کی تحریک کو بہر حال ندوہ کا تذکرہ کرتے ہوئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی کی ندوہ کے قیام میں شرکت اور بعد میں مفاسد ندوہ کو عام کرنے کی جدوجہد کو پورے ہندوستان میں بنظرِ استحسان دیکھا گیا خصوصاً فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان نے کئی مقامات پر محدث سورتی کی خدمات کا بہت توصیفی انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ حاشیہ المعتقد المنتقد میں فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ فاضل کامل، کوہ استقامت و کنز کرامت ہمارے دوست اور محبوب مولانا محمد وصی احمد حنفی محدث سورتی وطناً اور مقیم پیلی بھیت اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور وہ دین کی نصرت کرتے ہوئے اور بدعتیوں کا استحصال کرتے ہوئے باقی رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو حق پر پوری طرح قائم رکھے۔ ہمارے یہ دوست مولانا محمد علی مونگیری کے

شاگرد تھے۔ جو کہ ندوہ کے ناظم ہیں اور مولانا لطف اللہ کے بھی شاگرد تھے۔ جو کہ ندوہ کے صدر تھے مگر مولانا وصی احمد کے قدموں کو یہ لوگ لغزش نہ دے سکے۔ حالانکہ مولانا کی معاش ندوہ سے وابستہ تھی جس نے آپ کے ساتھ عداوت کی اور آپ کو نقصان پہنچایا۔ لیکن مولانا نے دین پر دنیا کو ترجیح نہیں دی اور میں نے اسی دن سے انہیں "الاسد الاسد الاشد الارشد" کا خطاب دیا اور وہ اس کے اہل ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں۔ [1]

۱۳۲۱ھ میں مدراس میں ندوہ کا اجلاس ہونا قرار پایا۔ اس موقع پر فاضل بریلوی کے خلیفہ و مرید الحاج منشی محمد لعل خان دیلوری مدراسی نے عوام الناس کو ندویوں کے عقائد باطلہ سے آگاہ کرنے کی مہم شروع کی۔ اس ضمن میں انہوں نے بڑے پیمانے پر پمفلٹ اور کتابچے شائع کرا کے عوام میں تقسیم کئے محدث سورتی کا نظر ثانی شدہ فتویٰ "اقمع الشواہد" بھی تقسیم کیا گیا جس کے نتیجے میں اجلاسِ ندوہ درہم برہم ہو گیا اور ندویوں کو خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کامیابی پر فاضل بریلوی نے الحاج منشی لعل خان کو مبارکباد دی۔ اور خط تحریر کیا جس میں آپ نے ندوہ کے سلسلے میں محدث سورتی کی خدمات کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ "الحمد للہ کہ اللہ عزوجل نے مدراس میں ندوہ مخذولہ پر آپ کو فتح نمایاں بخشی۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو حق کی طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں بے شمار نعمتیں اور اجرِ کثیر عطا فرمائے۔ اور آپ جیسے عالی ہمت خادم سنت ہادم بدعت اہلِ سنت میں بکثرت پیدا کرے۔ آمین۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین آمین۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ اور مولانا قاضی عبد الوحید صاحب اور مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی کی شان کا ایک ایک سنی بھی ہر شہر میں پیدا ہو جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اہلسنت کا طوطی بول جائے۔ [2]

---

[1] المعتقد المنتقد ص ۲۳۳، مولانا احمد رضا خاں مطبوعہ مکتبہ حامدیہ لاہور۔

[2] خزانۂ کرامت ص ۷ حکیم منشی محمد لعل خاں دیلوری مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۲ھ

ہندوستان میں ترک تقلید کی تحریک اور جامع الشواہد

نافع الخلق مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ سراج الامت حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد تھے غیر مقلدوں اور خصوصاً محمد بن عبد الوہاب نجدی کے عقائد و خیالات کا اتباع کرنے والوں کو وہ لائق تکفیر تصور کرتے تھے۔ دراصل یہ اُن کے والد مولانا محمد طیب سورتیؒ کی تعلیمات و تربیت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنی اولاد کو ایسے جامع انداز میں تقلید کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کیا کہ وہ غیر مقلدوں کو خارج از ملت تصور کرنے لگی۔ ۱۸۵۷ء سے قبل اور اس کے بعد ہندوستان میں عدم تقلید کی تحریک نے بہت زور پکڑ لیا تھا۔ خصوصاً سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کی نیم سیاسی اور نیم مذہبی تحریک جہاد نے اس فتنہ کو عام کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس گروہ نے جو خاص رسول اللہ ﷺ کے مکتبہ فکر سے اپنی نسبت کا دعویدار تھا۔ ایسی کتابیں تحریر کیں اور ایسے عقائد و نظریات کا پرچار کیا جو مسلمانوں کے مابین شدید فرقہ وارانہ اختلافات کا باعث بنے۔ سرزمین عرب میں جہاں سے اس فتنہ نے سر اٹھایا تھا غیر مقلدوں اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کا اتباع کرنے والوں کی سرکوبی کی جا چکی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور اُن کی جماعت سے علمائے حجاز اور عوام کو سخت تعصب و عناد تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ نے وہابی ہونے کو عملاً ایک بہت بڑا جرم قرار دے رکھا تھا۔ اور وہابیوں کی جماعت ایک باغیانہ جماعت سمجھی جاتی تھی۔[1]

اس کے برخلاف ہندوستان میں غیر مقلدوں کی تحریک روز بروز فروغ پا رہی تھی اور اس کی تائید و حمایت میں سینکڑوں کتابیں اور رسالے شائع ہو چکے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد شاہ اسحٰق سے وابستگی کا اظہار کرنے والے میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلدین کی جماعت کے امام قرار پائے۔ اور اُن کی نگرانی میں اس جماعت کے عقائد و نظریات کی اشاعت و تبلیغ کا کام جاری

۱؎۔ ابوالکلام آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی صفحہ ۱۰۴ مرتبہ مولوی عبد الرزاق ملیح آبادی مطبوعات چٹان لاہور ۱۹۶۴ء

تھا۔ میاں نذیر حسین کو ہندوستان میں برسرِ اقتدار انگریز حکمرانوں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ اس لئے غیر مقلدوں سے ٹکر لینا یا ان کا محاسبہ کرنا حکومتِ وقت کی مخالفت کے مترادف تھا۔ لیکن اس کے باوجود ۱۸۵۷ء سے قبل امام المتکلمین مولانا فضل حق خیرآبادیؒ سیف المسلول مولانا فضل رسول بدایونیؒ قاری عبد الرحمٰن پانی پتیؒ اور مولانا نقی علی خاںؒ نے اور ۱۸۵۷ء کے بعد مولانا ارشاد حسین رامپوریؒ، مولانا برکات احمد ٹونکیؒ، مولانا عبد القادر بدایونیؒ، مولانا لطف اللہ علیگڑھیؒ، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ اور دیگر علماء نے عدم تقلید کے فتنہ کی سرکوبی کے لئے کھل کر کام کیا۔ مولانا ارشاد حسین رامپوریؒ نے میاں نذیر حسین کے اعتقادات پر مشتمل کتاب معیار الحق کا رد انتصار الحق کے نام سے لکھا اور مولانا احمد حسن کانپوریؒ نے غیر مقلدوں کے عقائد کے رد میں ایک کتاب تنزیہ الرحمٰن تصنیف فرمائی۔ جس کی تقریظ و تصدیق میں مولانا لطف اللہ علیگڑھیؒ نے بھی غیر مقلدوں کے عقائد پر سخت تنقید کی۔

مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور مولانا خیر الدینؒ (والد بزرگوار مولانا ابوالکلام آزاد) ردِّ وہابیت میں بہت پیش پیش تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں علمائے مکہ نے والد مرحوم (مولانا خیر الدین) سے کہا کہ وہابی عقائد کی کتابیں اردو میں ہیں۔ جنہیں وہ سمجھ نہیں سکتے نیز محمد بن عبد الوہاب نجدی کے عقائد کا ردّ بھی کافی طور پر نہیں ہوا ہے۔ شیخ احمد دحلان نے اس بارے میں خاص طور پر زور دیا اور اس طرح والد مرحوم نے ایک کتاب نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی جو اُن کی تصانیف میں سب سے بڑی ہے اس کا نام "نجم ...... الرحمٰن الشیاطین" ہے۔[1] یہ کتاب دس جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ اور ہر جلد بہت ضخیم ہے۔ اس کتاب کی ترتیب اس طور پر ہے کہ ایک سو چودہ مسئلے مابہ النزاع منتخب کئے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد جزئی اختلافات کے استحضار کی وجہ سے ہو گئی ہے۔ ہر مسئلے کے لئے ایک باب قائم کیا ہے۔

۱؎۔ اصل کتاب میں بھی اس کتاب کا نام اسی طرح درج ہے اور مولوی عبد الرزاق نے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اصل مسودہ میں بھی کتاب کا نام اسی قدر لکھا ہوا ہے۔

اور اس میں پہلے قرآن سے پھر احادیث سے پھر اقوال علماء سے رد کا التزام کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ایک سو چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ایک جلد صرف مقدمہ میں ہے۔ اور چونکہ وہ ان مسائل کے متعلق نہیں اس لئے معلومات کے اعتبار سے بکار آمد ہے اس میں اصولی طور پر عقائد اہلسنت پر بحث کی گئی ہے۔ اور ہر طرح کے اختلافات کو ختم کر کے اپنے مسلک کو بہت شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ انتظام یہ کیا گیا تھا کہ کتاب کی تصنیف واشاعت ایک ساتھ ہو چنانچہ پہلی جلد جوں ہی تیار ہوئی چھپ گئی۔ اسی طرح دوسری جلد بھی، یہ دونوں جلدیں سرکاری پریس "مطبع میری" میں چھپی ہیں۔ لیکن چونکہ اس کے درمیان میں سفر درپیش آگیا اس لئے بقیہ جلدیں چھپ نہ سکیں۔ اس کے علاوہ ایک اور رسالہ بھی اسی مطبع میں شائع ہوا ہے جس میں والد مرحوم نے وہ ایک سو چودہ مسئلے بلا تردید کے اس طور پر درج کئے گئے ہیں کہ ایک کالم میں وہ ہیں اور دوسرے میں وہ عقائد ہیں جن کو وہ عقائد اہلسنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ شریف مکہ کی فرمائش اور مفتی حجاز شیخ احمد دحلان کے اصرار سے اس رسالہ کو مرتب کیا گیا ہے۔ [۱]

سرزمین عرب پر ردّ وہابیت کے زور و شور نے ہندوستان کے غیر مقلدوں میں بڑی بے چینی پیدا کر دی تھی چنانچہ وہ مسلسل اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ عدم تقلید کی تحریک کو مستحکم بنانے کے لئے کسی صورت مرکز المسلمین مکہ معظمہ کے ارباب اختیار سے تائید وحمایت حاصل کی جائے۔ مگر ان کو اپنی ہر کوشش میں منہ کی کھانی پڑی، ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان سے علماءِ وہابیہ کی ایک جماعت جو اکتیس افراد پر مشتمل تھی اپنے عقائد کی تائید حاصل کرنے مکہ معظمہ پہنچی۔ اس جماعت میں مولوی محمد الفاری، مفتی محمد مراد بنگالی، شیخ عبداللطیف، قاضی محمد سلیمان جونا گڑھی، اور کئی افراد شامل تھے۔ اس جماعت کے مکہ معظمہ پہنچنے پر مولانا خیر الدین نے جو ان دنوں مکہ میں ہی تھے۔ شدید احتجاج کیا اور شریف مکہ سے مطالبہ کیا کہ ان کے عقائد کی تحقیقات کریں چنانچہ شریف نے ایک مجلس مقرر کر دی۔ اور مولانا خیر الدین نے اس مجلس کے سامنے علماء کی

[۱] ابوالکلام کی کہانی صہ ۱۰۸

اس جماعت سے سترہ سوالات کئے۔ جن میں وجوب تقلید شخصی۔ استحباب قیام۔ زیارت قبور کے لئے سفر اور استمداد و توسل بالصالحین وغیرہ سے متعلق جوابات طلب کئے گئے تھے۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد "اس موقع پر بجز تین شخصوں کے اور سب نے تقیہ کیا۔ اور کسی نے بھی استقامت نہ دکھائی"۔ [۱] چنانچہ اکتیس افراد پر مشتمل اس جماعت کو خارج البلد کر دیا گیا۔ اور حجاز کی پولیس نے انہیں جدہ لا کر برٹش کونسل کے حوالہ کر دیا جہاں سے یہ لوگ جہاز میں بیٹھ کر بمبئی واپس آگئے۔ [۲]

سرزمین حجاز سے علماءِ وہابیہ کی جماعت کا اخراج بظاہر تو علماء اہلسنت کے نزدیک بڑا مستحسن تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان میں وہابیوں کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ مناظروں اور مباحثوں کی دعوت عام ہو گئی۔ فقہ کی عدم ضرورت پر اصرار کیا گیا۔ اور بعض متشدد افراد نے مقلدوں پر کفر کے فتوے لگائے جیسا کہ کتاب "اعتصام السنہ" مطبوعہ کانپور مصنفہ مولوی عبداللہ محمدی ساکن موالہ آباد میں درج ہے کہ چاروں ائمہ اربعہ کے پیروکار اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی مالکی شافعی حنبلی اور چشتی قادری نقشبندی و مجددی یہ سب لوگ کافر ہیں۔ [۳]

غیر مقلدوں کی ان فتنہ سامانیوں نے سوادِ اعظم میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا علماءِ اہلسنت نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس گروہ کے سربراہ میاں نذیر حسین کو انگریز حکمرانوں کی پوری طرح تائید وحمایت حاصل ہے۔ بلا خوف وخطر اور مصلحت سے بالاتر ہو کر اس فتنہ کی شدید مذمت کی جبکہ علماء کی ایک جماعت نے جو بعد میں دیوبندی مکتبہ فکر کی صورت میں ظاہر ہوئی عدم تقلید کے فتنہ کی تردید میں مجرمانہ خاموشی اختیار کی جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نہ صرف مسلمانوں میں فرقہ اہلحدیث کا اضافہ ہو گیا بلکہ قادیانیت اور پرویزی فتنہ انکار سنت کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں میاں نذیر حسین نے کمپنی کی حکومت کا ساتھ دیا تھا اور

[۱] ابوالکلام کی کہانی صہ ۱۰۶

[۲] یہ تمام تفصیلات بھی ابوالکلام کی کہانی سے اخذ کی گئی ہیں۔

[۳] اعتصام السنہ صہ ۸۰۷۔ مصنفہ مولوی عبداللہ محمدی، مطبوعہ کانپور۔

معاصر علماء کے مؤقف کی جو انگریزوں کے خلاف جہاد کر رہے تھے تائید نہیں کی تھی۔ میاں نذیر حسین کی سوانح عمری "الحیاۃ بعد المماۃ" میں مولوی فضل حسین بہاری نے لکھا ہے کہ میاں صاحب حکومت انگلشیہ کے بڑے وفادار تھے، زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے چند مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے نہ اُس پر دستخط کئے اور نہ مہر لگائی۔ وہ خود فرماتے تھے کہ "میاں وہ ہلڑ تھا بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بے چارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔ حشرات الارض کی طرح خانہ براندازوں نے تمام دہلی کو خراب، ویران، تباہ اور برباد کر دیا۔ شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے۔ ہم نے تو اس فتویٰ پر دستخط نہیں کیا۔ مہر کیا کرتے اور کیا لکھتے۔ مفتی صدر الدین خاں صاحب چکر میں آ گئے۔ بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے۔ مگر وہ باغیوں کے ہاتھ کٹھ پتلی ہو رہے تھے۔ کرتے تو کیا کرتے۔"[1]

میاں نذیر حسین نے جنگِ آزادی کے دوران جبکہ فرنگی سپاہی دہلی میں ہر گلی اور کوچہ کو پھانسی گھاٹ میں تبدیل کر چکے تھے۔ مجاہدوں کی یورشوں سے انگریزوں کو بچانے میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے مجاہدین کو جہاد سے باز رکھنے اور اُن میں مایوسی پھیلانے کی بھی ہر ممکن کوشش کی۔ جیسا کہ الحیاۃ بعد المماۃ" کے بعض واقعات سے ظاہر ہے۔ حتیٰ کہ میاں نذیر حسین کو کمپنی کی حکومت کا تحفظ اس قدر حاصل تھا کہ جس زمانے میں پورا شہر دہلی محصور اور قلعہ بند تھا تو وہ آزادانہ طور پر دہلی کے گلی کوچوں میں گشت کرتے رہتے تھے۔ "حیاۃ بعد المماۃ" میں درج ہے کہ "عین حالت غدر میں کہ جب ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا۔ میاں صاحب ایک زخمی میم مسز لیسنس کو رات کے وقت اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے پناہ دی۔ علاج کیا کھانا دیتے رہے۔ اُس وقت اگر ظالم باغیوں کو ذرا خبر بھی ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔ طرہ اُس پر یہ تھا کہ پنجابی کٹرہ والی مسجد کو تغلباً باغی دخل کئے ہوئے تھے اور اُسی سے ملا ہوا میاں صاحب کا زنانہ مکان تھا۔ اُس میں اس میم کو چھپائے رہے اور ساڑھے

[1] الحیٰوۃ بعد المماۃ۔ ص ۱۲۵ مولوی فضل حسین بہاری۔ مطبوعہ مکتبہ شعیب کراچی ۱۹۵۹ء

تین ماہ تک کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کتنے آدمی ہیں۔ تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن ہو گیا تب اُس میم کو جو اب تندرست ہو چکی تھی انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا جس کے صلہ میں میاں صاحب اور اُن کے اہل خانہ کو مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور انگریزی سرکار سے وفاداری کے سرٹیفکیٹس ملے۔[1]

ان تمام واقعات کی روشنی میں میاں نذیر حسین اور اُن کی جماعت کو انگریزوں کا مخالف کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جب سنہ ۱۳۰۰ھ بمطابق سنہ ۱۸۸۳ء میں میاں نذیر حسین نے سفر حج کا ارادہ کیا تو اُن کو خیال پیدا ہوا کہ شاید مخالفین مکہ میں کوئی رکاوٹ پیدا کریں چنانچہ انہوں نے اس ارادہ کا اظہار فرنگی حکمرانوں سے کیا۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد" مولانا نذیر حسین نے چونکہ غدر میں مسز لیسنس کی جان بچائی تھی۔ اس لئے حکام سے اُن کے تعلقات اچھے تھے۔ انہوں نے ڈپٹی کمشنر دہلی کے ذریعے سے فارن آفس (دفتر خارجہ) میں سلسلہ جنبانی کی اور جدہ میں برٹش کونسل کے نام ایک سفارشی چٹھی بھجوائی جس میں لکھا تھا کہ اُن کی حفاظت کی جائے اور جو ضرورت انہیں پیش آئے حتی الامکان اس میں پوری طرح مدد دی جائے۔"[2]

میاں نذیر حسین نے ۱۰ راگست سنہ ۱۸۸۳ء بمطابق ھر ذی قعد سنہ ۱۳۰۰ھ کو کمشنر دہلی مسٹر جے ڈی ٹریمیلیٹ اور مسز لیسنس کے شوہر سے بھی سفارشی خطوط حاصل کئے جن میں لکھا تھا کہ "مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں جنھوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ چاہیں گے وہ اُن کو مدد دے گا کیونکہ وہ کامل طور پر اس مدد کے مستحق ہیں۔"[3]

مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ہے کہ "ہندوستان میں اُس وقت چونکہ تقلید اور عدم تقلید کا فتنہ زوروں پر تھا اور مولانا نذیر حسین غیر مقلدین کے سب سے بڑے شیخ سمجھے جاتے تھے۔

[1] حیاۃ بعد المماۃ ص ۱۲۷ (مذکورہ سرٹیفکیٹس کی نقول بھی اسی کتاب میں شامل ہیں۔)
[2] ابوالکلام کی کہانی۔ ص ۱۱۹
[3] حیاۃ بعد المماۃ۔ ص ۱۴۰

اس لئے فوراً مکہ اطلاع دی گئی کہ جماعت وہابیہ کا سب سے بڑا سرغنہ آرہا ہے۔ اگر یہاں کوئی کارروائی نہ کی گئی تو اس بات کو وہابی حجاز میں اپنی فتح سے تعبیر کریں گے۔ اور عوام میں اس سے بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ مولانا نذیر حسین کی کتابوں اور فتاویٰ کے بعض مطالب کا عربی میں ترجمہ کرکے پیش کیا گیا۔ [1]

جامع الشواہد کی اشاعت۔

میاں نذیر حسین کی سفر حجاز پر روانگی سے قبل یعنی ذیقعد ۱۲۷۸ھ میں غیر مقلدوں اور مقلدوں کے درمیان شہر دہلی میں جو میاں نذیر حسین کا ہیڈ کوارٹر تھا شدید تنازعہ پیدا ہوگیا۔ نزاع کی یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ دیوانی اور فوجداری عدالت میں مقدمات دائر ہوگئے میاں نذیر حسین نے اس سلسلہ میں کمشنر دہلی سے مدد چاہی اور کمشنر نے فریقین کے بعض افراد کو اپنی کوٹھی پر طلب کرکے باہم ملاپ اور دفع فساد کرانا چاہا۔ چنانچہ ۲۸ ذیقعد ۱۲۹۸ھ کو ایک معاہدہ مابین فریقین ہوا۔ جس کی رو سے ایک دوسرے پر اعتراضات کا حق ختم کردیا گیا۔ اس معاہدہ پر فریقین میں موجود علماء، طلباء اور شہریوں کے دستخط موجود تھے۔ دہلی کے عوام اہلسنت نے اس معاہدہ کا مکمل احترام کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرلی۔ لیکن غیر مقلدوں نے اس معاہدے کو بڑی تعداد میں شائع کراکے پورے ہندوستان میں تقسیم کردیا گیا۔ اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ معاہدہ نہیں فتویٰ ہے۔ جو فریقین کے علماء نے مشترکہ دستخطوں سے جاری کیا ہے۔ [2]

غیر مقلدوں کی یہ حرکت سواد اعظم کے لئے بہت تکلیف کا باعث ہوئی۔ خصوصاً دہلی کے علماء اہلسنت نے اس کا سختی کے ساتھ نوٹس لیتے ہوئے ہندوستان کے علماء سے اپیل کی کہ وہ غیر مقلدوں کے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیں اور غیر مقلدوں کی مذہبی حیثیت مسلمانانِ

---

[1] ابوالکلام کی کہانی۔ ص ۱۲۰

[2] جامع الشواہد مرتبہ مولانا وصی احمد محدث سورتی مطبوعہ مطبع فیض محمدی لکھنؤ۔

ہند پر واضح کریں۔ علماء کی اس اپیل کا پورے ہندوستان میں خیر مقدم کیا گیا اور متعدد کتابیں و رسالے ردِ وہابیہ میں شائع ہوئے۔

تنازعہ دہلی سے پیدا ہونے والی کشیدگی ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی کہ میاں نذیر حسین کے ارادۂ حج نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ایک مرتبہ پھر علماء اہلسنت کمربستہ ہوگئے۔ ادھر مکہ مکرمہ سے مولانا خیر الدینؒ نے علماءِ ہند کے نام مکتوب ارسال کئے۔ کہ وہ میاں نذیر حسین کے عقائد کے سلسلے میں فتویٰ ارسال کریں تاکہ یہاں اُن کی مضبوط گرفت کی جاسکے۔ اس موقع پر مولانا وصی احمد محدث سورتی نے میاں نذیر حسین اور اُن کے تلامذہ کی عبارتوں سے ایک فتویٰ "جامع الشواهد فی اخراج الوهابیین عن المساجد" ترتیب دیا جس پر علماء دہلی، دیوبند، لدھیانہ، کانپور، فرنگی محل اور بمبئی کے دستخط و مواہیر ثبت تھے۔ یہ فتویٰ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے دارالافتاء سے جاری ہوکر مطبع فیض محمدی لکھنؤ سے شائع ہوا اور پورے ہندوستان میں تقسیم کیا گیا۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اس فتویٰ کی کچھ کاپیاں ہندوستان کے عازمین حج کے ساتھ حجاز بھی روانہ کیں۔ مولانا عبدالقادر بدایونیؒ خلف مولانا فضلِ رسول بدایونیؒ بھی اس سال حج بیت اللہ کی زیارت کو جارہے تھے چنانچہ مولانا وصی احمد نے ان کے ہاتھ جامع الشواہد مولانا خیر الدین، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو ارسال کی جو حجاز میں ردِ وہابیت کی تحریک میں پیش پیش تھے۔

غرض جب میاں نذیر حسین جب اپنی جماعت کے ہمراہ مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں صورتحال ہی مختلف تھی۔ مولانا خیر الدین حجاز کے حکام کو تمام حقائق سے آگاہ کرچکے تھے اس لئے مکہ میں میاں نذیر حسین اور اُن کی جماعت کی نگرانی شروع ہوگئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے میاں نذیر حسین کے ورودِ مکہ اور قیامِ حجاز کی بڑی جامع تفصیلات بیان کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اس زمانہ میں ہندوستان میں ایک فتویٰ "جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد" کے نام سے مرتب ہوا تھا۔ والد مرحوم (مولانا خیر الدین) نے مولانا نذیر حسین مرحوم کے عقائد

کی فہرست زیادہ تر اسی جامع الشواہد سے اخذ کی تھی۔ البتہ معیار الحق (میاں صاحب کی کتاب) سے تقلید شخصی کے عدم وجوب اور التزام و تعیّن تقلید شخصی کے مفاسد اور امام صاحب کی تابعیت سے تاریخی طور پر انکار اور تحدید دہ در دہ کی عدم صحت اور تحدید ظلّ مثلین کی عدم صحت اور بعض دیگر مسائل مختلف فیہ میں مذہب محدثین کی توثیق وغیرہ کا ترجمہ کیا گیا تھا اور یہ استدلال کیا گیا تھا کہ ان سے امام صاحب کی تحقیر و توہین مقصود ہے بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا نذیر حسین اور مولانا تلطف حسین عظیم آبادی معہ ایک اور رفیق کے گرفتار کر لئے گئے اور ایک نہایت ہی تنگ و تاریک محبس میں قید کر دیئے گئے۔ چند دن بعد شریف مکہ نے بلایا اور جب انہوں نے اپنی گرفتاری کی وجہ دریافت کی تو بتایا گیا کہ تمہیں وہابی عقائد رکھنے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ مکہ معظمہ اسلام کا اصل مرکز ہے اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ فاسد عقاید رکھنے والوں کا احتساب کریں تاکہ وہ گمراہ نہ کر سکیں۔ دوسرے دن شریف کے یہاں ایک مجلس منعقد ہوئی اور اس میں والد مرحوم (مولانا خیر الدین) سے کہا گیا کہ ان کے عقائد کی فہرست پیش کریں۔ فہرست میں سب سے پہلا الزام امام صاحب (امام ابو حنیفہ) کی توہین کا تھا اور باقی مذکورہ الزامات تھے۔ مولوی نذیر حسین کی طرف سے مولوی تلطف حسین تقریر کرتے تھے۔ انہوں نے کہا ہم پر یہ جو الزام ہے کہ ہم وہابی ہیں اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کی جماعت سے ہیں بالکل غلط ہے۔ ہم قرآن و حدیث کو مانتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ [1]

مختصراً مولانا خیر الدین نے شریف مکہ کی مجلس میں میاں نذیر حسین کے عقائد وہابیہ کی کھل کر تفصیلات پیش کیں اور میاں نذیر حسین اپنی اور اپنے شاگردوں کی تحریر کردہ باتوں سے کھلے بندوں سے منکر ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنی کتاب "معیار الحق" کے بعض مندرجات سے بھی برأت چاہی۔ بقول مولانا ابو الکلام آزاد "اس پر ثبوت میں جامع الشواہد پیش کی گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ مخالفین کی چیز ہے اور ہم اس کے ذمہ دار نہیں۔

[1] ابو الکلام کی کہانی صد ۱۲۱ تا صہ ۱۲۲

اس پر کسی پشاوری[1] کا ایک رسالہ پیش کیا گیا جو مولانا نذیر حسین کا شاگرد تھا۔ مگر انہوں نے اس سے بھی بے تعلقی کا اظہار کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نذیر حسین مرحوم مجمل و مختصر بیان دے کر معاملے کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ آخر انہوں نے اس بیان پر اکتفا کیا کہ ہمارا عقیدہ اہل سنّت و جماعت کا ہے۔ آئمہ اربعہ کو ہم مانتے ہیں۔ چاروں کو حق پر سمجھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کو اپنا پیشوا جانتے ہیں۔ اُن سے بغض کو خلاف شیوہ ایمان سمجھتے ہیں۔ اور کتب فقہ پر عمل کرنا جب تک قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو خود ہمارا شیوہ ہے۔[2]

مکہ معظمہ میں میاں نذیر حسین کی اس پر جان بخشی نہ ہوئی۔ بلکہ شریف مکہ کے یہاں تیسری پیشی پر انہوں نے اور اُن کے رفیق مولوی سلیمان ابن الحاج اسحٰق جونا گڑھی نے اپنے عقائد کے انکشاف پر شریف مکہ کے روبرو ایک توبہ نامہ تحریر کیا اور تحریراً حنفی العقیدہ ہونے کا اعلان کیا جب یہ اطلاعات ہندوستان پہنچیں تو ہر طرف اس فتنۂ عظیم کے استیصال پر خوشیاں منائی گئیں مگر مکر کے بندوں کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ ان افراد نے مکہ سے ہندوستان واپسی پر اپنی اس شکست کو مصلحت پر تعبیر کیا۔ اور از سر نو وہابیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں والیٔ حجاز نے اپنی توہین محسوس کی اور ان افراد کے توبہ نامے بڑی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کروا دیئے تاکہ عوام اہلسنت پر صحیح صورتحال واضح ہو سکے۔

۱۳۳۷ھ بمطابق سنہ ۱۹۱۹ء میں غیر مقلد مولوی ثناء اللہ امرتسری نے ہندوستان خصوصاً پنجاب میں آئمہ اربعہ کی تکفیر کرنے اور فتنہ انگیزی میں تمام غیر مقلدوں کو پس پشت

[1] مذکورہ پشاوری صاحب کا پورا نام اخوان صدیق پشاوری تھا۔ یہ میاں نذیر حسین کے شاگرد تھے۔ اور انہوں نے ایک رسالہ "نصر المومنین" میاں صاحب کے حسب حکم تحریر کیا تھا جس میں ختم نبوت پر بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ "خاتم النبیین" الف لام عہد خارجی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض کے خاتم ہیں۔ استغفر اللہ۔ میاں نذیر حسین نے پشاوری سے مکہ میں لاتعلقی ظاہر کی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ میاں صاحب کا عزیز شاگرد تھا اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں جب میاں صاحب انگریز میم کو اٹھا کر گھر لائے تھے تو یہ شخص اُن کے ساتھ تھا جیسا کہ الحیاۃ بعد المماۃ کے صفحہ ۱۲۸ پر میاں صاحب کے اپنے بیان سے ظاہر ہے۔ عالم دین ہونے کا دعویٰ کرنے والے ایک شخص کی گفتگو میں یہ تضاد بڑا تعجب خیز اور میاں صاحب کے کردار اور مسلک کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ (مرتب)

[2] ابو الکلام کی کہانی صہ ۱۲۲،

ڈال دیا چنانچہ امرتسر کے ہفت روزہ اخبار "الفقیہہ" نے اپنی ۵ر جولائی ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں یہ توبہ نامہ من وعن شائع کردیئے۔ اخبار لکھتا ہے کہ — "ناظرین باتمکین۔ یہ وہ توبہ نامہ ہے کہ مذہب وہابیہ کے امام مولوی نذیر حسین سورج گڑھی ثم الدہلوی مع جماعت وہابیہ ۱۳۰۰ھ میں جب حج کے واسطے مکہ معظمہ گئے اور والی حجاز کو ان کی لامذہبیت کی اطلاع ہوئی تو ان کو گرفتار کرا کے محکمہ علیہ میں طلب کیا تب مولوی نذیر حسین نے وہابیت سے توبہ کی اور بقلم خاص تحریر کیا کہ اب میں وہابیت سے تائب ہوا اور مذہب حنفی اختیار کیا۔ چنانچہ وہ توبہ نامہ حسب الحکم والی حجاز کے (مطبع میریہ واقع مکہ معظمہ) ۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ میں طبع ہو کر اطراف عالم میں پہنچا ہر ملک کے لوگ اس توبہ نامہ سے واقف ہیں۔ اصل توبہ نامہ مطبوعہ مکہ معظمہ حافظ عبد اللہ مرحوم (امام مسجد جامع بہار) کے مکان میں موجود ہے اور اس کی نقل عالم اہل اسلام کی یاد دہانی کے واسطے شائع کی جاتی ہے۔

نقل توبہ نامہ :-

بسم الله الرحمٰن الرحیم. نحمده ونصلی علی رسوله الکریم - اما بعد فان السید المولوی محمد نذیر حسین الدهلوی والحاج المولوی سلیمان ابن الحاج اسحاق الجوناگڈی من غیر المقلدین وصلا الی مکة المکرمة فلما ظهر حالهما احضرا فی المحکمة العلیة واستاما فتابا عن العقیدة الضالة الجدیدة والطریقة الخبیثة الوهابیة بین یدی حضرة المشیرة المفتخم والدستور المکرم والوزیر المعظم والی ولایة الحجاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد، مولوی سید نذیر حسین دہلوی اور مولوی الحاج سلیمان ابن الحاج اسحاق جوناگڑھی جو کہ سردار ہیں ایک گمراہ فرقہ غیر مقلدین وہابیہ کے۔ یہ دونوں اشخاص مکہ مکرمہ میں آئے جب انکی حقیقت کھلی تو ان دونوں کو محکمہ عالیہ میں طلب کیا گیا بازپرس ہوئی پس دونوں نے توبہ کی اس نئے گندے عقیدے اور طریقہ خبیثہ وہابیہ سے حجاز مقدس کے فرمانروا و والی سید عثمان نوری (ان کے اقبال

دوالتلو السید عثمان نوری لازالت شمش اجلاله من افق الاقبال بازغة وکتبا بقلمهما ما ترجمته هذا وکذلک تاب کل من کان عقیدکعقیدتهما من رفقائهما و ممن اقام بمکة المکرمة وذالک فی السادس والعشرین من ذی الحجة من عام سنة ۱۳۰۰ھ

کا سورج ہمیشہ ضوفگن رہے) کے دربار میں دونوں اشخاص نے اپنے قلم سے ایک توبہ نامہ لکھا جو درج ذیل ہے اور اس طرح تمام حاضرین میں سے جو لوگ اس عقیدہ کے حامل تھے اور جو ان کے ہم عقیدہ رفیق تھے اور مکہ میں مقیم تھے سب نے توبہ کی۔ ۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ

بسم الله الرحمٰن الرحیم، حامداً ومصلیا اما بعد فان العاجز السید محمد نذیر حسین متبع السنة والجماعة عقیدةً وعملاً وانا اعلم ان خلافهما من المذاهب کلها سوء سواء کان من الرافضیة والخارجیة والوهابیة وانی افتی موافقا للمذهب الحنفی وانا حنفی المذهب وتبت مما اخطاءت و صلی الله تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آله واصحابه اجمعین۔

الراقم السید محمد نذیر حسین بقلمه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً مصلیاً اما بعد، ناچیز سید محمد نذیر حسین متبع ہے سنت و جماعت کا از روئے عقیدہ و عمل کے مجھے معلوم ہے کہ مسلک اہلسنت کے علاوہ ہر مذہب برا ہے۔ خواہ رافضیہ کا ہو خواہ خارجیہ کا یا وہابیہ کا اور میں مذہب حنفی پر فتویٰ دیتا ہوں اور حنفی ہوں اور جو مجھ سے لغزشیں ہوئی ہیں ان سے توبہ کرتا ہوں صلوٰۃ وسلام نازل ہوں ہمارے آقا و سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر صحابہ پر اور سب پر۔

الراقم السید محمد نذیر حسین بقلم خود

بنیادی طور پر جامع الشواہد کی ترتیب و اشاعت کا مقصد سرزمین حجاز پر میاں نذیر حسین کے عقائد کی گرفت تھا لیکن بعد میں یہ فتویٰ غیر مقلدوں کے رد میں ایک جامع دستاویز کی شکل اختیار کر گیا۔ اور تقریباً نصف صدی تک اس فتویٰ کی گونج ہندوستان میں سنائی دیتی رہی —

غیر مقلدوں کے رد میں لکھی جانے والی بیشتر کتابوں میں علماء نے اس فتویٰ کو اپنا ماخذ بنایا اور بیشتر کتابوں میں بطور ضمیمہ بھی اسے شامل کیا گیا۔ ہر چند اس فتویٰ پر مختلف بلاد و امصار کے علماء کی مواہیر ثبت ہیں اور اس فتویٰ کی عبارتوں کی تصدیق موجود ہے لیکن اس کے باوجود غیر مقلد ہمیشہ اس کی صحت سے انکار کرتے رہے۔ چنانچہ غیر مقلد مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے اپنے پرچے اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ششم بابت ماہ رجب ۱۳۰۰ھ میں ایک اشتہار دیا جس کی عبارت یہ تھی کہ جو شخص اُن اعتقادات اور عملیات کو جو کہ فرقہ غیر مقلدین کی طرف ایک پرچہ جامع الشواہد مطبوعہ فیض محمدی لکھنؤ میں منسوب کر دیئے گئے ہیں اُن کی کتب معتبرہ سے ثابت کر دے تو ہزار روپے نقد پائے۔[1] مولانا عبد العلی آسی مدراسی نے اپنے رسالہ تنبیہ الوہابیین میں اس اشتہار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غیر مقلدوں نے عوام مقلدین حنفیہ کو بہکانے اور شک میں ڈالنے کے واسطے یہ ایک نیا طریقہ نکالا تاکہ وہ عوام پر یہ تاثر دے سکیں کہ جو کچھ ہمارے بارے میں تحریر کیا جا رہا ہے وہ سب غلط اور بے بنیاد ہے جبکہ فتویٰ جامع الشواہد میں مفتی لبیب نے پہلے ہی سے بایں خیال کہ کسی منکر کو ان عقائد و اعمال کے مان لینے میں گنجائش انکار کی نہ ہو ہر ایک عبارت کو بحوالہ مہندسہ صفحہ کتاب مع تصریح نام مطبع و مصنف کتاب کے صاف صاف لکھدیا اور اُن ہی غیر مقلدین کی چھپی ہوئی تحریر سے اُن کے عقائد فاسدہ اور اعمال کاسدہ کو بخوبی ثابت کر دیا ہے پھر اب اُن مسائل کے طلب ثبوت میں اشتہار دینا کس قدر تجاہل اور فریب دہی عوام ہے۔ اور کتنی بڑی دھوکے بازی کا یہ کام ہے۔[2]

اسی زمانہ میں مولوی رشید احمد گنگوہی سے ایک شخص نے سوال کیا کہ زید اپنے آپ کو حنفی بتاتا ہے اور وہ مولوی نذیر حسین کا مداح ہے اور یوں کہتا ہے کہ جامع الشواہد میں جو عقائد غیر مقلدین کے درج ہیں وہ غلط ہیں۔ صاحب جامع الشواہد نے غیر مقلدوں پر تہمت کی ہے ؟

مولوی رشید احمد گنگوہی نے جواب دیا کہ "غیب کی بات کو اللہ جانتا ہے مگر اصل حال

[1] مولانا عبد العلی آسی مدراسی ص ۲۲۳ ۔ تنبیہ الوہابیین ضمیمہ ختم المبین مطبوعہ آسی لکھنؤ ۱۳۰۸ھ
[2] مولانا عبد العلی آسی مدراسی ص ۲۲۳ تنبیہ الوہابیین ضمیمہ ختم المبین مطبوعہ آسی لکھنؤ ۱۳۰۸ھ

ہے کہ اس زمانہ میں غیر مقلد تقیہ کر کے اپنے آپ کو حنفی کہہ دیتے ہیں اور واقعہ میں حنفیہ کو مشرک بتلاتے ہیں۔ خود مولوی نذیر حسین نے مکہ معظمہ میں غیر مقلد ہونے سے تبری اور حلف کیا اور حنفی اپنے آپ کو بتلایا اور ہندوستان میں وہ ہر روز تخت غیر مقلد تھے اور اب بھی وہ ایسے ہی ہیں۔ سو امام کا جب یہ حال تو ان کے مقتدی کیسے کچھ ہوں گے۔ اور مولوی نذیر حسین کا حنفیوں کو بدتر از ہنود کہنا معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے اور خود مخلص ان کے شاگرد اُن کے تقلید شخصی کو شرک بتلاتے ہیں۔ تو یہ شخص مداح اُن کا کس طرح حنفی ہو سکتا ہے۔ یہ دعویٰ اُس کا قابلِ قبول نہیں بظاہر حال اور جامع الشواہد سے لاریب دوسرے غیر مقلدین بھی تبری کہتے ہیں مگر جس جس رسائل سے صاحب جامع الشواہد نے عبارتیں نقل کی ہیں اُن میں ہرگز تحریف نہیں چند موقع سے بندہ نے بھی اس کا مطالعہ کر دیکھا ہے اور یہ عقائد بعض غیر مقلدین کے بعض معتبروں کی زبانی دریافت ہوئے۔ اور وہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔[1]

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان سے بھی ۱۰ شوال ۱۳۰۵ھ میں مولانا محمد فضل الرحمٰن امام جامع مسجد صدر بازار فیروزپور پنجاب نے غیر مقلدوں کے سلسلہ میں ایک مسئلہ دریافت کیا جس کا جواب فاضل بریلوی نے "النہی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید" کے تاریخی نام کے ساتھ ایک رسالہ کی شکل میں دیا۔ اس جواب کی دلیل سوئم میں فاضل بریلوی نے جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد کو ماخذ بنایا ہے اور لکھا ہے کہ مجتبیٰ مولوی وصی احمد صاحب سورتی سلمہ اللہ تعالیٰ نے عقائد غیر مقلدین نقل کر کے اُن کے بعض عملیات بھی جامع الشواہد میں تلخیص کئے ہیں یہاں اُس کے چند کلمات بطور التقاط لکھنا کافی سمجھتا ہوں۔[2]

جامع الشواہد مختلف بلاد و امصار سے مختلف اوقات میں متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ بعد تحقیق اس کی اشاعت کے سلسلہ میں جو معلومات فراہم ہوئی ہیں اُن کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ مطبع فیض محمدی لکھنؤ ۱۲۹۸ھ تعداد اشاعت دس ہزار

۲۔ مطبع نظامی کانپور ۱۳۰۰ھ تعداد اشاعت دو ہزار

[1] محمد عاشق الٰہی میرٹھی ص ۱۲۸ ۔ تذکرۃ الرشید حصہ اول مطبوعہ مکتبہ عاشقیہ قیصر گنج روڈ میرٹھ
[2] فتاویٰ رضویہ ص ۳۰ جلد سوئم مولفہ فاضل بریلوی مطبوعہ سنی دار الاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ ۱۹۶۱ء

۳۔ مطبع گلزار محمدی لاہور سنہ ۱۳۰۳ھ تعداد اشاعت پانچ ہزار

۴۔ فیض بخش ورفاہ پریس لاہور سنہ ۱۳۰۸ھ تعداد اشاعت ایک ہزار

۵۔ مطبع کریمی لاہور سنہ ۱۳۵۲ھ تعداد اشاعت ایک ہزار

۶۔ مکتبہ نبویہ لاہور سنہ ۱۹۵۸ء تعداد اشاعت ایک ہزار

۷۔ مکتبہ اہلسنت پیلی بھیت سنہ ۱۳۹۲ھ تعداد اشاعت ایک ہزار

۸۔ مطبع ریاض آگرہ (سنِ اشاعت و تعداد نامعلوم)

اس کے علاوہ جن کتابوں میں جامع الشواہد کو بطور ضمیمہ پیش کیا گیا اُن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ فتح المبین مؤلفہ مولانا منصور علی خان مطبع دار العلم والعمل فرنگی محل لکھنؤ سنہ ۱۳۰۱ھ

۲۔ تنبیہ الوہابیین مؤلفہ مولانا عبد العلی آسی مدراسی مطبوعہ مطبع آسی لکھنؤ سنہ ۱۳۰۸ھ

۳۔ نصر المقلدین مؤلفہ حافظ احمد علی بٹالوی مطبوعہ مطبع آسی مدراسی لکھنؤ سنہ ۱۳۲۰ھ

۴۔ اخراج المنافقین مؤلفہ مولانا نبی بخش حلوائی مطبع کریمی لاہور سنہ ۱۳۵۲ھ

جامع الشواہد کو اکثر علماء نے ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے ایسی کتب کی فہرست طویل ہے چنانچہ تفصیل سے گریز کرتے ہوئے یہاں جامع الشواہد کا اصل متن شائع کیا جارہا ہے جو مولانا عبد العلی مدراسی کے رسالہ تنبیہ الوہابیین کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہوا تھا۔ اور اس میں تمام بلاد و امصار کے علماء کرام کی مواہیر تصدیقات و تقریظات بھی شامل ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جس طرح ابو الکلام آزاد نے میر غلامت اللہ بے خبر بلگرامی کے رسالہ "غبار خاطر" کا نام اپنے مجموعہ مکاتیب کے لئے مستعار لیا ہے اسی طرح انہوں نے حضرت محدث سورتی کے رسالہ "جامع الشواہد" کا نام بھی سوامی شردھانند کو جامع مسجد دہلی میں لے جانے اور منبر رسول پر بٹھا کر تقریر کروانے کی حمایت میں اپنے تصنیف کردہ ایک رسالہ کیلئے مستعار لیا اور اس کا نام جامع الشواہد لدخول غیر المسلم فی المساجد رکھا ——— (خواجہ رضی حیدر)

ایک غلط بیانی کا ازالہ

مقامی تذکرہ نویس جناب ایوب قادری نے اپنی کتاب "جنگِ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء" میں تحریک مجاہدین پر ایک نظر ڈالتے ہوئے جس کے سرگروہ سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی تھے اور جنہوں نے انگریزوں کے خلاف مسلمانانِ ہند کی بڑھتی ہوئی نفرت کا رخ سکھوں کی طرف پھیرنے کی ناکام سعی کی تھی۔ اس تحریک کا تاریخی پس منظر، معاصر واقعات اور ہندوستان میں وہابی تحریک کے ساتھ ہونے والی مبینہ زیادتیوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ محمد ایوب قادری نے اس ضمن میں یکطرفہ فیصلہ دیتے ہوئے معاصر اور غیر معاصر کی تمیز بھی اٹھادی اور بیک قلم اُن تمام کتابوں کا تحریک مجاہدین کے ضمن میں تذکرہ کردیا جو تحریک مجاہدین کی ناکامی کے پچاس یا ساٹھ سال بعد ضبط تحریر میں آئی تھیں۔ اس وقت تک وہابی عناصر مختلف چولے بدل چکے تھے۔ اور صرف فرقہ اہلحدیث سے وہابی مراد لی جاتی تھی جیسا کہ بعد میں ایک وہابی مولوی محمد حسین بٹالوی نے حکومت برطانیہ کی باقاعدہ وفاداری کا اعلان کیا اور سرکاری تحریرات میں وہابی کے بجائے اہلِ حدیث لکھے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کرائے۔ ایسی صورت میں حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش اور وہ بھی اُن افراد کی جانب سے جو تاریخی شعور کو اپنی جاگیر تصور کرتے ہیں۔ تاریخ کے ساتھ صریح ناانصافی ہے۔

محمد ایوب قادری نے اپنی کتاب میں "بعض علماء کا کردار" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ ——— "بہت سے علماء نے مذہبی خدمات سمجھ کر وہابیوں کی مخالفت کی۔ حکومت نے ایسے علماء کی سرگرمیوں کو بہ نظر استحسان دیکھا اور اُن علماء کو بالواسطہ ان خدمات کا معاوضہ دیا۔ وہابیوں کو نماز پڑھنے سے روکا گیا۔ مقدمات قائم کرکے اُن کے قبضے سے مسجدیں نکالی گئیں۔ مولوی وصی احمد سورتی ثم پیلی بھیتی (ف سنہ ۱۳۳۴ھ) نے ایک فتویٰ "جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد" مرتب کیا۔

گم نام سے گمنام مولوی نے اس پر دستخط کئے۔ اس فتوے کی خوب تشہیر ہوئی۔[1]

حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کے رسالہ "جامع الشواہد" کو تحریک جہاد کے ضمن میں پیش کرنے کی یہ کوشش تاریخی شواہد کی روشنی میں بے جوڑ اضافہ معلوم ہوتی ہے۔ جو سراسر بدنیتی پر مبنی ہے۔ جناب ایوب قادری جیسے زود رقم تذکرہ نویس کی جامع الشواہد کے تاریخی پس منظر سے لاعلمی بڑی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے انہوں نے اپنے کرم فرماؤں کی مزید خوشنودی کے لئے حوالوں کے اجتماع کی کثرت ضروری سمجھی ہو اور اس افراتفری میں وہ یہ بھول گئے ہوں کہ جامع الشواہد کا سنِ اشاعت و ترتیب ۱۲۹۸ھ ہے جبکہ تحریک جہاد تقریباً نصف صدی قبل کا قصہ ہے۔ جہاں تک جامع الشواہد پر گمنام سے گمنام مولویوں کے دستخط کی بات ہے تو میں صرف اتنا بتادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس فتویٰ پر قاری عبد الرحمٰن پانی پتی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمود الحسن، مولوی یعقوب نانوتوی، مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد عادل کانپوری، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا محمد مہدی فرنگی محلی کے نام دستخط کرنیوالوں میں قابلِ ذکر ہیں۔ جو اُس زمانے میں نہ صرف ہندوستان گیر شہرت کے حامل تھے بلکہ مختلف مدارس میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ یہاں ایک بات اور قابل ذکر یہ ہے کہ "جامع الشواہد" کا مقصد میاں نذیر حسین دہلوی کے عقائد کو الم نشرح کرنا تھا جیسا کہ جامع الشواہد کی اشاعت کے باب میں درج کیا جاچکا ہے اور میاں نذیر حسین کو کمشنر دہلی و انگریزوں کی مکمل تائید حاصل تھی اس لئے "جامع الشواہد" پر یقیناً اُن علماء نے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت ہند سے وابستہ تھے۔ وقتی مصلحتوں کے پیش نظر دستخط یا تصدیق سے گریز کیا ہوگا۔ کیونکہ جامع الشواہد کی ترتیب و اشاعت اُس وقت انگریزوں سے دشمنی مول

---

[1] محمد ایوب قادری ص ۶۲ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء مطبوعہ کراچی جون ۱۹۷۶ء واضح رہے کہ انہیں الفاظ و خیالات پر مبنی ایک اور عبارت ایوب قادری نے سید احمد بریلوی پر جعفر تھانیسری کی کتاب کے مقدمہ میں درج کی ہے جو ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس غلط فہمی کو بار بار ضبطِ تحریر میں لاکر اسے تاریخ کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔ ایک تذکرہ نویس کو اس قسم کی بہینہ تحریری بدعنوانیوں سے گریز کرنا چاہیئے۔ تاکہ مستقبل کا مورخ اُس کے بارے میں صالح رائے قائم کرسکے۔

لینے کے مترادف تھی۔ اسی طرح جناب ایوب قادری کا یہ بیان بھی بے بنیاد ہے کہ "وہابیوں کی مخالفت کرنے والے علماء کی سرگرمیوں کو حکومت بہ نظر استحسان دیکھتی تھی اور اُن کو ان خدمات کا بلاواسطہ یا بالواسطہ معاوضہ ادا کرتی تھی"۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو لوگ حکومت برطانیہ کی باقاعدہ وفاداری کا اعلان کرتے ہوں اور حج پر روانگی کے لئے بھی اپنے مجازی خداؤں کی سفارشی چٹھیوں کو ضروری سمجھتے ہوں اُن کے خلاف کام کرنے والے علماء کی سرگرمیوں کو حکومت کس طرح بہ نظر استحسان دیکھتی ہوگی۔ یوں بھی انگریز نے برصغیر میں اپنے قدم تادیر جمائے رکھنے کے لئے اپنے حاشیہ برداروں کا پوری طرح تحفظ کیا اور ان کو مالی فائدے پہنچائے۔ مصلحت بھی اسی میں تھی کہ وفاداروں کے حلقوں کو کشادہ کیا جائے تاکہ اُن کے مخالفوں کی سرپرستی کی جائے۔

جامع الشواہد کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

(۱) علماے اہل سنت وجماعت اس مسئلے مین کیا فرماتے ہین کہ یہ گروہ وہابیین یعنی فرقۂ غیر مقلدین بیانت کذائی داخل ہے اہل سنت وجماعت مین یا خارج ہے انسے مثل دیگر فرقِ ضالہ کے (۲) اور ہم مقلدون کو اُنکے ساتھ مخالطت اور مجالست کرنا اور اُنکو اپنے مساجد مین باوجود خوف فتنہ وفساد کے آنے دینا درست ہے یا نہین (۳) اور اُنکے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے بَیِّنُوْا بِالتَّفْصِیْلِ تُوْجَرُوْا بِالْاَجْرِ الْجَزِیْلِ

جوابِ سوالِ اول

وہابیہ غیر مقلدین (کہ قطع نظر عقائد کے جنکی علامات ظاہری اس ملک مین بحیثیت مجموعی باعتبار افرادی ائمۂ اربعہ مین سے کسی کی تقلید نکرنا اور فقہ کو مخالف حدیث کے کہنا اور مقلدون کا نام مشرک اور بدعتی رکھنا اور اپنے تئین موحد اور محمدی ظاہر کرنا اور تقلید سے چڑھنا اور نفس انعقاد مجلس میلاد خیر العباد اور فاتحہ خوانی وعرس اولیاء اللہ کو شرک وبدعت کہنا اور بغیر کسی امام کی تقلید کے نماز مین آمین پکار کے کہنا اور وقت رکوع اور قومی کے رفع یدین کرنا اور نماز مین ناف سے اوپر بلکہ سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا اور جو ایسا نکرے اُسکو بُرا کہنا) مثل دیگر فرقِ ضالہ رافضی وخارجی وغیرہما کے اہل سنت وجماعت سے خارج ہین کیونکہ اُنکے بہت سے عقائد اور مسائل مخالف اہل سنت وجماعت کے ہین چنانچہ بموجب تحریر انھین کی کتابون کے چند عقائد اور مسائل بقید نام کتاب وہندسۂ صفحہ کے بطور نمونہ بیان کیے جاتے ہین تاکہ پھر کسی منکر کو اُنکے ثبوت مین گنجایش انکار اور شبہے کی باقی نہ رہے

پہلے انکے عقائد سنیے

اوّل یہ کہ خداے پاک کا جھوٹ بولنا ممکن کہتے ہین چنانچہ صفحہ ۵ کتاب صیانۃ الایمان مطبوعۂ مرادآباد تصنیف مولوی شمس الحق شاگرد مولوی نذیر حسین مین مندرج ہے دوم انبیا علیہم السلام سے احکام دینی مین بھول چوک کے قائل ہین جیسا کہ مولوی حسین خان صفحہ ۱۲ کتاب رد تقلید بکتاب المجید مطبوعۂ مطبع فاروقی دہلی مین اس مضمون کا اقرار کرتے ہین اور طرہ یہ کہ اسکی صحت پر مولوی نذیر حسین شریف حسین وغیرہما اکابر غیر مقلدین کی مہرین بھی ثبت ہین حالانکہ انبیا علیہم السلام تبلیغ احکام مین بالاتفاق معصوم ہین سوم یہ کہ آنحضرت کے خاتم النبیین ہونے سے انکار کرتے ہین چنانچہ یہ مضمون صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳ نصر المومنین مصنفۂ اخوند صدیق پشاوری شاگرد

رشید مولوی نذیر حسین سے ظاہر ہے کہ انھون نے خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ کے الف لام کو عہد خارجی کا لکھا ہے جسکے معنی یہ ہین کہ بعض کے خاتم ہین نہ سب کے حالانکہ آپ کل انبیا کے خاتم اور نبی آخر الزمان ہین کہ بعد آپ کے کوئی نبی نہوگا چہارم کہتے ہین کہ حدیث آحاد سے یعنی سواے حدیث متواتر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ثابت نہین ہوتا جسکا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت سے سوای ایک دو معجزون کے زیادہ صادر نہوے کیونکہ سواے قرآن کے اور معجزات حدیث متواتر سے ثابت نہین ہوتے چنانچہ یہ مضمون کتاب دلیل محکم مطبوعۂ دہلی تصنیف مولوی نذیر حسین سے ظاہر ہے پنجم اجماع کل امت کا جسکی سند ہمکو معلوم نہو حجت شرعی نہین ہے جیسا کہ صفحہ ۱۳۱ کتاب معیار الحق مطبوعۂ لاہور مصنفۂ مولوی نذیر حسین مین وصفحہ ۱۴۴ کتاب اعتصام السنہ مطبوعۂ کانپور تصنیف مولوی حبیب اللہ محمدی معروف بجاؤ ساکن مئو مین موجود ہے ششم مجتہد کا قیاس شریعت مین قابل اعتبار کے نہین ہے چنانچہ اُسی کتاب معیار الحق کے صفحہ ۹۱ مین اور اعتصام السنہ کے صفحہ ۲۶ مین مرقوم ہے ہفتم کتاب دراسات اللبیب مطبوعۂ لاہور مصنفۂ ملا معین کے صفحہ ۲۱۹ مین لکھا ہے کہ حضرت امام مہدی کے زمانے مین رجعت ہوگی یعنی جو لوگ اُنکی صحبت مین بدون ملاقات کے مرگئے ہین اور نہ پایا اُنھون نے زمانۂ امام کو تو بحکم خداے تعالی قبرون سے قبل قیامت کے زندہ ہوکر اُنسے مستفید ہونگے چنانچہ اصل عبارت عربی اُس کتاب کی یہ ہے مَنْ مَاتَ عَلَی الْحُبِّ الصَّادِقِ لِلْاِمَامِ الْمَهْدِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَلَمْ یُدْرِكْهُ اَوَانَهُ اَذِنَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَنْ یُحْیِیَهُ فَیَفُوْزُ فَوْزًا عَظِیْمًا فِیْ حُضُوْرِهٖ وَهٰذِهٖ رَجْعَتُهٗ فِیْ حَقِّهٖ حالانکہ مسئلہ رجعت کا نزدیک اہل سنت وجماعت کے مردود ہے چنانچہ امام نووی شارح مسلم لکھتے ہین کہ رجعت باطل ہے اور معتقد اسکے رافضی ہین پس معلوم ہوا کہ یہ طریقہ روافض کا ہے نہ اہل سنت کا ہشتم کہتے ہین کہ بارہ امام اور حضرت فاطمہ زہرا معصوم ہین یعنی اُنسے خطا کا ہونا محال ہے اور حضرت ابوبکر صدیق اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کہ مخالف ہوے حضرت علی کی بیعت خلافت مین اور حضرت فاطمہ کے ارث دینے مین وہ سب کے سب خطاوار ہین اور نیز یہ کہتے ہین کہ عصمت آنحضرت کی عقلی ہے اور عصمت امام مہدی کی نقلی چنانچہ یہ مضمون اُسی کتاب دراسات کے صفحہ ۲۱۲ مین مرقوم ہے حالانکہ یہ عقیدہ بھی خاص رافضیون کا ہے کہ بارہ امام اور چودہ معصوم اُنکے یہان مقرر ہین اور ہمارے یہان تو سواے پیغمبرون کے کوئی دوسرا معصوم نہین جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ کے باب دہم مین لکھتے ہین۔ مذہب اہل سنت نیست کہ کسی را غیر نبی معصوم دانند انتہی نہم اسی کتاب دراسات مین حدیث اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ کو بمقابلہ عصمت اہل بیت کے موضوع قرار دیا ہے اور حدیث اِقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ سے جواز اقتداے شیخین کا

قائل ہوا ہو اور وجوب و استحباب کو بالکل اُڑا دیا چنانچہ عبارت عربی اُسکی یہ ہو وَالْحَدِيثَانِ الْأَوَّلُ مَوْضُوعٌ وَإِلَّا لَكَانَ قَوْلُهُ اقْتَدَيْتُمْ فِيهِ خِلَافَةٌ مِمَّا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ خَطَائِهِمْ وَالثَّانِي مِنْهُ جَوَازُ الْإِقْتِدَاءِ بِهِمَا وَهُوَ لَا يَقْتَضِي عَدَمَ خَطَائِهِمَا باوجودیکہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے اپنی کتاب سیف المسلول مین حدیث اصحابی کی نسبت لکھا ہو کہ مَشْهُورٌ وَقَدْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِأَسَانِيدَ مُتَنَوِّعَةٍ يَرْتَقِي بِهَا إِلَى دَرَجَةِ الْحَسَنِ دوسری حدیث اس تقریر پر ہو کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے مین نہین جانتا کہ زندگی میری کتنی ہو پس اقتدا کرو تم ابو بکر اور عمرؓ کی چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۳ مین نقل مع حوالہ استاذنا محمد عبد العلی صاحب نے اسی اس حدیث کی پوری تخریج اسناد لکھی ہی اور توثیق رواۃ کردی ہو تم حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عثمانؓ و زبیرؓ کے ساتھ اور حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے ساتھ معاذ اللہ عداوت اور کینہ رکھتے تھے چنانچہ صفحہ ۷۹ کتاب اعتصام السنۃ مذکور مین مسطور ہو بازدہم چارون اماموں کے مقلد اور چارون طریقوں کے متبع یعنی حنفی شافعی مالکی حنبلی اور چشتیہ و قادریہ و نقشبندیہ و مجددیہ وغیرہ سب لوگ مشرک اور کافر ہین چنانچہ اُسی کتاب اعتصام السنۃ کے صفحہ ۷۰ مین لکھا ہو اور مولوی محمد یسین نے رسالہ اشعار الحق جواب رسالہ تنویر الحق مین سب مقلدون کو اخوان یزید اور رافضی پلید و شیطان و کافر لکھا ہو اور اسی طرح مولوی محی الدین نومسلم کتب فروش لاہوری نے بھی کتاب ظفر المبین مطبوعہ لاہور مورخہ رمضان ۱۳۰۳ ہجری کے صفحہ ۱۸۹ و ۲۲۰ و ۲۲۲ مین تقلید کو شرک اور حرام اور مقلدین حنفیہ کو مشرک اور کافر لکھا ہو اور چارون اماموں کے مقلدون کو ضلالت اور بدعت قرار دیا ہی جسکا بھی جا بجا ذکر ہو چکا ہی اسی طرح نواب صدیق حسن خان نے فقہ کو جعلسازی و مکاری اور فقہاء و مقلدین کو مشرک و بدعتی و دغا باز لکھا ہی چنانچہ صفحہ ۲ و ۳۴۳ ترجمان وہابیہ مطبوعہ مفید عام آگرہ مین یہ عبارت موجود ہو کہ سرچشمہ سارے جھوٹے حیلون اور مکرون کا اور کان تمام فریبون اور دغا بازیون کی علم فقہ و راے ہو اور حاصل ان سب خرابیون کا فقہا اور مقلدین کی بول چال ہو اور ساری خرابی ڈالی ہوئی ان ملاؤن کی ہو جو دام تقلید مین گرفتار ہین اور نشۂ شرک و بدعت مین سرشار اور تمام عالم کا فساد اور ساری خرابیون کی بنیاد گروہ مقلدین سے ہو اور اسی کتاب کے صفحہ ۹۲ مین لکھا ہو کہ کثرت نوافل نماز و وظائف اور صدقات طعام وغیرہ واسطے ثواب رسانی اموات کے موافق طریقہ ہنود کے ہو انتہی اور نیز نواب صاحب نے ضبب الذریعہ الی تعدیہ علوم الشریعہ مطبوع مفید عام آگرہ ۱۳۰۳ کے صفحہ ۵۵ مین لکھا ہو کہ علم شرعی عبارت ہو تفسیر و حدیث و فقہ سنت و فرائض سے رہی فقہ مصطلح سو یہ علوم دنیا سے ہو نہ علوم آخرت سے انتہی بلفظہ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ فقہا اور فقہ سے اس شخص کو کسقدر تعصب ہو کہ فقہ مصطلح کو کہ عبارت ہو حرام و حلال کے مسائل کو کتاب و سنت و اجماع و قیاس سے استنباط کرنا اور کتب فقہ سے بلحاظ ما لہ و ما علیہ کے فتوی دینا علوم دنیاوی سے شمار کیا یہ مقام عبرت ہو اور

کتنی بڑی جرأت ہو کہ جب انھون نے علماے مقلدین اور اولیای کاملین کو بے دھڑک مشرک اور کافر لکھدیا تو اب انکے کفر و الحاد مین کیا شک باقی رہگیا افسوس صد افسوس اِن ناعاقبت اندیشون اور بیخبرون کو اتنی بھی خبر نہین کہ ہماری اس بیہودہ تقریر اور ناشایستہ تحریر سے خود ہمارے امام المحدثین اور مقتداے عالمین حضرت امام بخاری علیہ رحمۃ الباری بھی معاذ اللہ کافر و مشرک ہوے جاتے ہین بدین وجہ کہ وہ بھی مقلد ہین امام شافعی رحمۃ اللہ کے اور داخل ہین زمرۂ مقلدین شافعیہ مین جیسا کہ زبدۃ المحدثین عمدۃ المفسرین عارف باللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنی کتاب الانصاف فی بیان سبب الاختلاف مین لکھا ہو وَمِنْ هَذَا الْقَبِيلِ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ فَإِنَّهُ مَعْدُودٌ فِي طَبَقَاتِ الشَّافِعِيَّةِ وَمِمَّنْ ذَكَرَهُ فِي طَبَقَاتِ الشَّافِعِيَّةِ الشَّيْخُ تَاجُ الدِّينِ السُّبْكِيُّ وَقَالَ إِنَّهُ تَفَقَّهَ بِالْحُمَيْدِيِّ وَالْحُمَيْدِيُّ تَفَقَّهَ بِالشَّافِعِيِّ وَاسْتَدَلَّ شَيْخُنَا الْعَلَّامَةُ عَلَى إِدْخَالِ الْبُخَارِيِّ فِي الشَّافِعِيَّةِ بِذِكْرِهِ فِي طَبَقَاتِهِمْ وَكَلَامُ النَّوَوِيِّ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ شَاهِدٌ لَهُ انتهى یعنی جس طرح ابو جعفر بن جریر طبری شافعی المذہب ہین اسی طرح امام محمد بن اسمعیل بخاری بھی مقلدین شافعیہ مین شمار کیے گئے ہین اور جس شخص نے اُنکو طبقات شافعیہ مین ذکر کیا ہو وہ امام تاج الدین سبکی ہین اور اُنھون نے فرمایا کہ امام بخاری نے علم فقہ سیکھا ہو امام حمیدی سے اور حمیدی نے امام شافعی سے اور دلیل لائے ہین ہمارے شیخ علامہ امام بخاری کے داخل ہونے پر شافعیہ مین ساتھ مذکور ہونے اُنکے کے طبقات شافعیہ مین اور کلام امام نووی کا جو ذکر کیا ہمنے اُسکو گواہی دیتا ہی اس بات کی کہ امام بخاری شافعی المذہب ہین انتہی پس جب ایسے بڑے امام المحدثین نے بدون تقلید کے دین مین چارہ نہ دیکھا ناچار مذہب شافعی اختیار کیا تو اب ان لامذہبون کو بتقلید امام بخاری علیہ الرحمہ کے ضرور چاہیے کہ کسی مذہب کو اختیار کرین اور اپنی لامذہبی پر ہزار بار نفرین اور پھٹکار کرین دوازدہم جو شخص ایمان باللہ والیوم الآخر و تصدیق بما جاء بہ النبی رکھے اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانے اُس شخص کو غیر مقلدین مسلمان متقی اور مصداق اس آیت کا جانتے ہین أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ چنانچہ یہ مضمون رسالہ ثبوت الحق الحقیق تصنیف مولوی نذیر حسین مطبوعہ چشمۂ فیض دہلی محلہ پیپل مہادیو کے صفحہ اول مین مندرج ہو حالانکہ صرف موصوف بالایمان ہونے اور تصدیق بما جاء بہ النبی کرنے سے مسلمان متقی کوئی نہین ہوسکتا ورنہ باوجود مرتکب ہونے محرمات قطعیہ کے اور تارک ہونے واجبات حتمیہ کے متقی اور مصداق ہونا اس آیت کا لازم آتا ہو اور یہ بالاتفاق تمام علماے اہل سنت کے نزدیک باطل ہو بلکہ متقی کوئی ہونے مین اتصاف بالحسنات اور احتراز عن السیآت بھی ضرور ہو اور مصداق آیۂ مذکورہ کے وہی لوگ ہین جو باوجود موصوف بالایمان ہونے کے موصوف بالفضائل العملیہ بھی ہون جیسے بذل اموال و ایتاے زکوۃ و اقامت صلوۃ و اداے صوم و حج و ایفاے عہود و مواثیق و صبر و استقلال بوقت مصیبت و ملال غرض کہ جملہ ضروریات دین

اور تحسنات اسلام پر بھی عمل ہو سیزدہم اسی کتاب ثبوت الحق الحقیق کے صفحہ ۳۰ و ۳۸ و ۶۰ مین مولوی نذیر حسین نے
تقلید کو بدعت مذمومہ اور مخالف طریق اسلام قرار دیا ہو اور ائمہ مجتہدین کو مثل احبار و رہبان یعنی علماے یہود
و ترسا کے بنایا ہو اور حضرات مقلدین کو مصداق ان آیات کا ٹھیرایا ہی اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا
حال آنکہ یہ آیتین یہود و نصاری و کفار و مشرکین کی شان مین وارد ہین افسوس کہ مصداق اُسکے مومنین و مجتہدین
اسلام ٹھیرائے جاٴین اس سے بڑھکر تعصب اور گمراہی کیا ہوگی سے از برون طعنہ زنی بر بایزید وز درونت
ننگ میدارد یزید و خیال کرنا چاہیے کہ تفسیر آیات سے ظاہر ہوتا ہو کہ بنی اسرائیل نے جو تحریم ما احل اللہ و تحلیل
ما حرم اللہ مین اپنے احبار و رہبان کا اتباع کیا تو کافر و مشرک ہو گئے ہم پوچھتے ہین کہ وہ تحلیل اور تحریم
محرمات و مباحات یقینیہ ضروریہ کی تھی یا ایسے محرمات و مباحات کی کہ جنکی حرمت و اباحت مین اختلاف
اور ضرورت اجتہاد کی ہو پس درصورت اول مولوی صاحب کو ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کی نسبت بھی تحلیل و
تحریم محرمات و مباحات یقینیہ ضروریہ کی ثابت کرنا چاہیے حتی کہ اُنکے مقلدین بسبب اتباع کرنے کے ایسی
تحلیل و تحریم مین مشرک و کافر قرار دیے جاٴین اور بدون اثبات اس امر کے مقلدین ائمہ کو مشرک قرار دینا
قیاس ناروا اور اجتہاد بیجا ہو اور درصورت ثانی معاذ اللہ صحابہ کرام کا مشرک و کافر ہونا لازم آتا ہی کیونکہ انھون نے
نطلقتُ طالقٌ ثلاثًا سے طلقات ثلاثہ واقع ہونے مین حضرت عمرؓ کا اتباع کیا ہی بلکہ خود ہونا خود بدولت و اُنکے
اکابر کا مثل قاضی شوکانی و ابن القیم وغیرہم کے لازم آتا ہو اسواسطے کہ انھون نے لفظ مذکور سے طلقات ثلاثہ
نہ واقع ہونے مین ابن تیمیہ و داؤد ظاہری و ابن حزم کی تقلید کی ہو پس شق اول تو بدیہی البطلان ہو کہ صحابہ
سے تحریم ما احل اللہ ہرگز نہین ہو سکتی اور شق ثانی بزعم مولوی صاحب کے متعین ہو گئی اب اسکا کیا جواب ہی
کیون ایسی بات کہیے کہ اُلٹا الزام اُسکا اپنے اوپر پڑے چہاردہم رسالۃ الاحتوا علی مسالۃ الاستوا تصنیف
نواب صدیق حسن خان امیر بھوپال مطبوعہ گلشن اودھ لکھنؤ مین لکھا ہے کہ خدا عرش پر بیٹھا ہو اور عرش اُسکا مکان ہی
اور دونون قدم اپنے کرسی پر رکھے ہین اور کرسی اُسکے قدم رکھنے کی جگہ ہو اور ذات خدا کی جہت فوق اور
طرف علو مین ہو اور اُسکو فوقیت جہت کی ہو نہ فوقیت رتبے کی اور وہ عرش پر رہتا ہو اور اُترتا ہو ہر شب کو
طرف آسمان دنیا کے اور اُسکے لیے دہنا بایان ہاتھ اور قدم اور ہتیلی اور اُنگلیان اور دو آنکھین اور منہ
اور پنڈلی وغیرہ سب چیزین بلا کیف ثابت ہین اور جو آیتین اس بارے مین ہین سب محکمات ہین
آیات متشابہات نہین اور اُن آیات و احادیث مین تاویل نکرنا چاہیے سب آیتین اور حدیثین اپنے

ظاہر معنی پر محمول ہونگی اور اسی ظاہر معنی پر عمل اور اعتقاد رکھنا چاہیے انتہی حال آنکہ یہ مذہب فرقہ مجسمہ و
مشبہہ و جہلاء حنابلہ کا ہو اور مخالف ہو اہل توحید و ارباب تنزیہ سنت جماعت کے چنانچہ اس رسالے کے
رد مین رسالہ استیلا علی الاحتوا مطبع مصطفائی لاہور مین چھپ چکا ہو اور دوسرا رسالہ بھی اُسکے جواب مین مسمی بضوء الایمان فی
تنزیہ الرحمن مطبع رحیمی لودھیانہ مین مطبوع ہوا ہی ان دونون رسالون مین مذہب اہل حق کو خوب تفصیل سے لکھا ہو اور نواب صاحب
کے عقائد کا رد بخوبی کیا ہو کہ وہ حق تعالی کے صفات اللہ فی الشرع یہ ہرگز ایمان نہین لائے ہین بلکہ ظواہر معنی متشابہات پر
اپنی راے اور تاویل اور تفسیر کے موافق ایمان لائے ہین اور اس سے مصداق نہ اُنکے ہین اور متعمقین فی الدین کے بنگلے مین
جیسا کہ حق تعالی فرماتا ہو فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ
وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ یعنی جن لوگون کے دلون مین کجی اور گمراہی ہو سو وہ
پیروی کرتے ہین ظواہر معنی آیات متشابہ کی بغرض فتنہ انگیزی اور واسطے چاہنے اُنکی حقیقت کے حال آنکہ
حقیقت اُنکی اللہ ہی جانتا ہی پس اس بارے مین مذہب اہل سنت جماعت کا یہی ہو کہ آیات و احادیث
صفات باری تعالی باعتبار الفاظ اور کلمات کے محکم ہین یعنی صاف اور واضح الدلالۃ ہین اور باعتبار مفاہیم
اور معانی کے متشابہ ہین یعنی اُنکے کئی کئی معنی ہین اور اجمالاً اُسکے ظاہر الفاظ پر ایمان لانا کافی اور بالضرورت
اُسکی تفسیر اور تاویل نکرین اور حق تعالی کو اُن صفتون کے حقائق سے پاک اور منزہ جانین اور اُسکے مرادی
معنون کو علم الہی کے سپرد کرین اور اُسکی کیفیت سے ساکت اور خاموش رہین اور اُسکے کسی معنی کو معین نکرین مثلاً
یہ نکہین کہ استوا یعنی استقرار یا جلوس کے ہو یا ید یعنی قدرت یا جارحہ کے ہو یا وجہ یعنی ذات یا مونہہ کے ہو بلکہ اتنا
کہنا کافی ہو کہ اللہ تعالی عرش پر مستوی ہو اور صاحب ید اور صاحب وجہ ہو کیونکہ ظاہر معنی متشابہات کے لینے سے
اللہ تعالی کے واسطے جسم اور صورت اور جہت تحتانی و فوقانی اور مکان و زمان و جوارح و دیگر لوازم جسمیت
مین صفات الحوادث والممکنات ثابت ہوتے ہین حال آنکہ اللہ تعالی قدیم ہو اور ان چیزون سے منزہ اور پاک ہو
اور اُسکا نہ مونہہ ہو اور نہ ہاتھ ہو اور نہ وہ چڑھتا ہو اور نہ اُترتا ہو اگرچہ بے کیف ہی کما هو مذهب من عقائد
الفقهاء والمحدثين ولا كما هو من الظاهرية والغير المقلدين پانزدہم بیس رکعت تراویح کو
بدعت اور ضلالت جانتے ہین اور اس بارے مین حضرت عمرؓ کو صریح خاطی اور مخترع بدعت ضلالہ کا ٹھیراتے ہین
چنانچہ نواب صدیق حسن خان امیر بھوپال نے کتاب الانتقاد الرجیح مطبوعہ مطبع علوی لکھنؤ کے صفحہ ۹۲ و ۹۳ مین
حضرت عمرؓ کو نہایت بیباکی سے صاف خاطی اور بدعت ضلالہ کا مخترع لکھا ہی چنانچہ عبارت اُسکی یہ ہی اما قوله نعم البدعة
هذه فليس في البدعة ما يمدح بل كل بدعة ضلالة وليس المراد بسنة الخلفاء الراشدين
الا طريقتهم الموافقة بطريقته من جهاد الاعداء وتقوية شعائر الدين ونحوها ومعلوم
من قواعد الشريعة انه ليس لخليفة راشد ان يشرع طريقة غير ما كان عليه النبي

ثُمَّ اِنَّ عُمَرَ نَفْسَهٗ الْخَلِیْفَةَ الرَّاشِدَ سَمّٰی مَا رَاٰهُ مِنْ تَجْمِیْعِ صَلٰوتِهٖ لَیْلَ رَمَضَانَ بِدْعَةً
ذَکَرَ بِقَوْلِ اِنَّهَا سُنَّةٌ اس تقریر سے صاف ظاہر ہو کہ نواب بھوپال نے جماعت تراویح کو مخالف حکم آنحضرت
کے سمجھکر اُسپر اطلاق سنت کا ناجائز خیال کیا ہو حالانکہ قول و فعل صحابۂ کرام بھی سنت ہی جیسا کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اور سوائے
اسکے اس بیس رکعت تراویح کو بدعت عمری کہنا رافضیون کا قول ہو کما ذکرہ السیوطی فی جوامعہ اور آٹھ رکعت
تراویح کو سنت کے بہانے سے راحت نفس کی سمجھکر پڑھنا اور بیس رکعت کو بدعت عمری کہکے مشقت کیسبب سے
چھوڑ دینا تو صریح اُمین تقلید خواہش نفسانی ہے نہ اتباع سنت رسول ربانی بلکہ آنحضرت کی سنت فعلی کو
بنظر تخفیف محنت کے لینا ہو اور سنت قولی کو تو بباعث مشقت کے چھوڑ دینا ہو سبحان اللہ دعوی یہ کہ ہم پوری
سنت پر عمل کرتے ہین اور عمل یہ کہ آدھی سنت پر چلتے ہین اور وہ آدھی بھی پوری نہین اسواسطے کہ آن حضرت نے
نماز تراویح ایک مرتبہ تمامی شب تک پڑھی اور دوسری مرتبہ نصف شب تک پڑھی اور تیسری مرتبہ یہان تک پڑھی
کہ وقت صبح کا قریب ہو گیا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو پس غیر مقلدین اس طرح طول قیام کے ساتھ کہان
پڑھتے ہین تاکہ پوری پوری سنت قولی کی تعمیل ہو اور اُسپر طرہ یہ کہ جو تمام امت محمدیہ شرق سے غرب تک بیس
رکعت تراویح کی پڑھتے ہین اور سنت قولی و فعلی دونون پر عمل کرتے ہین (یعنی بیس رکعت تو موافق سنت
قولی کے ادا کرتے ہین اور آٹھ رکعتین سنت فعلی کی تو بیس کے اندر آگئین) بدعتی اور تارک سنت نبوی
ہو جائین اور خود جو نیم سنت پر چلتے ہین عامل بالسنہ کہلائین یہ بھی عجیب دھوکے کی بات ہو جو پیرو سنت
کہلاتے ہین وہ راہ سنت پر نہین آتے ہین اور جو سنت کو بجا لاتے ہین وہ بدعتی کا خطاب پاتے ہین کیا اندھیر ہو
اور کیسا اُلٹ پھیر ہو کہ غیر مقلد نے صرف آٹھ رکعت پڑھکے فراغت پائی تخفیف عبادت کی راحت اُٹھائی اور مقلد نے
ہر چند کہ بیس رکعت ادا کرنے مین بار مشقت اُٹھایا لیکن ہر دو سنت کے میدان تکمیل پیروی سے قدم نہ ہٹایا

۵ سو اقمار عشق مین شیرین سے کوہکن	بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا	کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہی عشقباز
اے روسیاہ تجھسے تو یہ بھی نہو سکا	شانزدہم کتاب نجی المؤمنین مطبوعہ مطبع محمدی لاہور تصنیف قاضی	

محمد حسین ساکن اجرا ضلع ملوان کے صفحہ ۹۰ تا ۱۴۰ مین لکھا ہو کہ یا شیخ عبد القادر الجیلانی شیئاً للہ کہنے والا کافر اور
مشرک ہو کہ اُسنے یہ تینون شرک کیے اشراک فی العلم اور اشراک فی التصرف اور اشراک فی العبادة اور اسی طرح
سے یا رسول اللہ کہنے والا بھی کافر اور مشرک ہو حالانکہ یہ کہنا بالکل تعصب اور نفسانیت سے بھرا ہو اور خود
معترض علم معرفت سے بے بہرہ ہو ہفدہم اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۹ مین لکھا ہو جو کوئی اذان مین وقت سننے
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے انگوٹھون کو چوم کے آنکھون پر رکھے وہ بدعتی ہو اور جسقدر اس باب مین

حدیثین ہین وہ سب موضوع اور بناوٹی ہین اور عمل کرنا اُنپر موجب ضلالت ہو حالانکہ یہ کہنا بھی بالکل
حماقت اور جہالت ہو ہیجدہم اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۱ سے تا ۱۲۰ مین مرقوم ہو کہ آنحضرت کا عالم برزخ مین احوال
اور اعمال امت پر واقف ہونا بدیہی البطلان ہو اور اعتقاد اسپر موجب شرک جلی اور مستلزم اثبات علم غیب کہ
کہ یہ خاصہ علام الغیوب کا ہو اور جو بواسطہ ملائکہ کے احوال امت پر آپ مطلع کیے جاتے ہین سو یہ بھی
غیر متیقن اور غیر مثبت ہو اور قابل اعتبار کے نہین ہو کہ سوائے ارباب سیر کے کسی نے معتبرین اہل حدیث سے
اسکو نقل نہین کیا بلکہ حدیثین اسکے خلاف پر وارد ہین حالانکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہو کہ قبر شریف مین
آنحضرت پر احوال و اعمال امت پیش کیے جاتے ہین جن لوگون کے اعمال صالحہ ہوتے ہین تو آپ خوش
ہوتے ہین اور جنکے اعمال بد ہوتے ہین تو آپ اُنکے حق مین دعا و استغفار فرماتے ہین نوزدہم اسی کتاب
مین صفحہ ۱۲۰ سے تا ۱۳۲ لکھا ہو کہ میت کو ادراک اور سماع ثابت نہین ہو ارواح مفارقہ کو تعلق اور حیات صرف
بقدر عِلْمِیَّا لَّا تَعْلَمُوْنَ دِیْنَهٗ حاصل ہو اور جو حدیثین کہ شرح الصدور مین دربارۂ اثبات سماع موتی کے وارد ہین وہ قابل
تمسک نہین کہ اکثر حدیثین اُسمین رسائل جلال الدین سیوطی کی طبقۂ رابعہ سے لکھی ہین اور احادیث طبقۂ رابعہ
اس قابل نہین ہین کہ کسی عقیدے یا عمل کے اثبات مین قابل سند و تمسک ہون حالانکہ عقیدہ اہل سنت مین
یہ ہو کہ ادراک اور سماع اموات کو حاصل ہو اور یہ بات قرآن و حدیث سے ثابت ہو بستم اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴
مین مرقوم ہو کہ ارواح انبیائے کرام و اولیائے عظام سے خلق اللہ پر کسی طرح کا فیض نہین ہو اور افعال اختیاریہ
و غیر اختیاریہ مین استفاضہ اُنسے شرعاً و عقلاً ناجائز بلکہ بدیہی البطلان ہو ورنہ بعثت انبیا کی مرة بعد اخرے
بیکار اور بیفائدہ ہو جاتی ہو اور ایک ہی وجود شریف حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت تک کافی ہو جاتا اور وہ
آثار افادہ و استفادہ و تعلیم و تعلم کے جو آنحضرت سے بعد انتقال کے زمانۂ صحابہ مین پائے گئے وہ سب بے اصل
معلوم ہوتے ہین ورنہ اگر قبر شریف سے تعلیم و افادہ ہوتا تو آپ سے تعیین کفن و کیفیت دفن و غسل و دیگر مسائل
عبادات و معاملات مین فیما بین صحابہ اختلاف نہ ہوتا اور نوبت محاربات و منازعات و مشاجرات صحابہ کی نہ آتی اور اسی طرح اختلاف
تابعین و تبع تابعین و ائمۂ مجتہدین و مفسرین و محدثین کا ہرگز نہ رہتا بلکہ کارخانہ قیاس و اجتہاد و استنباط
مسائل و تتبع روایات احادیث و فقہ کا درہم برہم ہو جاتا انتہی خدا بچائے ایسی سوء عقیدت اور بدگمانی سے کہ اسمین
اس سے معجزات انبیا اور کرامات اولیا کا انکار پایا جاتا ہو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ بست و یکم اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۳
مین مرقوم ہو کہ استمداد اہل قبور سے باین طور کرنا کہ یا حضرت واسطے حصول مطالب کے دعا فرمائیے یہ خلاف شرع بلکہ موجب
شرک ہو کہ یا حضرت کہنا سماع کو چاہتا ہو اور ادراک و سماع اہل قبور سے بالکل منتفی ہو اور نیز واسطے دعای اہل قبور
کے کوئی اثر مترتب نہین ہو پس دعا کرانا اُنسے لغو ہو انتہی پس یہ عقیدہ بھی خلاف اہل سنت کے ہو بست و دوم

اور اُسی صفحہ ۱۳۵ مین لکھا ہو کہ سفر کرنا بقصد تحصیل برکت کے الا مکنہ ثلاثہ یعنی مسجد نبوی و مسجد حرام و مسجد بیت المقدس کی طرف بحکم حدیث لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ الخ کے منصوص ہو اور بجز ان مقامات کے اور کسی قبر نبی یا ولی کی زیارت کو دور سے جانا ناجائز ہو کہ خود حدیث صحاح کی موجود ہو کہ فرمایا آنحضرت نے لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِیْ عِیْدًا اور دعا مانگی آپ نے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یعنی اے اللہ نہ بنا میری قبر کو بت کہ لوگ اُسکی پرستش کرین اور بیان سے معلوم ہوا کہ وثن صنم سے عام ہو کہ صورت وغیر صورت دونون پر بولا جاتا ہو اور بھی یہ بات دریافت ہوئی کہ قبر بھی بتقدیر پرستش کے داخل اوثان ہو اور مصنف ابوبکر بن شیبہ مین مروی ہو کہ ایک شخص آنحضرت کی قبر شریف کے پاس کھڑا ہو کے کچھ عرض حال کر رہا تھا پس زین العابدین علی بن حسین نے اُسکو منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہو لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِیْ وَثَنًا پس بیان سے یہ بات نکل آئی کہ جس طرح بت پرست بتون کے آگے عرض حال کرتے ہین اسطرح کسی قبر کے آگے نہ کیا جائے ورنہ وہ قبر بھی اوثان مین داخل ہو جائیگی اور اجتناب اُس سے واجب ہو گا اسی واسطے خواجہ بہاء الدین نقشبند نے فرمایا ہے ع تا کی گور مردان را پرستی ✤ بکردِ کار مردان کن درستی ✤ انتہیٰ خُلَاصَةُ مَا فِیْ مِنْحَةِ الْمُؤْمِنِیْنَ بَلْ هٰذَا كُلُّهٗ مِنَ الْاِضْلَالِ الْحَرَامِ الْمُقَلِّدِیْنَ اب ان غیر مقلدون کا کیا کہنا کہ جسطرح محمد بن عبدالوہاب نجدی نے آنحضرت کے مزار شریف کو ہی کو بھی کے سبب صنم اکبر قرار دیکر انہدام کا حکم لگا دیا تھا یہ بھی ویسا ہی کیا چاہتے ہین اور یہ خبر نہین کہ خود حق تعالیٰ انہین مانعین زیارت نبوی پر لعنت فرماتا ہو اسواسطے کہ جب یہ حدیث صحیح دربارہ وعید غیر محمدین زیارت نبوی کے وارد ہو گئی مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ یعنی جسنے حج کیا اور نہ زیارت کی میری قبر کی سو اُسنے بیشک مجھپر ظلم کیا جب اللہ تعالیٰ مطلق ظالمون کے حق مین ارشاد فرماتا ہو کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ پس جو لوگ کہ آنحضرت پر ظلم کرنا جائز رکھینگے وہ تو اللہ کے نزدیک بہت بڑے پکے ملعون ہونگے بست و سوم ختم پنج آیت و سوم بیست و مصافحہ جمعہ و معانقہ عیدین و مجلس میلاد خیر العباد و عمل اسقاط میت وغیرہ یہ سب امور بدعت اور ضلالت مین چنانچہ یہ مضمون کتاب تحقیق الکلام فی مسئلۃ البیعۃ و الالہام تصنیف ابو عبداللہ قصوری عرف غلام علی مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر مورخہ ۱۲۹۰ ہجری کے صفحہ ۱۵۰ مین مرقوم ہو بست و چہارم اُسی کتاب کے صفحہ ۱۰ و ۱۱ مین لکھا ہو کہ تاثیر اوراد و اعمال سلب امراض و دفع زہر و بد عاصی و تصرف خیال و آگاہی نسبت اہل اللہ و اطلاع خطرات قلبیہ و کشف وقائع آیندہ و دیگر تصرفات اولیاء اللہ و کشف قبور و کشف ارواح و تعویذات و دلائل و قرع بلیات وغیرہ من اعمال المشائخ الصوفیہ یہ سب شرک اور بدعت ہین اور خلاف حدیث و سنت اور صفحہ ۴۹ مین بعد انکار ورد بیعت صوفیہ کے لکھا ہو کہ بہت بڑا استدلال اس بیعت کے حرام ہونے پر یہ ہو کہ بیعت مروجہ یعنی پیری مریدی دین اسلام مین اسقدر فتور اور فسادات پڑے ہین کہ جنکا شمار امکان سے باہر ہو شرک فی الالوہیت و شرک فی الربوبیت و شرک فی الادعاء جسقدر اقسام شرک کے ہین سب اسی سے پیدا ہوے ہین اور صفحہ ۳۰ مین لکھا ہو کہ سچ پوچھو تو یہی بیعت مروجہ باعث ہوتی ہو کلمات

ف مانعین زیارت قبر نبوی پر قرآن سے لعنت ثابت ہو

ف غیر مقلدین بیعت حضرات صوفیہ کو شرک فی الالوہیت و شرک فی الربوبیت و شرک فی الادعاء جانتے ہین

کفریہ و اعتقادات حلولیہ کی جسکو فنا فی اللہ اور فنا فی الشیخ سے تاویل کرتے ہین انتہی مقام حیرت اور جای عبرت ہو کہ اس شخص نے بتقلید نفس پلید بلکہ باتباع خبث یزید کے حضرات صوفیہ کرام کی شان مین کیسی صریح بے ادبیا کی ہین کہ گویا گالیان دی ہین منتقم حقیقی اسکا بدلا لے یا اُسکو توفیق ہدایت دے بست و پنجم اُسی کتاب کے صفحہ ۴۳ مین لکھا ہو کہ درود مستغاث اور دلائل الخیرات و کبریت احمر و درود اکبر وغیرہ کتب درود سب بے اصل اور محض اختراعی ہین بلکہ یہ درود ہی نہین انتہی خدا بچائے ایسے خیالات واہیہ اور مقالات بیہودہ سے کہ بالکل خباثت اور آنحضرت سے صاف عداوت معلوم ہوتی ہو بست و ششم اُسی کتاب کے صفحہ ۱۴۴ و ۱۴۵ مین فرط محبت عقلی کو آنحضرت کے ساتھ شرک لکھا ہو اور آپکے ساتھ زیادہ محبت رکھنے والے کو مشرک کہا ہو نعوذ باللہ منہا اور اسی بنا پر صفحہ ۱۴۴ مین حضرت مولانا نظام الدین گنجوی کو مشرک لکھدیا ہو کہ انھون نے بہ سبب فرط محبت کے سکندر نامہ مین یہ بیت نعتیہ لکھی ہے ع چو گویم کہ عیسے ہو کب پیمان ✤ بتلمذ پیش خضر و موسیٰ دوان ✤ اور لکھا ہو کہ اس فرط مدح مین دوسرے پیغمبرون کی تحقیر اور توہین ہوئی جاتی ہو حال آنکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسے سید المرسلین خاتم النبیین کی سواری معراج کے ساتھ ساتھ جلو مین ہونا پیغمبرون کا موجب کمال تعظیم اہل موکب ہو اور نہایت عزت و تکریم ہمراہیان کا سبب ہو اور احادیث سے ثابت ہو کہ شب معراج مین آپ بمقام بیت المقدس سب پیغمبرون کے پیشوا اور امام ہوے اور سبھون نے آپکے پیچھے اقتدا کی اور نماز پڑھی اسی طرح سے آسمانون مین بھی پیغمبرون نے بتعظیم تمام آپکا استقبال کر کے ملاقات کی اور اپنی اپنی حد اختیار تک آنحضرت کی سواری کے ساتھ رہے اسمین تو کوئی توہین پیغمبرون کی نہین نکلتی ہان البتہ بزرگی اور سرداری آپکی سب پیغمبرون پر ظاہر ہوتی ہو اسمین کیا قباحت کہ خود حق تعالیٰ نے آپکو سارے پیغمبرون کا سردار اور بادشاہ بنا کے بھیجا اور سب اہل اسلام کا بھی یہی اعتقاد ہو کہ آپ افضل الانبیاء اور سید المرسلین ہین پس ایک خارج کی معمولی مثال دیکر ہم قصوری صاحب سے پوچھتے ہین کہ جب دولہا برات مین گھوڑے پر سوار ہو کے جاتا ہو اور اُسکے ساتھ ساتھ براتی بڑے بڑے بزرگ مثل باپ اور دادا اور نانا اور چچا اور اُستاد اور پیر وغیرہ کے پیادہ پا چلتے ہون تو کیا اُس دولہا کے یہ سب بزرگ خدمتگار اور سائیس کہلاوینگے اور کیا دولہا کے ہمرکاب ہونے سے ان بزرگون کی تحقیر اور توہین لازم آئیگی حاشا و کلا ہرگز نہین پس اس شعر کے سبب حضرت نظامی کو مشرک کہنا قصوری صاحب کی عقل کا قصور ہو اور دماغ مین اُنکے بالکل فتور ہو بست و ہفتم اُسی کتاب کے صفحہ ۴۴ سے صفحہ ۴۹ تک لکھا ہو کہ الہام صرف دل کے خیال کو کہتے ہین خواہ خدا کی طرف سے ہو خواہ شیطان کی جانب سے خواہ وہ خیر ہو خواہ شر اور الہام ہر ایک کو ہوتا ہو مکھی سے لے انسان تک اور کافر سے لے مسلمان تک اسمین کسی کی خصوصیت نہین ہو اس الہام کو اولیاء اللہ کا خاصہ سمجھنا خطا ہو بلکہ ہر ایک مومن اولیاء اللہ ہو اور الہام کسی کا خاصہ نہین انتہی کلامہ و کو اب کیا پوچھنا ہو کہ مکھی مچھر اور مشرک و کافر کو بھی الہام ہونے لگا اور ہر مومن خواہ فاسق ہو یا فاجر مورد الہام ہو لاحول ولا قوۃ ایسی سمجھ کے آدمی سے خدا بچائے اور کسی مسلمان کو انکے دام

لہ [illegible] یعنی قاصدی و نقیبی و پاسبانی و خادمی وہمراہی ۱۲

ف غیر مقلدین آنحضرت صلعم کے جملہ افعال و اقوال کو محمود نہین جانتے ہین اور عصمت نبوت کے قائل نہین

وسوسۂ شیطانی مین نہ پھنسائے ظاہر ہو کہ وسوسہ امور شر مین شیطان کی طرف سے ہوتا ہی اور الہام امور خیر مین رحمن کی جانب سے ہوتا ہی جیسا کہ علمانے بیان کیا اَلاِلْهَامُ اِلْقَاءُ مَعْنًى فِي الْقَلْبِ بِطَرِيْقِ الْفَيْضِ مِنَ الْخَيْرِ لِيَخُصَّهُ الْوَسْوَسَةُ بُلست و ہشتم اُسی کتاب کے صفحۂ ۴۴ و ۴۵ مین لکھا ہو کہ سب افعال اور اقوال آنحضرت صلعم کے تشریعی ہو محمود نہین ہین اور عصمت مطلقہ آپکے واسطے ثابت نہین ہی ورنہ صحابہ آپکی بعض خطاؤن پر اعتراض نکرتے انتہت خلاصۃ کلامہ تبیان تو ملا قصوری آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی خوش عقیدہ نہین ہی اور انکو پیغمبر معصوم نہین سمجھتا ہی اور آپ کے بعض قول و فعل کو خلاف شرع اور نامحمود بتاتا ہی اور اُنھین کی امت مین ہو کر اُنھین پر اعتراض جتاتا ہی اور نسبت اسکی صحابہ کی طرف لگاتا ہی معاذ اللہ اگر کوئی بادشاہ دین ہوتا تو اس گستاخی اور بے ادبی کی ضرور سزا دیتا اور دائرۂ اسلام سے خارج کر کے بدلا ہم کا قرار واقعی لیتا خیر اب ہم ملا قصوری کے اس قصور سراپا فسق و فجور کو منتقم حقیقی کے سپرد کرتے ہین کہ وہ اپنے حبیب پر افترا اور اعتراض کرنے والون کو خوب سمجھیگا جو چاہیگا اُسکی سزا دیگا حال آنکہ عقیدہ اہل سنت کا آنحضرت کی نسبت یہ ہی کہ جملہ افعال و اقوال آپکے محمود اور مشروع ہین اور مطلق عصمت آپکو حاصل ہی سب صحابہ آپ کے حکم کے تابع اور فرمان بردار تھے کسی نے آپ پر اعتراض نہین کیا بلکہ بعض معاملات مین بطریق مشورہ اور بمقتضای مصلحت وقت کے عرض حال کرتے تھے اور آپ کو ہر کام مین امام مطلق اور پیشوای برحق سمجھتے تھے اور کسی نے مخالفت اور عدول حکمی آپکی نہین کی کہ اسپر یہ آیت صحیح الدلالۃ ناطق ہو وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا یعنی نہین لائق ہو واسطے کسی مومن کے اور نہ مومنہ کے جب کہ مقرر کر دے اللہ اور رسول اُسکا کوئی کام یہ کہ ہو واسطے اُنکے اختیار اپنے کام سے اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ اور اُسکے رسول کی سو وہ بالکل گمراہ ہو گیا بست و نہم [۲۹] اُسی کتاب کے صفحۂ ۵۵ مین تضمین اور اقتباس قرآنی کو کفر اور ممنوع لکھا ہی اسی بنا پر شیخ سعدی و حضرت جامیؒ و حافظؒ ایسے بزرگون کو کہ جنکی جلالت و منزلت و فقاہت متفق علیہ زمانہ ہی کافر بنا دیا اور اُنپر تکفیر کا فتوے لگا دیا صرف اس قصور پر کہ سعدی نے گلستان مین ؎ زینہار از قرین بد زنہار ✤ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ ✤ اور جامی نے زلیخا مین ؎ شد از سبوحیان گردون صدا وہ ✤ کہ سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ اور حافظ نے اپنے دیوان مین ؎ چشم حافظ زیر بام قصر آن حور سرشت ✤ شیوۂ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ داشت ✤ کو آیات سے تضمین کر کے قرآن کو سیاق سے نکالکر اپنے جنس کلام سے کیون کر دیا اسواسطے کہ یہ آیتین جس محل اور مورد پر وارد ہوئی تھین اُسکے خلاف یہان عاید کیا ہو اس لیے کہ قرین بد کو عذاب نار قرار دیا اور سُبْحَانَ الَّذِيْ الخ کو حق تعالی نے اپنی تعریف مین فرمایا ہو نہ یہ کہ وقت معراج نبوی کے فرشتون سے اسکے پڑھنے کو کہا ہو اور حافظ نے معشوق کے محل کو جنت اور اپنی آنکھون کو نہر قرار دیا پس کتنی بڑی تحریف قرآن کی کی

ہو حال آنکہ پہلے شعر مین تضمین آیت کی نہین ہی کیونکہ آیت تو فقط وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہی یا فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہی پس قصوری صاحب کا فہم قرآن مین سراسر قصور ہی اسواسطے کہ یہ پورا مصرعہ سعدی علیہ الرحمہ کی تصنیف تھا نہیں اور آیت شریف نمونا اسکا قصوری صاحب کو بالکل یاد نہ رہا سچ تو یہ ہی کہ دروغگو را حافظہ نباشد ورنہ پہلی سکو آیت قرار دیکر ایسے بزرگ کی تکفیر پر مستعد نہو جاتے اور یہ سمجھنا کہ شعر جامی مین آیت سیاق سے نکل گئی صرف منشای سوء فہمی اور عقل کی کمی ہو کوئی عاقل اسکو نہ کہیگا کہ یہ آیت اپنے سیاق سے نکل گئی کیونکہ اس شعر کا صرف یہی مطلب ہو کہ جب آنحضرت شب معراج مین آسمان پر پہونچے تو ملائکہ نے آپ کا یہ عروج اور مرتبہ دیکھکر اس آیت کو جو خاص بیان معراج مین وارد ہو زبان حال سے بطور تسبیح کے ادا کر دیا یا بزبان قال بعینہ پڑھ دیا جیسے احادیث مین وارد ہو کہ آنحضرت صلعم بوقت افتتاح صلوۃ کے آیت اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ الخ جو خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق مین وارد ہو بعینہ پڑھا کرتے تھے اور نیز بخاری شریف مین وارد ہی کہ پہلے آسمان سے اخیر تک فرشتے شب معراج مین مَرْحَبًا بِهٖ وَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ کہتے تھے اور ظاہر ہو کہ یہ کلمہ واسطے اظہار قدر و منزلت حضرت رسالت علیہ الصلوۃ والتحیۃ کے تھا اور جائز ہو کہ یہ خاص تسبیح سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى الخ کی فرشتون کو لوح محفوظ سے پونچی ہو کہ اسکے عموم مورد سے بزبان حال یا مقال ہر مخلوق کا تسبیح کرنا ثابت ہی تسبیں خصوصیت تسبیح آیہ مذکورہ کی ہرگز سیاق و نظم قرآنی کی خلاف نہین ہو سکتی کما فی قولہ تع تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اور علی ہذا القیاس شعر حافظ مین بھی جو استعارۂ لطیف عارفانہ و تشبیہ بلیغ شاعرانہ ہو وہ ہرگز منافی سیاق آیت کے نہین ہو جو شاعر ہو وہ اسکے مضمون باریک سے ملہم ہو اور جو قصوری ہو وہ اس نازک خیال کے فہم سے قاصر ہو اسواسطے کہ لفظ شیوہ سے یہ بات ظاہر ہو کہ حافظ نے اپنے معشوق کے مکان اور اپنی آنکھون کی تشبیہ مضمون آیت سے دی ہو نہ یہ کہ الفاظ آیت کا مصداق حقیقی مکان اور آنکھون کو بنایا ہو اور کیا عجب کہ مراد معشوق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہون اور نیز قصوری صاحب علم معنی بیان اور فن بدیع بلاغت سے بالکل کورے ہین ورنہ حدیث و قرآن کے اقتباس کو کفر نہ جانتے اور مقتبس کو کافر نہ کہتے پس اقتباس کے لغوی معنی تو شعلۂ آگ اور روشنی لینے کے ہین جیسا کہ قرآن مجید مین ہو نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ اور اصطلاحی معنی قرآن و حدیث کو بدون اشارت کے اپنی عبارت مین واسطے برکت حاصل کرنے کے لانا اور یہ نظم و نثر مین سلف سے علما اور بلغا برابر لاتے ہین اور فیض اُٹھاتے ہین اس سے کلام مستحسن سمجھا جاتا ہی ھُوَ عِنْدَ الْبُلَغَاءِ اَنْ يُّضَمِّنَ الْكَلَامَ نَثْرًا كَانَ اَوْ نَظْمًا شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْحَدِيْثِ لَا عَلٰى اَنَّهٗ مِنْهُمَا اَيْ عَلٰى وَجْهٍ لَا يَكُوْنُ فِيْهِ اِشْعَارٌ بِاَنَّهٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَوِ الْحَدِيْثِ وَهٰذَا احْتِرَازٌ عَمَّا يُقَالُ فِيْ اَثْنَاءِ الْكَلَامِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى كَذَا وَقَالَ النَّبِيُّ صلعم

كذا او في الحديث كذا ونحو ذلك وهو ضربان احدهما ما لم ينقل فيه المقتبس عن معناه الاصلي فمن المنثور قول الحريري فلم يكن الا كلمح البصر او هو اقرب ومن المنظوم قول الآخر

ان كنت ازمعت على هجرنا	من غير ما جرم فصبر جميل
وان تبدلت بنا غيرنا	فحسبنا الله ونعم الوكيل

والثاني ما نقل فيه المقتبس عن معناه الاصلي كقول ابن الرومي ؎

لئن اخطأت في مدحك ما اخطأت في منعي	لقد انزلت حاجاتي بواد غير ذي زرع

اراد بقوله بواد غير ذي زرع جنابا لا خير فيه ولا نفع واريد في القرآن بذلك مكة اذ لا ماء فيها ولا نبات ولا بأس في اللفظ المقتبس ان يقع تغيير يسير للوزن كما في شعر الحافظ المذكور وقع جنات بلا تنوين فلم يتعرض للاقتباس احد من المتقدمين والمتأخرين مع شيوعه في اعصارهم واستعمال الشعراء له قديما وحديثا وقد تعرض له بعض فسئل عنه الشيخ عز الدين بن عبد السلام فاجازه واستدل بما ورد عنه صلى الله عليه وسلم من قوله في الصلوة وغيرها وجهت وجهي الخ وقوله اللهم فالق الاصباح وجاعل الليل سكنا والشمس والقمر حسبانا اقض عني ديني واغنني من الفقر وهذا كله انما يدل على جوازه في مقام المواعظ والثناء والدعاء وفي شرح البديعية لابن حجة الاقتباس ثلثة اقسام مقبول وهو ما كان في الخطب والمواعظ والعهود ومباح وهو ما كان في الغزل والرسائل والقصص ومردود وهو على ضربين احدهما ما نسبه الله تعالى الى نفسه ممن ينقله الى نفسه نعوذ بالله منه والثاني تضمين آية في معنى هزل

اور پھر اسکے عملیات دیکھیے

اول یہ کہ پانی اگرچہ نہایت ہی قلیل ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ رنگ اور بو اور مزہ اسکا نہ بدلے اور پانی پاک ہو اور پاک کرنے والا چنانچہ یہ مضمون طریقۂ محمدیہ ترجمۂ درر بہیہ مصنفہ قاضی محمد کا مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے صفحہ ۲ میں نواب صدیق حسن خان امیر بھوپال نے لکھدیا ہو اور یہ وہ کتاب ہو کہ جسپر خود مولوی نذیر حسین نے اپنی مہر لگا کر لکھا ہو کہ سب موحدین بے دھڑک عمل کرین اور دیباچے مین خود نواب مرحوم لکھتے ہین کہ تبع سنت اسپر آنکھ بند کرکے عمل کرے اور اپنی اولاد اور بی بیون کو پڑھانے اور یہی مضمون کتاب فتح المغیث بفقہ الحدیث مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور کے صفحہ ۵ مین بھی مندرج ہو یہی کتاب طریقۂ محمدیہ ہو کہ جسکا نام بدل کے نواب بھوپال نے دوبارہ اور سہ بارہ بھوپال اور لاہور مین چھپوا دیا غرض مطلب اسکا یہ ہوا کہ کسی کنوین مین سور یا کتا یا بلی ڈوب مرے کہ جس سے

پانی کے اوصاف ثلاثہ مین تغیر نہ آیا ہو یا ایک لوٹے یا ایک پیالے پانی مین یا ایک گھڑے مین اسقدر گو یا موت یا شراب یا کوئی نجس شئی پڑ جائے جس سے اسکا رنگ اور بو اور مزہ نہ بدلنے پائے یا اسمین کتا یا سور منہ ڈالے تو وہ پانی پاک اور پاک کرنے والا ہو اس سے وضو نماز درست ہو اور پینا اسکا جائز اگرچہ مخالف ہو نص صریح کے اور منافی ہو اس حدیث صحیح کے اذا ولغ الکلب في اناء احدکم فليغسله سبع مرات یعنی جب کتا کسی برتن مین منہ ڈالے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہیے مگر غیر مقلدین ظاہریہ شاید اسکا یہ جواب دین کہ بیان حدیث مین صرف کتے کے منہ ڈالنے سے برتن دھونے کا حکم آیا ہو نہ پانی ناپاک ہونے کا اور نہ ذکر ہو کتے کے پینے کا جیسا کہ داؤد ظاہری نے فرمایا کہ بموجب اس حدیث کے لا يبولن احدكم في الماء الراكد پانی مین پیشاب کرنا درست نہیں ہو مگر پائخانہ پھرنا جائز ہو کیونکہ حدیث مین اسکی ممانعت نہین آئی دوم گو اور موت آدمی کا اور لعاب اور لینڈ کتے کا اور خون حیض اور نفاس کا اور گوشت سور کا یہ سات چیزین نجس اور پلید ہین اور سوائے انکے بول پسر شیر خوار کا اور پیشاب اور گو سور کا اور بول کتے کا اور گدھے اور گھوڑے اور خچر اور بندر اور ریچھ اور بھیڑیے اور بلی اور شیر وغیرہ حیوانات کا بول و براز اور چربی و خون و منی و شراب یہ سب چیزین پاک ہین چنانچہ اسی کتاب طریقۂ محمدیہ کے صفحہ ۹ مین اور فتح المغیث کے صفحہ ۵ مین یہ عبارت بجنسہ لکھی ہو کہ نجاست گو اور موت ہو آدمی کا مطلق مگر موت لڑکے شیر خوار کا اور لعاب ہو کتے کا اور لینڈ بھی اور خون ہو حیض و نفاس کا اور گوشت ہو سور کا اور جو اسکے سوا ہو اسمین خلاف ہو اور اصل اشیا مین پاکی ہو اور نہین جانی جاتی پاکی مگر نقل صحیح سے کہ جسکے معارض کوئی نقل دوسری نہو انتہی پس جب ان سات چیزون مین نجاست و پلیدی کا حصر ہو گیا تو دیگر اشیاے مذکورہ کے پاک ہونے مین کیا کلام رہا بلکہ خود اسکی تصریح کردی کہ اصل اشیا مین پاکی ہو چنانچہ روضۂ ندیہ شرح عربی درر بہیہ مطبوعہ کے صفحہ ۱۰ مین نواب بھوپال اس مقام پر لکھتے ہین ولا يخفی عليك ان الاصل في كل شيء انه طاهر اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۱ مین دربارۂ پاکی منی کے لکھتے ہین والحق ان الاصل الطهارة والدليل على القائل بالنجاسة فنحن باقون على الاصل اور پھر صفحہ ۱۲ مین دربارۂ پاکی شراب و گوشت مردار و خون مسفوح کے ارشاد فرماتے ہین فتحريم الخمر والميتة والدم لا يدل على نجاسة ذلك فتحريم الخمر والحم الذي دلت عليه النصوص لا يلازم نجاستهما بل لا بد من دليل آخر عليه والا بقي على الاصول المتفق عليها من الطهارة فمن ادعى خلافه فالدليل عليه اور یہی کتاب نہج المقبول من شرائع الرسول مطبوعہ بھوپال کے صفحہ ۱۲ مین نواب بھوپال نے اپنے بیٹے نور الحسن خان کی طرف سے لکھا ہو کہ منی اور شراب اور دیگر مسکرات وخون روان پاک ہو اور نجاست کتے اور سور کے گوشت کی مختلف فیہ ہو چنانچہ عبارت فارسی اس

کتاب کی بجنسہ نقل کی جاتی ہو۔ وشستن منی از برای استقذار بود و امت نہ بنا بر نجاست و بر نجاست
خمر و دیگر مسکرات دلیلے کہ صالح تمسک باشد موجود نیست و ہر نجس حرام ست و ہر حرام نجس نیست کیف
کہ اصل در ہمہ چیزہا طہارت ست و در نجاست سگ و لحم خوک خلاف ست و ہر خون وادی نجس نیست
و دم مسفوح حرام ست نہ نجس انتہی سوم اسی طریقۂ محمدیہ کے صفحہ ۱۰۸ مین اور فتح المغیث کے صفحہ ۱۴ و
۱۵ مین لکھا ہو کہ واجب نہین زکوٰۃ مگر اونٹ گاے بکری مین اور اموال تجارت مین بھی زکوٰۃ نہین ہو اور
زیور پر بھی اس مفتی نے عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا ہو چنانچہ کتاب نہج المقبول مطبوعۂ مذکور کے صفحہ ۲۵
مین اس مضمون کو لکھا ہو خلاصہ اسکا یہ ہوا کہ تجارت اور سوداگری کے مال مین اگرچہ کرورہا روپے
کا ہو اور دمثل بھینس اور بھیڑ وغیرہ جانورون مین اگرچہ کرورہا روپے کے ہون اور سونے اور چاندی کے
زیور مین اگرچہ کرورہا روپے کا ہو زکوٰۃ نہین ہو پس جب لوگ یونہین زکوٰۃ کے ادا کرنے مین باوجود
فرض ہونے کے سستی اور غفلت کرتے تھے اور تاہم اموال تجارت اور زیور مین ہزارون اور لاکھون
روپے کی زکوٰۃ نکالتے تھے اور غربای اہل اسلام اُس سے فیض پاتے تھے اب تو مجتہد غیر مقلدین نے حکم لگادیا
کہ زکوٰۃ ان چیزون مین واجب نہین بہانہ بازون اور حیلہ سازون کو سند مل گئی افسوس کہ دروازہ خیر کا
بند ہوگیا اور مجتہد صاحب بھی مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ کے پورے پورے مصداق ہوگئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا
اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ چہارم ایک طلاق سے زائد دو طلاقین دی ہون یا تین اور بیچ مین رجوع نہ کیا ہو
تو دو طلاقین یا تین طلاقین واقع نہونگی اور اُسکے خاوند کو وہ عورت بغیر حلالہ (یعنی بغیر نکاح دوسرے شوہر کے)
درست ہوجائیگی چنانچہ یہ مسئلہ اسی کتاب طریقۂ محمدیہ کے صفحہ ۲۶ مین مرقوم ہو اور اسی طرح صفحہ ۲ فتح المغیث
مین لکھا ہو کہ حلالہ کرنا حرام ہو (یعنی مطلقہ ثلاثہ کا نکاح دوسرے شخص سے کرکے پھر اپنے نکاح مین پھیر لینا)
حالانکہ یہ مسئلہ تمام اہل اسلام بلکہ نص قرآن کے خلاف ہو کہ فرمایا اللہ تعالی نے فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ
مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ یعنی جو اپنی بیوی کو تین طلاقین دے تو پھر نکاح اُس عورت کا اُس مرد
سے جائز نہوگا جب تک کہ وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے پس بموجب نص قرآنی کے جو نکاح ثانی مطلقہ کا بعد حلالہ
کرنے کے زوج اول پر حلال تھا اسکو مجتہد صاحب نے اپنی رای سے حرام کردیا پنجم مرد پر سونے کا زیور حرام ہو اور چیزون کا
چنانچہ یہ عبارت طریقۂ محمدیہ کے صفحہ ۳۸ و فتح المغیث کے صفحہ ۲۵ مین واقع ہو جسکا خلاصہ یہ ہوا کہ مرد کو خواہ
وہ مولوی ہو یا واعظ مفتی ہو یا قاضی گنتا ہو یا ہیجڑا چاندی کی بالیان بالے کڑے چھڑے کنگن وغیرہ زیور درست ہو
سے این کار از تو آید و مردان چنین کنند ششم اُسی کتاب فتح المغیث کے صفحہ ۹ مین لکھا ہو۔ اور کافی ہو
مسح کرنا بعض سر کا اور مسح کرنا پگڑی اور عمامے پر انتہی جسکا مطلب یہ ہوا کہ اگر بعض سر کا مسح نہ کرے تو پگڑی یا عمامے پر مسح

کرنا کافی ہو حالانکہ یہ خلاف نص قرآنی کے ہو فَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ ہفتم اسی فتح المغیث کے صفحہ ۹ مین لکھا ہو کہ وضو لیٹنے سے ٹوٹتا
انتہی اس سے معلوم ہوا کہ نیند کو کچھ دخل نہین فقط لیٹنے سے بغیر سوئے وضو جاتا رہتا ہو حالانکہ یہ باطل ہو ہشتم اسی کتاب کے صفحہ ۹ مین وضو کے
توڑنے والی تیمم کی وہی چیزین توڑنے والی وضو کی ہین انتہی پس اس سے معلوم ہوا کہ پانی کے دیکھنے اور اسپر قدرت پانے سے تیمم نہین ٹوٹتا
حالانکہ یہ غلط ہو نہم اُسی کتاب کے صفحہ ۱۰ مین لکھا ہو کہ اگر خلل پڑے نماز مین امام کی تو وہ خلل امام پر ہو نہ مقتدیون
پر انتہی اس سے ظاہر ہوا کہ اگر امام جنبی ہو یا اُس سے کوئی فرض ترک ہو یا اُسکا کپڑا نجس ہو یا اُسنے وضو نہ کیا ہو یا وضو
اُسکا ٹوٹ گیا ہو تو فقط امام کی نماز فاسد ہوگی اور مقتدیون کی نماز مین کچھ نقصان نہ آئیگا حالانکہ یہ باطل ہو
دہم اُسی کتاب کے صفحہ ۱۵ مین لکھا ہو کہ حرام ہو زکوٰۃ بنی ہاشم اور اُنکے غلامون پر اور آسودہ اور تندرست کمانے پر
انتہی اسکا یہ مطلب ہوا کہ مصرف زکوٰۃ کے واسطے بیماری لازم ہو اور اگر فقیر تندرست ہوگا تو اُسکو زکوٰۃ لینی حرام
ہوگی حالانکہ یہ محض غلط ہو یازدہم اُسی کتاب کے صفحہ ۲۵ مین مرقوم ہو کہ جائز ہو دودھ پلانا بڑی عمر والے کا
اگرچہ داڑھی رکھتا ہو واسطے جائز ہونے نظر کے انتہی یہ بات تو موافق مطلب بعض یارون کے کہی یعنی اگر کوئی جوان
مرد کسی عورت مرضعہ پر عاشق ہو تو وہ اُس دودھ پینے کے بہانے سے اُس عورت کو ہر روز دیکھا کرے اور اسکی چھاتیان
پھرے پس جس عورت سے یہ بات حاصل ہو تو پھر پردہ چہ معنی دارد دوازدہم وضو مین بجای پاؤن دھونے کے
مسح فرض ہو چنانچہ فتاوای ابراہیمیہ مصنفہ مولوی ابراہیم غیر مقلد مطبوعہ مطبع دھرم پرکاش الہ آباد کے صفحہ ۱۲ مین
مسطور ہو حالانکہ یہ رافضیون کا دستور ہو سیزدہم پیشاب کے بعد پانی سے استنجا کرنا اور ڈھیلا لینا بدعت ہو
چنانچہ کتاب اعتصام السنہ کے صفحہ ۱۹ و ۲۰ و ۲۷ مین تصریح اسکی موجود ہو اور بدعت اُنکے نزدیک ایسا فعل ہو
کہ جو آنحضرت کے بعد ہوا ہو اور ہر بدعت ضلالت ہو اور ہر ضلالت فی النار پس ہر بدعتی اُنکے نزدیک ناری اور
دوزخی ٹھیرا تو کلوخ اور پانی سے استنجا کرنے والا بھی دوزخی ہوا حالانکہ یہ سنت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو
پس بقول انکے معاذ اللہ حضرت عمرؓ بھی بدعتی اور دوزخی ٹھیرے چہاردہم جو کوئی اپنی بی بی سے جماع کرے
اور انزال نہو تو اُسکی نماز بغیر غسل کے درست ہو چنانچہ کتاب ہدایت قلوب قاسیہ جواب گلزار آسیہ تصنیف مولوی
محمد سعید شاگرد مولوی نذیر حسین کے صفحہ ۳۶ مین موجود ہو پانزدہم تیرہ رکعت سے زیادہ نوافل پڑھنا اور
تہائی رات سے زیادہ عبادت مین جاگنا بدعت مذمومہ ہو چنانچہ کتاب معیار الحق مصنفہ مولوی نذیر حسین مطبوعہ دہلی
کے صفحہ ۲۲ مین مذکور ہو خلاصہ یہ کہ اکثر شب یا تہائی رات سے زیادہ عبادت کرنا جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام
و صحابۂ کرام و اولیای عظام مثل حضرت غوث اعظم وغیرہ سے ثابت ہو انکے نزدیک گناہ ہو معاذ اللہ شانزدہم
سوتیلی خالہ یعنی جسکا باپ ایک ہو اور مان جدا جدا اُس سے اُسکے بھانجے کا نکاح درست ہو چنانچہ فتوای مہری مولوی
عبد القادر غیر مقلد امام کالی مسجد دہلی مین مرقوم ہو کہ جسپر اُنکے اُستاد مولوی نذیر حسین کی مہر بھی ثبت ہو ہفدہم

پنیر شام کا جو سور کے پنیر مایہ سے بنایا جاتا اُسکا مشہور ہی یا اور چیزین مثل جوخ کے کہ جنمین سور کی چربی پڑتی مشہور ہی جب وہ آنحضرت کے پاس آتی تھین تو آپ بلا دریافت کھاتے تھے چنانچہ یہ عبارت فتوای مہری مولوی عطا محمد مندرجہ کتاب اظہار الحق مطبوعہ مطبع اتالیق ہند لاہور کے صفحہ ۱۷۱ مین مرقوم ہی اور اس جلے مین مولوی نذیر حسین وغیرہ علمای غیر مقلدین کی بھی مہرین موجود ہین اور اُسکے چھپوانے مین مولوی نذیر حسین نے بڑی کوشش فرمائی چنانچہ خود مصنف رسالہ مذکور نے عنوان کتاب مین اس امر کی تصریح کردی ہی اب جای انکار باقی نہین نعوذ باللہ من ذلک کہ آنحضرت صلعم پر ایسی ایسی حرام چیزون کے استعمال کرنے کا سراسر بہتان اور اتہام ہی اور پھر ایسے خرافات مضامین کی اشاعت مین علما کا سعی اور کوشش کرنا باعث سوء انجام و موجب ہدم بنیان اسلام ہی نہین معلوم غیر مقلدین ایسی باتون کو بمقابلہ مقلدین کے از راہ نفسانیت جان بوجھکر چھپواتے ہین یا بسبب نادانی اور بے سمجھی کے ایسے امور انسے ظہور مین آتے ہین بہر حال

فَاِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِيْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ	وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِيْ فَالْمُصِيْبَةُ اَعْظَمُ

جواب سوال دوم

ایسے غیر مقلدون سے جو عقائد و عملیات مذکورہ کے قائل ہین مخالطت اور مجالست کرنا اور انکو مساجد مین آنے دینا شرعًا ممنوع اور باعث خوف فتنۂ دین ہی کیونکہ مسائل متذکرۂ بالا سے معلوم ہوا کہ وہ اہل بدعت ہین اور مخالف ملت اہل سنت ہین اور مجالست و مخالطت اہل بدعت سے شرعًا ممنوع ہی جیسا کہ حدیث شریف مین بروایت عقیلی وارد ہی عَنْ اَنَسٍ رض اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِيْ وَاخْتَارَ لِيْ اَصْحَابِيْ وَاَصْهَارِيْ وَسَيَاْتِيْ قَوْمٌ يَسُبُّوْنَهُمْ وَيَنْتَقِصُوْنَهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوْهُمْ یعنی فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تحقیق اللہ تعالے نے اختیار کیا مجکو اور اختیار کیا میرے واسطے میرے صحابہ کو اور میری سسرال والون کو اور عنقریب آئیگی ایک قوم کہ گالیان دیگی اونکو اور منقصت چاہیگی انکی پس نہ بیٹھو تم اُنکے ساتھ اور نہ پیو تم اُنکے ساتھ اور نہ کھاؤ تم اُنکے ساتھ اور نہ نکاح کرو تم اُنکے ساتھ اور حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب نے اس آیت وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ کی تفسیر مین فرمایا ہی در حقائق تنزیل مذکور است کہ سہل بن عبد اللہ تستری فرمودہ اند کہ مَنْ صَحَّ اِيْمَانُهٗ وَاَخْلَصَ تَوْحِيْدَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يُوَانِسُ اِلَى الْمُبْتَدِعِ وَلَا يُجَالِسُهٗ وَلَا يُوَاكِلُهٗ وَلَا يُشَارِبُهٗ وَيُظْهِرُ مِنْ نَفْسِهِ الْعَدَاوَةَ وَمَنْ دَاهَنَ مُبْتَدِعًا سَلَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ تَحَبَّبَ اِلٰى مُبْتَدِعٍ نَزَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى نُوْرَ الْاِيْمَانِ مِنْ قَلْبِهٖ یعنی مرد صحیح الایمان را باید کہ با بدعتیان انس نگیرد و ہم مجلس و ہم کاسہ و ہم نوالہ با ایشان نشود و ہر کہ با

بدعتیان دوستی پیدا کند نور ایمان و حلاوت آن از وی بر گیرند انتہی اور طحطاوی نے حاشیۂ در مختار کی کتاب الذبائح مین فرمایا ہی وَهٰذِهِ الطَّائِفَةُ النَّاجِيَةُ قَدِ اجْتَمَعَتِ الْيَوْمَ فِي الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَهُمُ الْحَنَفِيُّوْنَ وَالْمَالِكِيُّوْنَ وَالشَّافِعِيُّوْنَ وَالْحَنْبَلِيُّوْنَ وَمَنْ كَانَ خَارِجًا مِنْ هٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالنَّارِ اِنْتَهٰى یعنی یہ گروہ نجات پانے والا مجمع ہو آجکے دن چارون مذہب مین اور وہ لوگ حنفی اور شافعی اور مالکی اور حنبلی ہین اور جو شخص ان چارون مذہب سے اس زمانے مین خارج ہوا سو وہ بدعتی اور دوزخی ہی اور یہی مضمون اور بہت سے کتب دینیہ مین موجود ہی ضرورۃً اسی قدر قلیل پر اختصار کیا

جواب سوال سوم

اگرچہ درصورت مراعات مذہب مقتدی کے بشرطیکہ امام کسی مفسد و مبطل صلوۃ کا مرتکب نہو اقتدا کرنا جائز ہی لیکن اب معلوم ہوا کہ انکے پیچھے نماز درست نہین ہی کیونکہ مسائل مذکورہ اور عقائد مسطورہ بعض موجب کفر اور بعض مفسد نماز ہین اور سوا اسکے جبکہ شافعی المذہب متعصب کے پیچھے اقتدا جائز نہوئی جیسا کہ فتاوی عالمگیری و جامع الرموز مین مرقوم ہی اَمَّا الْاِقْتِدَاءُ بِالشَّافِعِيِّ فَلَا بَاْسَ بِهٖ اِذَا لَمْ يَتَعَصَّبْ اَيْ لَمْ يَبْغُضِ الْحَنَفِيَّ یعنی شافعی کے پیچھے اقتدا کرنا مضایقہ نہین بشرطیکہ متعصب نہو یعنی حنفیون سے بغض و عداوت نہ رکھتا ہو پس ان غیر مقلدین لامذہب کے پیچھے تو بطریق اولی اقتدا جائز نہوگی کہ یہ تو حنفیون کے نام سے جلتے ہین اور مقلدین کو علانیہ بُرا کہتے ہین بلکہ مشرک اور بدعتی سمجھتے ہین اور اس سے بڑھکر ایک بات ان لامذہبون کے حق مین محدث نامی علامۂ شامی نے حاشیۂ رد المحتار مین لکھی ہی کہ ہمارے زمانے کے وہابی عبد الوہاب نجدی کے پیرو اور تابع مثل خارجیون کے ہین جنھون نے حضرت علی رض کی مخالفت کرکے اُنکے لشکر سے خروج کیا تھا پس جب لامذہب مثل خارجیون کے ٹھیرے اور خارجی مثل باغیون کے ہوے تو جو حکم باغیون کا ہو وہی حکم لامذہبون کا ٹھیرا کَمَا فِي الْبَدَائِعِ وَلَا يُصَلّٰى عَلٰى بُغَاةٍ بَلْ يُكَفَّنُوْنَ وَيُدْفَنُوْنَ یعنی اُنکے جنازے کی نماز نہ پڑھی جائے صرف اُنکو کفن دے کے دفن کردین وَحُكْمُ الْخَوَارِجِ عِنْدَ جُمْهُوْرِ الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِيْنَ حُكْمُ الْبُغَاةِ وَذَهَبَ بَعْضُ الْمُحَدِّثِيْنَ اِلٰى كُفْرِهِمْ یعنی حکم خارجیون کا نزدیک جمہور علمای محدثین و فقہا کے حکم باغیون کا ہی اور بعض محدثین تو انکے کفر کے قائل ہوگئے (شامی صفحہ ۳۹ جلد ۳ مطبوعہ مصر)

واضح ہو

کہ شہر دہلی مین فیمابین ہر دو فریق کے نوبت نزاع کی یہانتک پہونچی کہ عدالت دیوانی اور فوجداری مین

مقدمات دائر ہو گئے تھے سو صاحب کمشنر بہادر دہلی نے فریقین کے بعض لوگون کو اپنی کوٹھی پر بلا کر واسطے دفع فساد کے باہم ملاپ کرانا چاہا چنانچہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۹۸ھ ہجری کو ایک کاغذ لکھا گیا کہ کوئی شخص ایک دوسرے سے متعرض نہو اور بشرط مراعات عدم مفسدات نماز و ترک طعن فقہ و فقہا کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھلے پس ہم لوگ تو اس شرط پر راضی ہو گئے مگر انھون نے اُسکو نہ مانا اور جا بجا ظاہر کیا کہ مقلدین نے اِس فیصلے کو کو جائز نہین رکھا باوجودیکہ انھون نے مواہیر اور دستخط کر دیے تھے حالانکہ مضمون اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ کا مخفی رکھا گیا اگر یہ مسائل مقلدین کی بحسب اقرار خود مراعات کرین تو اِنکے پیچھے نماز پڑھ لینے مین ہمارا کوئی حرج نہین فقط هٰذَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ

حررہ وصی العبد

وصی احمد السنی الحنفی السورتی

مواہیر و دستخط علمای دہلی و کانپور وغیرہ

هوالموفق	هوالعلی	هوالمصوب
الجواب صحیح والمجیب	اصاب و اجاد من اجاب و افاد	ایسا شخص بہیأت کذائی گروہ
مصیب - حررہ الفقیر	واللہ سبحانہ اعلم و علمہ اتم	اہل سنت و جماعت سے
الی رحمۃ الاحد	واحکم - حررہ العبد الخامل محمد عادل	خارج ہو اور نماز اُسکے پیچھے
القاضی شیخ احمد	عاملہ اللہ تعالی بفضلہ الشامل وجعلہ	نہ پڑھنا چاہیے - کتبہ الفقیر
عفا عنہ اللہ الصمد	من الآمنین یوم الزحف والزلازل	الی اللہ الغنی محمد علی عفی عنہ

هوالموفق

مجیب لبیب نے جو مسائل و احکام مخالف فرقۂ اہل سنت و جماعت غیر مقلدین کے فرقۂ اہل سنت سے خارج ہونے پر بطور دلیل کے اُنکی کتابون سے لکھے ہین اُنہین سے بعض احکام اُنکی بعضی کتابون مین راقم نے بھی دیکھے ہین غیر مقلدین کے یہ مسائل مخترعہ و احکام مبتدعہ بلاشبہہ قابل رد

و انکار ہین کہ اُنہین سے بعضے موجب کفر اور بعضے موجب فسق و ابتداع اور عموماً یہ سب احکام اہل سنت کے نزدیک محض لغو اور بے اعتبار ہین ایسے احکام مخالف اہل سنت کا معتقد و ملتزم بلاشبہہ اہل سنت کی جماعت سے خارج ہو اور جب وہ شخص ایسے مسائل مخالف کے التزام سے اہل سنت کی جماعت سے خارج ہوا تو اُسکے پیچھے اہل سنت کو نماز پڑھنا ناجائز ہی اور اگر ایسے شخص کے مسجد مین آنے سے فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہو تو انسداد فتنہ کے لیے مسجد مین آنے سے منع کرنا بہتر ہی - واللہ اعلم

کتبہ محمد عبد اللہ الحسینی الواسطی البلگرامی عاملہ اللہ بلطفہ العمیم الشامی.

مدرس مدرسہ عربی کانپور

صح الجواب | الجواب صحیح | المجیب مصیب

مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی | امام مسجد حوض | ابن کریم اللہ

ذلک کذلک | الجواب صحیح | ذلک کذلک | صح الجواب | المجیب مصیب

الجواب بالصواب

فی الحقیقۃ اگران لوگون کے یہ عقائد اور یہ اعمال ہین تو ایسا ہی ہو جیسا مجیب صاحب نے جواب دیا

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

صح الجواب

واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم

هوالفتاح

فی الواقع اس فرقۂ لامذہب کو کہ جنکے عقائد موافق تحریر مفتی تحریر ہین اہل سنت و جماعت سے خارج سمجھنا اور اونکے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور بسبب فتنہ وفساد کے اُنکو مساجد مین آنے نہ دینا بجا اور درست ہو۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب حررہ الراجی عفو ربہ القوی الحافظ فتح محمد الفاروقی الحنفی لدھیانوی

بے شبہہ جو غیر مقلدین ایسے ہون کہ عقائد انکے خلاف اہل سنت و جماعت و سلف صالح کے ہون اور مقلدین کو اپنے زعم فاسد مین مشرک اور بدعتی سمجھتے ہون تو انکے پیچھے نماز پڑھنا اور انکو بسبب فتنہ وفساد کے اپنے مساجد مین آنے دینا جائز نہین واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

ابو الجیش محمد مہدی عفا عنہ اللہ الہادی القرنجی محلی

مواہیر و دستخط علمای مقام لودھیانہ و دیوبند

تخمینا مدت ۴۸ سال یعنی ۱۲۵۲ھ سے ۱۳۰۰ھ تک اس فرقے کو خوب دیکھا مسائل مندرجہ فتوای ہذا کے سوا بڑی بڑی مخالفت حدیث پر یہ فرقہ جری ہو مولانا اسحق صاحب مرحوم برملا انکو ضال مضل وعظ مین فرمایا کرتے تھے اور یہ لوگ باہر نکل کے کہتے کہ میان صاحب کا مذہب وہی ہی جو ہمارا ہی ظاہر مین ایسا کہدیا ہی اسی طرح ہر عالم دیندار کو ہم مذہب اپنا بتلا کر دین محمدی سے اور قرآن و حدیث سے منحرف کرتے ہین انکے دین محمدی سے

مخالف ہونے اور سنت جماعت کے مخالف اور دشمن ہونے مین کچھ شک و شبہہ نہین ہی جیسے روافض و خوارج کے پیچھے نماز پڑھنی ویسے ہی انکے پیچھے نماز پڑھنی ہی انکی امامت جائز نہین ہی تفصیل طول رکھتی ہی واللہ اعلم

چونکہ گروہ شرذمۂ لامذہبیۂ اہل بدع و ہوا مین سے ہین اسلیے انسے حتی الامکان احتراز ضروریات سے ہو۔ وما علینا الا البلاغ الراجی رحمۃ ربہ الباری ابو البشیر عبد العلی القاری

یہ فرقہ غیر مقلدین بیشک خارج اہل سنت و جماعت سے ہو انسے مجالست کرنی ایسی ہو جیسے کہ اہل ہوا اور بدعقیدون سے امامت انکی جائز نہین کیونکہ عقائد اور عملیات انکے مخالف حدیث و قرآن کے ہین۔ واللہ اعلم بالصواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ غَزْوَۃِ خَیْبَرَ مَنْ اَکَلَ مِنْ ہٰذِہِ الشَّجَرَۃِ یَعْنِی الثُّوْمَ فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ یعنی جو شخص کہ کھائے لہسن کو پس نزدیک نہ پھٹکے ہماری مسجد کے اور موطا امام محمد مین عمر بن الخطاب سے مروی ہو کہ ایک عورت مجذوبہ کو طواف مکہ سے مانع آئے۔ اور فرمایا کہ تو اپنے گھر مین بیٹھ اور لوگون کو ایذا نہ دے۔ اور شاہ عبد العزیز صاحب نے تفسیر عزیزی مین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یون نقل کی ہو کہ ایک دن ایک واعظ کو مسجد کوفہ مین دیکھکر فرمایا کہ یہ کون شخص ہو۔ لوگون نے عرض کیا کہ یہ واعظ ہو لوگون کو گناہون سے روکتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے پوچھو کہ ناسخ منسوخ کو جانتا ہو۔ آپنے کہا کہ مجھکو ناسخ منسوخ کا علم نہین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسکو مسجد سے نکالدو۔ اور نیز شاہ عبد العزیز صاحب نے بہ تحت بیان آیۂ واصبر علیٰ ما یقولون کے لکھا ہو کہ طعن کرنا سلف پر سخت ترین ایذاے لسانی سے ہو اور اشباہ مین لکھا ہو کہ موذی کو مسجد مین آنے سے منع کرنا چاہیے اگرچہ ایذا اسکی لسانی ہو۔ فائدہ پس جب کہ روکنا مسجد کے آنے سے بسبب موجود ہونے ایک امر کے امور مذکورہ سے درست ہوا تو غیر مقلدانکو

جوجامع امور مذکورہ کے ہین نکالنا بطریق اولی درست ہوا اور بسبب لحوق مرض باطنی کے جوجذام سے بڑھکر ہی اور مساجد مین اسکے آنے سے فتنہ وفساد برپا ہوتا ہی اور خداے تعالی مفسدون کو دوست نہین رکھتا کما قال اللہ تعالی وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ باقی تحقیق اس مسأئل کی رسالہ انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد مین جواس عاجز کی تالیفات سے ہی موجود ہی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ

اقرام

خادم العلما محمد حبیب الرحمن لودھیانوی المرقوم سنہ ۱۳۰۰ھ

عقائد اس جماعت کے جبکہ خلاف جمہور اہل سنت ہین تو بدعتی ہونا انکا ظاہر ہی اور مثل تجسیم اور تحلیل چار سے زیادہ ازواج کے اور تجویز تقلید اور برا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر ہو تو اب نماز اور نکاح اور ذبیحے مین انکے احتیاط لازم ہی جیسے روافض اور خوارج کے ساتھ احتیاط چاہیے حررہ محمد یعقوب النانوتوی عفا عنہ القوی

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ محمود حسن عفا اللہ عنہ محمد محمود دیوبندی عفی عنہ

حامداً ومصلیاً۔ فی الحقیقت یہ گروہ غیر مقلدین اور لامذہب خارج ہین اہل سنت وجماعت سے انکو اہل سنت وجماعت مین سمجھنا بڑی غلطی کی بات ہی کسواسطے کہ اہل سنت وجماعت منحصر ہین مذاہب اربعہ مین اور جمیع اہل سنت حنفی ہین یا مالکی یا شافعی یا حنبلی پس جو کوئی بالکلیان چار مذہبون مین سے اس زمانے مین ایک کا بھی مقلد اور پیرو نہو اور اپنے تئین انہین سے ایک کی طرف منسوب نکرے وہ اہل سنت سے

نہین بلکہ وہ خارج مذہب اہل سنت وجماعت سے ہی اور مثل دیگر فرق ضالہ روافض وخوارج ومعتزلہ وجبریہ وقدریہ کے ہی قال الطحاوی فی شرح الدر المختار فعلیکم یا معشر المؤمنین اتباع الفرقۃ الناجیۃ المسماۃ باھل السنۃ والجماعۃ فان نصرۃ اللہ تعالی وحفظہ وتوفیقہ فی موافقتھم وخذلانہ وسخطہ ومقتہ فی مخالفتھم وھذہ الطائفۃ الناجیۃ قد اجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعۃ وھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعۃ فی ذلک الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار انتھی وقال فی التفسیر الاحمدی قد وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للائمۃ الاربعۃ انتھی وقال فی الاشباہ والنظائر تحت القاعدۃ الاولی ما خالف للائمۃ الاربعۃ فھو مخالف للاجماع وان کان فیہ خلاف غیرھم فقد صرح فی التحریر ان الاجماع قد انعقد علی عدم العمل بمذھب مخالف للائمۃ الاربعۃ انتھی قال الفاضل الجلیل الفقیہ المحدث المفسر الشیخ ولی اللہ الدھلوی فی عقد الجید اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ وفی الاعراض عنھا کلھا مفسدۃ کبیرۃ قال رسول اللہ صلعم اتبعوا السواد الاعظم فمن شذ شذ فی النار انتھی قال القاضی ثناء اللہ فی التفسیر المظھری فان اھل السنۃ قد افترق بعد القرون الثلثۃ والاربعۃ علی اربعۃ مذاھب ولم یبق مذھب فی فروع المسائل سوی ھذہ المذاھب الاربعۃ فقد انعقد الاجماع المرکب علی بطلان قول یخالف کلھم وقد قال رسول اللہ صلعم لا تجتمع امتی علی الضلالۃ وقال اللہ تعالی وَمَنْ یَّتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا انتھی پس ثابت ہوا حصر اہل سنت وجماعت کا اس زمانے مین مذاہب اربعہ مین درحسن کسی کا قول مخالف ایمہ اربعہ کے ہوگا وہ مردود اور باطل ہوگا بسبب مخالف ہونے اہل سنت وجماعت کے اور نہ مانا جائیگا اور یہ لامذہب لوگ قائل ہین جواز خروج کے مذاہب اربعہ سے اور حصر مذاہب اربعہ کو باطل سمجھتے ہین چنانچہ معیار الحق مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۸۳ مین مولوی نذیر حسین نے لکھا ہی۔ جبکہ اہل سنت وجماعت منحصر اور مجتمع ہوے مذاہب اربعہ مین بالاجماع تو اب اس انحصار اور اجماع کا باطل کہنے اور سمجھنے والا اور قائل جواز خروج مذاہب اربعہ کا اہل سنت وجماعت مین سے نہین ہی اور مثل دیگر اہل مذاہب باطلہ اور فرق ضالہ روافض وخوارج اور جبریہ اور قدریہ اور مرجیہ وجہمیہ وغیرہم کے ہی پس جبکہ لامذہب اور غیر مقلدین اہل سنت وجماعت سے خارج ہین تو اہل سنت وجماعت کی نماز لامذہبون کے پیچھے نہین ہوگی اور بالکل غیر جائز اور نادرست ہی اور انکے ساتھ مخالطت اور مجالست اور موانست رکھنے سے بھی اہل سنت وجماعت کو پرہیز اور اجتناب

چاہیے کیونکہ مجالست اور مخالطت اور مصاحبت اہل شر و فساد اور اہل بدعت کے ساتھ بموجب حدیث صحیح کے بالاجماع ممنوع ہے قال الامام النووی فی شرح صحیح مسلم قبیل کتاب القدر فی باب استحباب مجالسة الصالحین ومجانبة قرناء السوء فیہ تمثیلہ صلی اللہ علیہ وسلم الجلیس الصالح بحامل المسک والجلیس السوء بنافخ الکیر فیہ فضیلة مجالسة الصالحین واہل الخیر والمروة ومکارم الاخلاق والورع والعلم والادب والنہی عن مجالسة اہل الشر واہل البدع ومن یغتاب الناس او یکثر فجرتہ وبطالتہ ونحو ذلک من الانواع المذمومة انتہی

اور حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

دور شو از اختلاط یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمین بر جان زند
یار بد بر جان و بر ایمان زند
نار خندان باغ را خندان کند
صحبت نیکانت از نیکان کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند
صحبتِ صالح ترا صالح کند

پس اہل سنت وجماعت کو فرقۂ ضالہ لامذہبان غیر مقلدین کی صحبت سے بہت احتراز کرنا اور بچنا چاہیے فر من صحبتہم کما تفر من الاسد کسواسطے کہ صحبت کو بڑا اثر ہے حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ محبوب العارفین میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

نشین با بدان کہ صحبت بد	گرچہ پاکی ترا پلید کند	آفتابی بدین بزرگی را	ذرۂ ابر ناپدید کند

جس حالت میں کہ یہ غیر مقلدین خارج از اہل سنت وجماعت اور داخل اہل بدعت و فرق ضالہ ہوائیہ میں ٹھیرے اور نماز اہل سنت وجماعت کی ان لامذہبوں کے پیچھے غیر صحیح وناجائز ونا درست ہوئی اور مخالطت اور مجالست بھی حسب روایات مذکورہ انسے ممنوع ہوئی تو اہل سنت وجماعت کو چاہیے کہ ان لامذہبوں کو اپنے مساجد سے نکال دیں اور ہرگز نہ آنے دیں اسواسطے کہ انکے آنے سے مسجدون میں شر و فساد و فتنہ و عناد پیدا ہوتا ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی وقت نماز کے لہسن پیاز گندنا وغیرہ بدبودار چیز کہ جسکے کھانے سے منہ میں بدبو پیدا ہو کھا کر مسجد میں آئے تو اُسے دخول مساجد سے منع کرو عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ صلعم من اکل من ہذہ الشجرة فلا یقربن مسجدنا ولا یوذینا بریح الثوم رواہ مسلم وعن ابن عمر ان رسول اللہ صلعم قال من اکل من ہذہ الشجرة یعنی الثوم فلا یقربن المساجد رواہ مسلم وعن عمر بن الخطاب قال انکم ایہا الناس تاکلون شجرتین لا اراہما الا خبیثتین ہذا البصل والثوم ولقد رأیت رسول اللہ صلعم اذا وجد ریحہما من الرجل فی المسجد امر بہ فاخرج الی البقیع فمن اکلہما فلیمتہما

طبخا رواہ مسلم قال النووی فی شرح صحیح مسلم فی باب نہی من اکل ثوما او بصلا او کراثا او نحوہا مما لہ رائحة کریہة عن حضور المسجد حتی یذہب ذلک الریح واخراجہ من المسجد قولہ صلعم من اکل ہذہ الشجرة یعنی الثوم فلا یقربن المساجد ہذا تصریح بنہی من اکل الثوم ونحوہ عن دخول کل مسجد وہذا مذہب العلماء کافة انتہی پس یہ احادیث صحیحہ دال ہیں اس امر پر کہ جس شخص کی ذات سے لوگون کو تکلیف و ایذا پہنچے اُسے مسجد میں نہ آنے دینا چاہیے پھر ظاہر ہے کہ لامذہبون کے مسجدون میں آنے سے شر و فساد اور فتنہ و عناد پیدا ہوتا ہے اور لوگ بے علم بیخبر بیچارے انکی صحبت سے بگڑتے اور خراب ہوتے ہیں پس لازم و مناسب ہے اہل سنت وجماعت کو کہ ایسے غیر مقلدون کو اپنی مسجدون میں نہ آنے دیں اور ایسے مفسد لامذہبون کو اپنے مساجد سے اخراج کرین اور نکالدین والسلام علی من اتبع الہدی وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین حررہ الفقیر المفتقر المذنب الراجی الی رحمة اللہ الاکبر العلی الولی القوی الغنی محمد احسن الدین ابو النصر المعروف بسید محمد اکبر علی الحسنی الجیلانی الحنفی القادری الچشتی النقشبندی الدہلوی غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ

تحقیق مفتی در مسجد ہم موجد فتنہ است والفتنة اشد من القتل وال را اخراج کردن این شرذمۂ باطلہ بویداست اولاً این فرقۂ ناوہین متشابہات انبلا مثل محکمات میدانند چنانچہ در رسالۂ احتوی علی العرش استوی از نواب بھوپال موجود است واین ہمہ بدان عقیدہ باوی متفق اند حالانکہ انصرام از متشابہات بکلام عز وجل وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ ثابت پس مورد من فسر القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار ہمین شرذمہ مبطلانند ثانیاً منکرین قیاس و اجماع اند بنابرآن علیہ مجتہدین را بدمیگویند ومقلدین را مشرک میدانند حالانکہ کتاب اللہ ثابت ست بقولہ عز وجل فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ وبحدیث نبوی نیز وہو ہذا ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین بعث معاذا الی الیمن قال کیف تقضی یا معاذ فقال بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنة رسول اللہ قال فان لم تجد قال اجتہد برأیی فقال علیہ السلام الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ بما یرضی بہ رسولہ فان لم یکن القیاس حجة لانکرہ بل حمد اللہ علیہ

ثالثاً کتمان بطلان عقیدۂ خود عند ظهور الحق بل یسکتون عنه اهل الحق اذا غلبوا علیهم خذلهم الله تعالیٰ بقول حبیبه صلی الله علیه وسلم من سکت عن الحق فهو شیطان اخرس فثبت ان هذا قوم لا یحصے قبائحهم وخیاناتهم فی الدین فحسب علیهم ضرب النعال من اهل الحق والکمال الذین استقروا علیٰ هذه الضابطة ان لا یدخلوا هذا القوم فی مساجدهم ولا یصاحبوا معهم ابدًا او الله تعالیٰ علیهم بما کانوا یفعلون ـ کتبه تراب اقدام اهل الاسلام العبد الضعیف المدعو محمد عبد السلام الکاشمیری وطنا والحنفی مذهبًا والچشتی النظامی الفخری النیازی مشربًا غفر الله له فی حیاته ویدخله الجنة بعد مماته آمین

حبیب بار ربنا بالسلام ۱۲۸۲

نحمد الله العظیم ونصلی علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله وصحبه ذوی الفیض العمیم

ان لامذہبون کے پیچھے جو جامع الشواہد کے عقائد واعمال کے قائل ہین مقلدین اہل سنت وجماعت کو نماز پڑھنا نہ چاہیے کہ یہ لوگ مفسدین فی الدین اور سب ائمہ سلف صالحین بھی ہین اور انکے عقائد واعمال جمہور فقہا ومحدثین کے بالکل خلاف ہین اور جو لوگ ایسے نہین ہین بلکہ سب بزرگان دین اور صوفیۂ کاملین کو مانتے ہین اور سب مقلدین کو علی الحق جانتے ہین اُنکی اقتدا کرنے اور اُنکے پیچھے نماز پڑھنے مین ہمکو کچھ کلام نہین پس جو لوگ مثل جامع الشواہد کو بے سمجھے بوجھے اور بغیر اُن کتابون کیطرف رجوع کیے جنکا حوالہ بقید ہندسہ صفحات دیا ہی برا بھلا کہتے ہین بلکہ گالیان دیتے ہین ہم انکو بھی اہل سنت جماعت سے خارج جانتے ہین اور لامذہب سمجھتے ہین راست گوئی مین کوئی تعصب اور نفسانیت نہین ہی دین کی بات مین صاف صاف نہ کہنا تو منافقون کی شان ہی بلکہ اسمین دین کا نقصان ہی بیان جو دل مین ہی وہی بر زبان ہی سمجھے تو ہزارون لامذہبون اور سیکڑون غیر مقلدون سے کام پڑا اور برسون اور مہینون انسے جھگڑا رہا ہم ہمیشہ انکو صلح کی بات بتاتے رہے اور فساد سے بچاتے رہے لیکن ادھر یہ راضی ہوگئے اور اُدھر وہی مخالفت کی باتین اور وہی شکوہ گلہ اور وہی فساد کی گھاتین

کوئی کوتہ نہ پایا ان تبان سرو بالا مین		جسے دیکھا نظر آیا وہ باون گز کا لنکا مین

چنانچہ اس بیان کی تصدیق اس خط اور اسکے جواب اور واقعہ آگرہ سے جو بھی حال مین ہوا بخوبی ہو جائیگی

خط

از طرف شاہ رحمت اللہ صاحب بخدمت حضرت مولانا صاحب قبلہ غازی پوری دام بالفیض المعنوی والصوری

جناب مستطاب مخدوم مکرمنا مولانا شاہ محمد امانت اللہ صاحب زاد مجدہم

بعد ہدیۂ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے ملتمس ہون کہ انواع واقسام کی خبرین جو بذریعۂ اخبار کے شائع ہوئی ہین علی الخصوص اخبار زمانہ مین - ایسی عجیب تشویش پھیلی ہوئی ہی کہ ہنوز حقیقت واقعہ سے جو لکھنؤ مین میان جلسۂ ندوۃ العلما تصفیہ مین المقلدین وغیر المقلدین ہوا پورے طور پر آگاہی نہین ہوئی اور نیز آگرے مین بھی کیا گذرا کچھ حال معلوم نہوا لہٰذا برای خدا صحیح صحیح واقعات سے مطلع فرمائیے اور مہر کر دیجیے تا کہ ہم لوگون کو اطمینان ہو اللہ تعالیٰ آپ کو جزاے خیر عطا فرمائے - راقم شاہ محمد رحمت اللہ سوداگر ساکن محلۂ خدائی پورہ

جواب

بخدمت شریف برادرم محب قلبی مخلص دلی مقبول بارگاہ الٰہ شاہ محمد رحمت اللہ صاحب تاجر زاد مجدکم

بعد ہدیۂ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ کے واضح ہو کہ آپ کا خط مسرت نمط آیا حال معلوم ہوا واقعی مصالحہ اور ملاپ بمقام لکھنؤ مجمع عام جلسۂ ندوۃ العلما واقعۂ بارہ دری قیصر باغ ضرور ہوا اس طور پر کہ بعد نماز صبح کے مولوی محمد ابراہیم صاحب آروی بمقام لکھنؤ ہمارے فرودگاہ پر مع چند علما کے جنمین مولوی سید محمد علی صاحب ناظم جلسہ بھی تھے تشریف لائے اور اپنے عقائد کو مثل ہم لوگون کے بیان کیا اور اُسی مضمون کی ایک تحریر بدستخط مولوی صاحب ممدوح کے پیش ہم کر رکھی گئی جس سے ہمارا دل بہت خوش ہوا اور ہمنے کہا بارک اللہ جزاکم اللہ - اب ہمارے طبیعت آپ سے صاف ہوگئی - کیونکہ اصل مخالفت آپ سے عقائد کی وجہ سے تھی ہرگاہ آپ نے مثل اہل سنت وجماعت کے اپنا عقیدہ ظاہر فرمایا تو صرف آمین بالجہر اور رفع الیدین ایسا امر نہین ہی کہ مسجدون کی آمد ورفت مین تکرار ہو بہتر ہوگا کہ آج دوسرا جلسہ ندوۃ العلما کا ہی ہزارہا عوام وخواص اور بڑے بڑے علما کا مجمع ہی آپ تشریف لیجا کر اپنا عقیدہ عام طور پر بیان کر دیجیے تا کہ تمام سامعین وحاضرین کی تشفی ہو جائے - اور برسون کا جھگڑا مٹ جائے - مولوی صاحب ممدوح مع ناظم صاحب وفقیر کے جلسے مین تشریف لائے مولوی محمد ابراہیم صاحب نے آبدیدہ ہو کر خدا کو گواہ کر کے کہا کہ جو خیالات عرصے سے میرے دل مین تھے سب کو آج مین نے بطیب خاطر بلا جبر وتعدی نظر انصاف سے واپس لیکر مین اپنا عقیدہ بیان کرتا ہون آپ لوگ سنیے قیامت کے روز میرے اس عقیدے پر آپ لوگون کو گواہی دینا ہوگا - وہو ہذہ مین خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک لہ جانتا ہون اور محمد صلعم کو اللہ کا سچا رسول وخاتم النبیین مانتا ہون اور کل اکابر دین وصحابۂ کرام وائمۂ مجتہدین ومحدثین واولیاء اللہ وعلماے مقلدین کو اپنا پیشوا اور مقتدی جانتا ہون اور اُنکا سچے دل سے ادب کرتا ہون اور اُنکی بے ادبی کرنا اور اُنکی طرف سے کنیچار رہنا گناہ جانتا ہون اور معجزات انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ وکرامات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو برحق سمجھتا ہون اور ہم مقلدین ائمۂ دین اور اہل حدیث ہر ایک دوسرے کو موحد ومومن کہتے ہین اور کسی مومن کو مشرک اور بدعتی کہنا سخت گناہ جانتے ہین - اور نہ خود کسی مقتدی اور امام کو برا کہتے ہین اور نہ کسی کو

بُرا کہنا یا بُرا جاننا جائز رکھتے ہین اور قیامت مین اللہ تعالی کے دیدار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت
کے امیدوار ہین اور پوری آیت باللہ پڑھی اور حاضرین کو اسپر گواہ رکھا جب مولوی محمد ابراہیم صاحب فارغ ہوچکے تو مین کھڑا ہوا اور مین نے آواز
بلند کہا بارک اللہ جزاکم اللہ اسوقت آپ کی تقریر نہایت دلچسپ اور اطمینان بخش ہوئی مرحبا شاباش
ہم لوگون کو آپ لوگون سے نفرت کی وجہ اور کدورت کی علت محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد باطلہ
سے موافقت کرنے کے سبب تھی جس نے صدہا علما کو مکہ معظمہ مین قتل کرڈالا اور حرم شریف مین خون
کی ندی بہادی یہ وہ جگہ ہو کہ جسکی شان مین حق تعالی فرماتا ہو وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا حتے کہ کسی
ذی روح اور چیونٹی اور جوُن کو بھی ستانے اور مارنے کی ممانعت ہو افسوس کہ وہان ابن وہاب نجدی خدا ناترس
نے علماے مقلدین کے قتل کرنے کا حکم لگا دیا جیسا کہ شامی حاشیہ درمختار مین وارد ہو فَاسْتَبَاحُوا بِذٰلِكَ
قَتْلَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَعُلَمَائِهِمْ حال آنکہ وہ علما تعزیہ پرست نہ تھے قبر پرست نہ تھے بت پرست نہ تھے
مشرک نہ تھے فاسق نہ تھے فاجر نہ تھے ہان مقلد مذہب تھے تب پھر مولوی صاحب نے فرمایا کہ مین ہرگز
اُنکا تبع نہین ہون اور نہ کوئی مجھکو اُنسے واسطہ ہو غرض کہ جلسہ برخاست ہوا تیسرے روز پھر اس امر مین
گفتگو پیش ہوئی کہ ایسے عقائد والے جیسا کہ مولوی صاحب نے بیان کیا ہو مسجدون مین آئین جائین
اتحاد و محبت قائم رکھین چونکہ مولوی ابراہیم صاحب نے اپنے دستخطی تحریر مین بعد بیان عقائد صحیحہ یہ
لکھا تھا کہ نماز ایک کی دوسرے کے پیچھے بلا کراہت درست ہو۔ ہمنے کہا اسمین اسقدر اور شرط لگائیے
کہ جو امام ہو مقتدیون کی رعایت وضو و غسل وغیرہ مین ضرور ملحوظ رکھے اور ناظم صاحب و دیگر علماے حاضرین نے
بھی اس شرط کے ساتھ اتفاق فرمایا مگر مولوی عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے منظور نکیا۔ اور مولوی ابراہیم صاحب
کو بھی اس سے باز رکھا اور یہ کہا کہ ایک لفظ بھی اگر اس رقعہ مین بڑھ گئے گا تو ہماری دستخط نہ ہم صلح مین شریک
یہ کہکر مولوی ابراہیم صاحب وغیرہ کو اس مقام سے اُٹھا کر لیے چلے گئے اسپر علماے حاضرین کو بڑا افسوس ہوا کہ
صلح اور اتحاد کی بنی بنائی بات صرف ایک شخص کی مخالفت سے بگڑگئی اور اس شخص کو سواے بدنامی و رخنہ
اندازی و فتنہ پردازی کے کوئی بات حاصل نہوئی گرد ہی نقل ہے شنیدم کہ از قیبان دامن کشان کوہ دشتی
گوشت خاک شد ہم بربادہ رفتہ باشند آخر سب علما کی یہ راے قرار پائی کہ ہم تمام مقلدین مین باخود بالحاظ
بلا التزام ہو کہ حنفی جب امام ہو شافعی وغیرہ کی رعایت ضرور ملحوظ رکھے اور شافعی امام ہو تو دوسرے ایمہ
مجتہدین کے مقلدین کی ضرور رعایت کرے گو یہ لوگ نہین مانتے ہین نہ مانین مگر بعض علماے حاضرین کی
یہ راے ٹھیری کہ بلا اس شرط کے مانے ہوے کیونکر انکے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہو یہانتک کہ جلسہ برخاست ہوا اور
نماز ان لوگون کے پیچھے جائز نہین رکھی گئی دوسرے روز سب لوگ اپنے اپنے مکان کو روانہ ہوے
عنقریب کیفیت لکھنؤ کی چھپ کر آئیگی اُسکے دیکھنے سے اس میرے بیان کی پوری پوری تصدیق آپکو ہوجائیگی

واقعہ آرہ

مولوی محمد ابراہیم صاحب میری ملاقات کو غازی پور تشریف لائے اور میری دعوت کرکے آرہ لیگئے مین اپنی جماعت
کے ساتھ مولوی ابراہیم صاحب کے مکان پر گیا مولوی صاحب کو مع ہم عقائد اہل حدیث کے اپنے ہمراہ لیکر انکی مسجد
مین مختصر وعظ صلح و اتفاق باہمی کا بیان کرکے مولوی صاحب کو جامع مسجد مین لایا مولوی صاحب نے
عمدہ عقائد و مضامین کے ساتھ وعظ فرمایا اثناے وعظ مین چودھری حاجی شجاعت علی صاحب رئیس آرہ نے
کہا کہ ایمہ مجتہدین کا کچھ تذکرہ فرمائیے مولوی صاحب نے بڑے زور شور سے تعریف ایمہ مجتہدین اور علماے مقلدین کی
بیان فرمائی اور بعد ختم وعظ کے یون دعا کی۔ اے اللہ مجھکو ایمہ مجتہدین و محدثین کی فرمانبرداری مین زندہ رکھنا
اور انکی محبت مین مارنا اور قیامت مین اُنکے تابعدارون مین محشور کرنا۔ تمام حاضرین کو بڑی خوشی ہوئی یہانتک
کہ ایک دوسرے سے ملے اور جوش محبت سے طرفین کے دلون پر ایک عجیب رقت رہی۔ الحمد للہ کہ آرے
مین مصالحت کا رنگ خوب جم گیا عشا کی نماز ہوئی چونکہ مین مسافر تھا قصر کی وجہ سے حافظ عبدالرزاق
صاحب پیش امام جامع مسجد نے نماز پڑھائی باخود ابکی محبت اور باہمی صلح کا اثر تھا کہ ہم مذہب مولوی
ابراہیم صاحب جو میرے بغل مین تھے نہ زور سے آمین کہی نہ رفع الیدین کیا اور جس نے آمین بالجہر کی بھی تو ایسی
خفیف آواز سے کہ اُنکے قریب والا آدمیون نے سنی اس سے سب کو بڑی خوشی ہوئی اور نہایت خرمی کے ساتھ
ایک دوسرے کو اپنا محب صادق سمجھنے لگا اور آپس مین خیال ازدیاد محبت کا ہوگیا۔ مگر غازیپور۔ بنارس۔ و دیگر بلاد
مین ہنوز تصفیے کا عنوان کوئی قائم نہین ہوا اسوجہ سے ہنوز کوئی غیر مقلد مقلدین کی مسجد مین نہین آسکتا اور
نہ کوئی مقلد غیر مقلدین کی مسجد مین جاسکتا غازی پور مین فقیر نے خود حافظ عبداللہ صاحب سے (جو سرگروہ
غیر مقلدین ہین) کہا کہ صرف جسقدر مولوی ابراہیم صاحب نے جلسۂ ندوۃ العلماے لکھنؤ مین بیان کیا ہو اور
آپ نے بھی اُسکو بیان سنا ہو آپ بھی کہدیجیے اور مسجدون مین باہم آمد و رفت رکھیے اور کسی ایک دوسرے کو
منع نکیجیے مگر یہ حضرت راضی نہین ہوے اور کہا کہ جسطور پر مولوی ابراہیم نے کہا ہو مین ہرگز نہین کہونگا پھر کیونکر
مصالحت ہوتی اور مولوی محمد سعید بنارسی سے بھی بنارس کے لوگون نے کہا کہ جسطور پر مولوی ابراہیم صاحب نے
اپنی صفائی کرلی آپ بھی ویسے ہی عقائد کا اظہار کردیجیے تو مسجدون مین آئیے جائیے مگر اُنھون نے بھی حافظ عبداللہ
صاحب کی طرح سے نہ مانا بلکہ اُنسے زیادہ شورش کی اور تمام لوگون مین اپنے انکار کا اشتہار دیا اور مولوی ابراہیم
صاحب کو سخت کلامی سے یاد کیا تب بنارس کے لوگون نے بھی جواب دیا کہ آپ لوگ اگر پہلے عقائد پر جمے
رہینگے تو ہرگز مساجد احناف مین نہین جاسکتے۔ چنانچہ غازیپور۔ بنارس۔ مرزاپور۔ وغیرہ وغیرہ مین نہ غیر مقلدین نے عقیدے
کی صفائی ظاہر کی اور نہ صلح کی بات ہونے دی خدا رحم فرمائے اور مسلمانون کو باہمی اتفاق کی توفیق دے اور
فتنہ و فساد کی باتون سے بچائے افسوس صد افسوس ہو ان مولویون پر جنکے مزاج

مین اصلاح اصلا نہین ہو بلکہ بجھی ہوئی آگ کو مشتعل کرنا چاہتے ہین اُسے
میرے خدا اتفاق و محبت امت محمدیہ کو عطا فرما آمین ثم آمین -
حقیر فقیر محمد امانت اللہ عفی عنہ

حامداً و مصلیاً و مسلماً حضرت مولانا شاہ امانت اللہ صاحب فصیحی غازیپوری مدظلہم العالی کی
اس تحریر حق پذیر نے تو غالیان لامذہب اور متعصبان مذبذب کی دروغگوئی و حیلہ جوئی اور نا انصافی و کید بازی کی
ساری قلعی کھولدی بلکہ ان لوگون کی صورت پُر کدورت آئینۂ واقعۂ آرہ مین دکھادی یعنی ہم لوگون کی صلح و
راستی اور اُن لوگون کی نفسانیت و کج بحثی صاف صاف بلا اعتساف بتادی سے لامذہبی اب کیا ہی
ہمہ قیدی کی آزادی + بے قیدیِ مذہب مین ہو دین کی بربادی + کہتے ہو بُرا سب کو اس سخت کلامی کی +

تنے ہی بناڈالی الکوزُ علے البادیٔ +
حرره ـــــــــــــ
العبد الاواہ ابو محمد سلامۃ اللہ غفر لہ اللہ وعفاہ
مَنْ اَجَابَ لقد اصاب

من جاء بالجواب قد فاز فوزاً عظیماً من الحدیث والکتاب

اسمین کوئی شک نہین کہ حضرت مولانا شاہ امانت اللہ صاحب فصیحی غازیپوری نے موافق منشای اہل اسلام
حسب مقاصد ندوۃ العلما کے آپس مین میل جول اور ایک دوسرے کے پیچھے بلا کراہت نماز پڑھنے کے واسطے سب
کوشش کی تھی اور ان لامذہبیون کے ظاہری اقرار کی وجہ سے سب مقلدون نے باواز بلند علی رؤس الاشہاد
کہدیا تھا کہ اب ہمارے انکے پوری صفائی ہو گئی اور کوئی بات رکاوٹ کی باقی نہین رہی اب ہمکو چاہیے
کہ آپس مین مثل برادران حقیقی کے اتحاد و محبت کا برتاو رکھین مگر افسوس
کہ بعض متعصب لامذہبون کی مخالفت سے اتحاد کی صورت پیدا نہین ہوئی

مواہیر و دستخط علماے شہر اندور و چھاونی

الجواب صحیح ھکذا فی کتب الفقہ
والحدیث خادم شرع رسول اللہ
قاضی حبیب اللہ اندوری -

من اجاب اصاب

صح الجواب خادم العلماء
عبد الواحد حال وارد شہر اندور

صح الجواب سید غیاث الدین
ساکن عدن حال وارد اندور

فرقۂ جدیدہ غیر مقلدین کے عقائد جو مجیب مصیب نے تحریر کیے فی الواقع اہل سنت و جماعت و سلف صالحین
کے خلاف ہین اور یہ فرقہ بدعتی مفسد مفارق الجماعت اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہی - اور
مخالطت اور مجالست فرقۂ مذکورہ کے ساتھ ہرگز جائز نہین ہو اور اپنی مسجدون مین انکو ہرگز آنے دینا
نہین چاہیے اور نماز اس فرقۂ مذکورہ کے پیچھے ہرگز ہرگز جائز نہین ہو
واللہ سبحانہ اعلم و علمہ اتم - الراقم خیر خواہ مسلمین

قد اطلعت علی ھذا الجواب المسطور بتمام ما فیہ من اللؤلؤ المنثور فوجدتہ موافقا بالکتاب والسنۃ والدلائل
قد جاء الحق و زھق الباطل اشکر اللہ علے حسن توفیق
المجیب المصیب واسألہ ان یعطیہ فی الدارین اکمل النصیب
حررہ حافظ محمد اکرم قاضی کمپ مؤ فقط

اعظم اللہ اجر من اجاب فانہ قد نطق بالقول الصائب بما شہد بہ السنۃ والکتاب فیقبلہ اولوا الالباب
نمقہ تراب اقدام اہل العلم اضعف عباد اللہ المنان محمد المدعو بعبد الرحمن نائب قاضی کمپ مؤ

ما قالہ المجیب المصیب حق سدید و بالحق المحض عقید جزاہ اللہ خیر الجزاء
عنا و عن المسلمین امین یا رب العلمین و یا مجیب دعاء السائلین فی کل ان و حین
سطرہ الراجی غفران اللہ المستعان محمد فضل الرحمن قاضی دار الفتح اجین

جو عقائد غیر مقلدین کے انھین کی کتب معتبرہ سے بیان کیے گئے - درحقیقت خلاف عقیدۂ اہل سنت

وجماعت ہین انکو مفسدین جانکر انسے مخالطت نکرین - عاجز محمد عبد الرحمن اندوری

مواہیر مشاہیر علمای دار الاسلام مصطفےٰ آباد عرف رامپور

بلاشبہہ یہ فرقۂ ضالہ (جسکے عقائد فاسدہ اور اعمال کاسدۂ مخالفہ فرقۂ ناجیۂ اہل سنت والجماعت کے مجیب مصیب نے بحوالۂ رسائل و فتاوای باطلۂ غیر مقلدین نقل کیے اور اکثر اُسکے راقم الحروف کی نظر سے بھی گذرے) بتدع ہو اور اُسکے حق مین یہی حکم ہو جو مجیب مصیب نے تحریر کیا - واللہ سبحانہ الموفق

ھذا ھو الحق عندی　　ھذا الجواب بلا ارتیاب　　الجواب صحیح　　من اجاب لقد اصاب

ذلک کذلک　　ھذا الجواب بالصواب　　ذلک الکتاب لا ریب فیہ　　قد اصاب من اصاب

یہ شخص امام اس گروہ غیر مقلدین کا سنی نہین ہو - رافضی ہو تو عجب نہین یہ بیچارہ عامیون کو اپنے ساتھ جہنم مین لے جانا چاہتا ہو واللہ اعلم - کتبہ سید عبد الحق - سابق متوطن کانپور حال باشندۂ رامپور -

فی الواقع عقیدہ اس فرقۂ جدیدہ وجماعت مستحدثہ کا ایسا ہی ہو جیسا کہ مجیب مصیب نے ثابت کیا -

من قال سوی ذلک فقد قال محالا
العبد عابد حسن عفی عنہ

الجواب بالسنۃ والکتاب　　من اجاب جاء بالحق والصواب

واقعی یہ فرقۂ باطلہ جسکے جواب مین علمای دین ہمارے جو کچھ تحریر فرماتے ہین درست ہے حررہ الراجی الی رحمۃ اللہ محمد کریم اللہ

الجواب صحیح　　الجواب ھو الصواب　　المجیب مصیب

ان حضرات مشیخت مآب حاسدین مفسدین دین ومعاندین مجتہدین ومقلدین اور انکے مریدین ومعتقدین کے حق مین جنکو حضرت حق جل جلالہ وعم نوالہ نے آزادی کا طوق گلے مین ڈالکر ہندوستان کا شیخ نجد بناکر چھوڑا ہو جسقدر شمشیر دست وزبان کے ذریعے سے مقابلہ بر محل کیا جائے تھوڑا ہو فی الحقیقت یہ سب کے سب ضال اور مضل ہین اور سلسلۂ مذاہب اربعۂ فقہ سے خارج اور محمدی بنکر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم مین رخنہ انداز ومخل وباعث فتنہ وفساد اور اُنکے عقائد پر کما ینبغی کفر وشرک اُنکا ومن یضلل اللہ فما لہ من ہاد وھو الموفق الی سبیل الرشاد ومنہ المبدأ

والیہ المعاد۔ الا لا یتفوہ بذلک العقائد المذکورۃ الا من لہ ذہن سقیم واللہ سبحانہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ کتبہ العبد الاثم ابو الجمیل معین الدین محمد عبد الجلیل صانہ اللہ عن کل ذمیل وزمیل

مہر تلمیذ حضرت مولانا مولوی

محمد ارشاد حسین سلمہ رب المشرقین

اصاب من اجاب

الجواب صحیح والمجیب مصیب

ان ہذا الجواب صحیح

ہو الموفق

ان ہذا الجواب موافق للسنۃ والکتاب کتبہ العبد المذنب محمد عبد القادر

ہو المستعان

فی الحقیقت یہ جواب باصواب معین مقلدین اور حق الیقین ہے محمد عبد القادر خان

ہو الرحمن الرحیم

لاشک ان ہذا الجواب صحیح والمجیب مصیب فقط حررہ الاثیم محمد عبد الکریم

تبلیغی سفر

حضرت محدث سورتیؒ کی عملی زندگی کا آغاز جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء سے ہوتا ہے جب آپ نے اپنے والد گرامی کے ہمراہ سورت سے حجاز مقدس کی جانب ہجرت کی۔ اس وقت حضرت محدث سورتیؒ کی عمر تقریباً ۱۹ برس تھی۔ اور اغلب یہی ہے کہ حضرت محدث سورتیؒ کا یہ پہلا سفر تھا۔ ہجرت ایک مقدس سفر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اگر یہ ہجرت کسی مقدس سرزمین کی سمت ہو تو پھر اس کا تقدس دو آتشہ ہو جاتا ہے۔ حضرت محدث سورتیؒ نے نہایت مصروف شب و روز بسر کئے قال اللہ و قال رسول کی روح پرور فضا کے لئے آپ نے بیرونِ پیلی بھیت سفر اختیار کیا۔ بریلی، گنج مراد آباد، کانپور، لکھنؤ، رامپور، شاہجہاں پور، اور بدایوں تو آپ اکثر و بیشتر تشریف لیجایا کرتے تھے لیکن دور دراز مقامات کا سفر طویل وقفے کے بعد اختیار کرتے۔ ان تمام آمد و رفت کا مقصد ہمیشہ تبلیغ دین ہوتا تھا۔ حضرت محدث سورتیؒ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ۱۲۹۱ھ میں دہلی، ۱۲۹۳ھ میں حیدر آباد اور ۱۳۱۱ھ میں اجمیر و ٹونک کا سفر اختیار کیا لیکن ان دوروں کی تفصیلات کہیں درج نہیں ہیں البتہ ۱۲۹۱ھ میں حکیم محمود خان برادر بزرگ حکیم اجمل خان سے دہلی میں ۱۲۹۲ھ میں حضرت مولانا عبد الفتاح گلشن آبادی سے بمبئی میں اور ۱۳۱۱ھ میں نواب محمد علی خان والی ٹونک سے ملاقاتیں ثابت ہیں۔

عظیم آباد (پٹنہ) کا سفر

حضرت محدث سورتیؒ نے ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کا سفر اختیار کیا۔ جہاں مدرسہ اہل سنت
پٹنہ کا سالانہ جلسہ رجب المرجب کی ۷ر سے ۱۳ر تاریخ تک منعقد ہونے والا تھا۔ یہ جلسہ
ہر چند جلسہ دستار بندی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن مدرسہ کے مہتمم قاضی محمد عبد الوحید حنفی
فردوسیؒ نے جلسہ میں شرکت کیلئے اتنی کثرت سے علماء کو مدعو کیا تھا کہ یہ جلسہ ایک عظیم الشان
سنی کانفرنس کی شکل اختیار کر گیا۔ حضرت محدث سورتیؒ کا اس مدرسہ اور قاضی عبد الوحید
فردوسی عظیم آبادیؒ سے خاص تعلق تھا۔ کیونکہ محدث سورتیؒ کے عزیز شاگرد مولانا ضیاء
الدین پیلی بھیتیؒ مولانا فضل حق رحمانیؒ اور مولانا معز اللہ خاں پیلی بھیتیؒ اس مدرسہ میں مدرس
اوّل مدرس دوئم اور مدرس چہارم کے منصب پر کام کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت
محدث سورتیؒ بحیثیت ممتحن اس سال پٹنہ پہنچے تھے اور آپ کو معقول معاوضہ بھی قاضی
عبد الوحید نے پیش کیا تھا۔ جیسا کہ اس جلسۂ امتحان کی مطبوعہ روئیداد بنام "تاریخی دربار
حق و ہدایت" سے ظاہر ہے۔ [1] اس جلسے میں مولانا محمد اعجاز حسین محمدی رامپوری مولانا
ہدایت اللہ خاں جونپوری، مولانا حکیم سراج الحق علیگڑھی، مولانا حافظ بخش بدایونی،
مولانا ظہور الحسن رامپوری، مولانا عبید اللہ الہ آبادی، حکیم خلیل الرحمن خان پیلی بھیتی،
مولانا عبد السلام جبلپوری، مولانا سید احمد ولائتی، مولانا عبد الکافی الہ آبادی، مولانا
عبد المقتدر بدایونی۔ مولانا فضل مجید بدایونی۔ مولانا حکیم مومن سجاد کانپوری، مولانا احمد رضا
خان بریلوی۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، مولانا شاہ محمد
اجمل الہ آبادی، مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا حکیم عبد القیوم
بدایونی، مولانا حسن رضا خان بریلوی، مولانا شاہ عبد الصمد سہوانی، مولانا حامد رضا خان
مولانا عبد اللطیف سورتی تلمیذ مولانا عبد الحئی لکھنوی، مولانا محمد رمضان خان اکبر آبادی،

[1] - دربار حق و ہدایت ص ۲۴ مرتبہ محمد عبد الوحید حنفی فردوسی مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۱۹ھ

مولانا شاہ امین احمد بہاری، کے علاوہ معززین و مشائخین نے شرکت کی۔

امرتسر کا سفر

حضرت محدث سورتی مجلس علمائے حنفیہ امرتسر کی دعوت پر ۶ر رجب ۱۳۲۰ھ کو امرتسر
پہنچے۔ آپ کی امرتسر آمد کا مقصد مجلس علماء حنفیہ امرتسر کے اجلاس میں شرکت کرنا تھا۔
جو مسجد مہر آفتاب میں ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ر رجب المرجب کو ہونا قرار پایا تھا۔ علماء اہلسنت
کی ندوۃ العلماء سے علیحدگی کے بعد یہ معمول بن گیا تھا کہ جس شہر میں ندوۃ العلماء کا سالانہ
اجلاس منعقد کیا جاتا وہاں علماء اہلسنت بھی جمع ہوتے اور ندوہ کے مفاسد کو عوام پر
واضح کرتے۔ اس سال ندوہ کا اجلاس امرتسر میں ہو رہا تھا چنانچہ مجلس علماء حنفیہ امرتسر
نے علمائے اہلسنت کو امرتسر مدعو کرنے کی ذمہ داری لی اور عظیم الشان سنی کانفرنس کا انعقاد
کیا۔ پٹنہ سے امرتسر تک حضرت محدث سورتیؒ کے ہمراہ سفر کرنے والوں میں قاضی عبد الوحید
فردوسی عظیم آبادی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، ابو المساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتیؒ
مدیر تحفۂ حنفیہ پٹنہ اور سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد خلف سعید حضرت محدث سورتیؒ
شامل تھے۔ جلسہ کی روئیداد کے مطابق بدایوں سے مولانا محب احمد بدایونیؒ اور دیگر علماء
ساتھ ہوئے اور علماء اہلسنت کا یہ قافلہ ۶ر رجب بروز پنجشنبہ دو بجے دن امرتسر پہنچا۔
اسٹیشن پر مجلس علماء حنفیہ کے بانی و ناظم مولانا مفتی محمد عبد الصمدؒ، مولانا شاہ عبد الغنی، اور
منشی عبد العزیزؒ نے ایک کثیر جماعت کے ساتھ علماء کا استقبال کیا۔ مولانا مولوی حافظ بخش
مدرس اوّل مدرسہ محمدیہ بدایوں اور مولانا حکیم عبد الحئی بدایونیؒ پہلے ہی امرتسر پہنچ چکے تھے۔
علماء کی رہائش و قیام کا انتظام کٹرہ رام گڑھ میں کیا گیا تھا۔ ۶ر رجب بعد نماز ظہر علماء اہلسنت
کے جلسہ کا آغاز مسجد مہر آفتاب میں ہوا۔ تلاوت قرآن حکیم حمد و نعت کے بعد علمائے پنجاب
نے تقاریر کیں، خصوصاً مولانا غلام قادر بھیرویؒ تلمیذ مفتی صدر الدین آزردہؒ نے نہایت

عالمانہ تقریر کرتے ہوئے ندوہ کی برائیاں بیان کیں اور فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاںؒ سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی۔[1] رات کو بعد نماز عشاء حافظ غلام رسول نے تلاوتِ کلام مجید سے جلسہ کا آغاز کیا پھر درود شریف کی کثرت ہوئی میزبانوں کی جانب سے مولانا سلیمان اشرف بہاریؒ نے اہل امرتسر کی دینی حمایت کی تعریف کرتے ہوئے ندوہ کی گمراہیاں بیان کیں۔

۷ رجب بروز جمعہ ۱۳۲۰ھ بعد نماز فجر علماء کی فرودگاہ پر مذاکرۂ علمیہ ہوتا رہا۔ بعد نماز جمعہ جلسہ شروع ہوا اور مولانا محب احمد بدایونیؒ نے تقریر شروع کی۔ دوران تقریر مولانا عبد المقتدر بدایونیؒ، مولانا فضل المجیدؒ، مولانا عبد الماجد بدایونیؒ بھی جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ اس طرح علماء کی کثرت میں اضافہ ہوتا رہا۔ مولانا ضیاء الدینؒ نے لکھا ہے کہ علمائے اہلسنّت کی امرتسر آمد سے شہر میں دھوم مچ گئی اور ہر طرف سے عوام و خواص علماء اہلسنّت کی خدمت میں پہنچ کر ندوۃ العلماء کے خبائث معلوم کر کے اُس سے دستبردار ہوتے رہے۔ حضرت محدث سورتیؒ نے ۱۰ رجب المرجب کو آخری اجلاس سے خطاب کیا۔ اور معجزاتِ فخر موجودات سیّد دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیان کئے اور ندوہ کے مفسدات سے عوام کو تفصیلاً آگاہ کیا۔ محدث سورتیؒ کا امرتسر میں قیام تقریباً پندرہ دن رہا۔

لاہور کا سفر

حضرت محدث سورتیؒ نے ۱۹۱۲ء میں انجمنِ نعمانیہ لاہور کے پچیسویں سالانہ اجلاس میں شرکت کی یہ اجلاس جو چار روزہ کانفرنس پر مبنی تھا۔ اس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ ایک ہی وقت میں علماء و مشائخ عظام کی اتنی بڑی تعداد اس سے قبل لاہور میں بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہوئی تھی۔ علامہ نور بخش توکلیؒ لکھتے ہیں کہ خوش قسمتی سے اس اجلاس میں مشاہیر علماء کرام و صوفیاء عظام کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ بجائے

[1] روداد جلسۂ اہلسنت امرتسر ص ۱۵۔ مرتبہ ابو المساکین مولانا ضیاء الدین مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۰ھ

تین روز کے چار روز تک متواتر جلسہ ہوتا رہا۔ اور سامعین کے اصرار کے باوجود رات کو بارہ بجے تک جلسہ کو جاری رکھنا پڑا اور بفضلہٖ تعالیٰ سامعین بھی جوق در جوق ہر وقت موجود اور کمال اشتیاق سے ہمہ تن گوش رہتے تھے۔[1] علامہ شاہ حسین گردیزی نے لکھا ہے کہ اس اجتماع کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ دیگر علماء کرام کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے تین ممتاز عالم دین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتیؒ، مولانا دیدار علی محدث الوریؒ اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ بھی اس جلسہ میں بیک وقت موجود تھے۔ اور تینوں حضرات کا وعظ بھی ایک ہی دن ہوا۔ یہ تینوں بزرگ ۱۲۹۵ھ میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے پاس دورۂ حدیث میں شامل تھے۔ اور ۳۵ سال بعد ان کے باہم اجتماع نے جلسہ کی رونق دوبالا کر دی تھی۔[2] اس اجلاس کی پہلی اور افتتاحی نشست ۲۷ دسمبر کو بعد نماز جمعہ شروع ہوئی انجمن نعمانیہ کے صدر اور روزنامہ رفیق ہند لاہور کے ایڈیٹر مولانا محرم علی چشتیؒ نے اپنی افتتاحی تقریر میں علماء کرام و مشائخ عظام کی آمد کا خیر مقدم کرتے ہوئے انجمن کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ملک محمد عمر حیات ٹوانہ مولانا اکرام الدین بخاریؒ امام و خطیب مسجد وزیر خاں لاہور۔ مولانا مفتی ولی محمد جالندھریؒ، مولانا عبد الحمید پانی پتی وغیرہ نے تقاریر کیں اور جلسہ رات گئے تک جاری رہا۔ دوسری نشست ۲۸ دسمبر کو صبح دس بجے شروع ہوئی جس سے مولانا محمد ذاکر چشتی بگویؒ خطیب بادشاہی مسجد لاہور مولانا غلام احمد شوق فریدیؒ اور مولانا عبد الحکیم پشاوریؒ نے خطاب کیا۔ ظہر بعد پھر جلسہ شروع ہوا جس کے آغاز پر خواجہ سیّد غلام محی الدین گولڑویؒ نے تلاوت کلام مجید فرمائی اس کے بعد فخر طریقت اعلیحضرت قبلۂ عالم پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑویؒ نے ایاک نعبد الخ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نہایت فصیح و بلیغ اور عالمانہ تقریر فرمائی کہ عوام تو عوام علماء و مشائخ بھی عش عش کر اُٹھے۔ مولانا نور بخش توکلیؒ جنہوں نے اس جلسہ کی روئیداد مرتب کی تھی

[1] انجمن نعمانیہ کا ماہوار رسالہ شمارہ نومبر ۱۹۱۲ء مطبوعہ لاہور۔
[2] عظیم الشان کانفرنس ص ۹۔ شاہ حسین گردیزی۔ مضمون مطبوعہ سنی کانفرنس نمبر ترجمان اہلسنت کراچی اکتوبر ۱۹۷۸ء

لکھتے ہیں کہ جب پیر صاحب قبلۂ عالم تقریر فرما رہے تھے تو اہل علم پر وجدان کی کیفیت طاری تھی۔ خلیفہ تاج الدین کی حالت کو تو کوئی صاحب حال ہی سمجھ سکتا ہے۔[1]

ملفوظات مہریہ میں درج ہے کہ قبلۂ عالم کے بعد اہلسنت کے مشہور عالم مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتیؒ نے عصر تک تقریر فرمائی۔ محدث سورتی نے اپنی تقریر کے شروع میں فرمایا کہ سبحان اللہ حضرت پیر صاحب نے ابتدا میں اتنی بلند پرواز فرمائی کہ ارباب علم کو محوِ حیرت کر دیا۔ اور آخر میں اس قدر عام فہم مسائل فقہ پر گفتگو فرمائی کہ عوام کو بھی مضمون ذہن نشین کرا دیا۔[2]

عصر کے بعد مولانا دیدار علی شاہ محدث الوریؒ نے مغرب تک تقریر فرمائی اور بعد نماز عشاء مولانا احمد حسین خان رامپوریؒ، مولانا شفقت حسین بلاریؒ، مولانا محمد یعقوبؒ، مولانا محمد عمر مرادآبادی، مولانا عبد الحلیم اور مولانا عبد الحمید پانی پتی نے خطاب کیا۔ ۲۹ ر دسمبر کو صبح دس بجے سے نماز عصر تک جلسہ جاری رہا۔ ۳۰ ر دسمبر کو دس بجے سے نماز ظہر تک حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی اور مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ نے تقاریر فرمائیں۔ ظہر سے عصر تک مولانا محمد فاضل جالندھریؒ، مولانا سید محمد امینؒ اور عصر سے مغرب تک دیوان سید محمدؒ سجادہ نشین پاک پٹن شریف و مولانا دیدار علی محدث الوریؒ نے خطاب کیا۔ آخر میں مولانا امجد علی اعظمی انصاریؒ نے فاضل بریلوی کا مرتب کردہ مسودۂ عقائد عوام کے سامنے پیش کیا جسے علمائے کرام نے منظور کیا۔ اختتام جلسہ کے بعد حضرت محدث سورتیؒ نے تقریباً پندرہ یوم لاہور میں قیام کیا۔[3]

سیالکوٹ کا سفر

پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ نے ۱۹۰۴ء میں مذہبی اور قومی خدمات کے لئے ایک جماعت انجمن خدام الصوفیہ کے نام سے لاہور میں قائم کی جس کی تقریباً پورے ہندوستان میں ضلعی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ پیر سید جماعت علی شاہؒ کے حضرت محدث

[1] - انجمن نعمانیہ لاہور کا ماہوار رسالہ ص۴
[2] - ملفوظات مہریہ از مولانا گل فقیر احمد پشاوری مطبوعہ گولڑہ شریف راولپنڈی۔
[3] - ملفوظات مہریہ از مولانا گل فقیر احمد پشاوری مطبوعہ گولڑہ شریف راولپنڈی

سورتیؒ سے برادرانہ مراسم تھے۔ جس کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ پیر صاحب حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ اور مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے شاگرد تھے اور اپنے عہد کی ان دونوں عظیم شخصیتوں سے حضرت محدث سورتیؒ کی قرابت داری تھی۔ پیر سید جماعت علی شاہؒ کے صاحبزادے مولانا سید خادم حسینؒ نے محدث سورتیؒ سے علم حدیث پڑھا اور سند حاصل کی تھی۔ چنانچہ پیر صاحب اور محدث سورتیؒ باہم بہت زیادہ شیر و شکر تھے۔ پیر صاحب کے مریدوں کی پیلی بھیت میں اچھی خاصی تعداد تھی۔ اور پیر صاحب اکثر و بیشتر پیلی بھیت تشریف لایا کرتے تھے۔ خصوصاً اردو کے سب سے فصیح نعت گو شاعر قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتیؒ سے آپ کے بڑے دیرینہ مراسم تھے۔ انجمن خدام الصوفیہ کے اجلاس منعقدہ مئی ۱۹۱۵ء میں شرکت کے لئے پیر سید جماعت علی شاہؒ کی خصوصی دعوت پر حضرت محدث سورتیؒ سیالکوٹ پہنچے اور تقریباً دو ہفتہ قیام کیا۔ ماہنامہ انوار الصوفیہ کی ایک اطلاع کے مطابق ۱۱ر مئی ۱۹۱۵ء کو بعد نماز عشاء انجمن خدام الصوفیہ کے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ جلسہ کی صدارت مولانا مولوی حاجی وصی احمد صاحب محدث سورتیؒ ناظم اعلیٰ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کر رہے تھے۔ مولوی محمد امانت اللہ بنارسیؒ نے کرامت و محبت صوفیائے کرام پر تقریر فرمائی۔ حضرت امیر ملت (پیر جماعت علی شاہؒ) نے خوش ہو کر تمغہ عنایت فرمایا۔ اس کے بعد شیخ محمد ابراہیم آزاد وکیل بیکانیر اور شیخ نثار احمد وکیل نے صوفیانہ کلام سنایا جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ امیر ملت نے ان کو بھی تمغے عطا فرمائے۔ اس کے بعد ختم شریف ہوا اور حضرت محدث سورتیؒ نے دعا پر جلسہ کا اختتام کیا۔[1]

کلکتہ کا سفر

حضرت محدث سورتیؒ ۷ ر شعبان ۱۳۱۹ھ بمطابق یکم دسمبر ۱۹۰۱ء مجلس اہل سنت کلکتہ کی دعوت پر پیلی بھیت سے بریلی اور پھر بریلی سے کلکتہ پہنچے۔ مجلس اہلسنت کلکتہ

[1] - ماہنامہ انوار الصوفیہ لاہور ص۸ ماہ جون ۱۹۱۵ء

نے ہندوستان کے مختلف بلاد وامصار سے علمار اہلِ سنّت کو اظہار حق کے لئے مدعو کیا تھا۔ کیونکہ انہی ایّام میں ندوۃ العلمار کا جلسہ کلکتہ میں ہونے والا تھا۔ حضرت محدث سورتیؒ جو ندوۃ العلمار کے ابتدائی اجلاسوں میں شرکت کے بعد ارباب ندوہ میں غیر مقلدین کی شمولیت پر احتجاجاً ندوہ سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ ہمیشہ ندوہ کے مفسدات سے عوام اہلِ سنّت کو آگاہ کرتے رہتے اور اس ضمن میں سفر بھی اختیار کرتے تھے۔ اجلاس پٹنہ کے موقع پر علمار اہلسنت نے ایک مرتبہ پھر ارباب ندوہ کو مناظرہ کی دعوت دی لیکن ندوی حضرات نے کوئی جواب نہ دیا چنانچہ طے کیا گیا کہ اس دعوت کی کلکتہ کے اجلاس کے موقعہ پر تجدید کی جائے۔ اس سلسلے میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاںؒ کے ایک خلیفہ الحاج منشی لعل خاںؒ نے جو کلکتہ میں مقیم تھے بڑا اہم کردار ادا کیا اور اجلاس ندوہ سے قبل دعوت مناظرہ کو بصورت اشتہار شائع کرا کے نہ صرف تقسیم کیا بلکہ اخبارات میں بھی شائع کرایا جس کے جواب میں مولوی شاہ نظام الدین ندوی نے مناظرہ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے منصفین کے دو بنچوں کے قیام کی ضرورت پر زور دیا چنانچہ علمار اہلسنت کلکتہ نے آٹھ حکم مقرر کئے جن میں مولانا احمد حسن کانپوریؒ، مولانا شاہ عبدالوہاب لکھنویؒ، مولانا ہدایت اللہؒ خان جونپوریؒ، مولانا شاہ امین احمدؒ سجادہ نشین بہار شریف۔ مولانا شاہ بدرالدینؒ سجادہ نشین پھلواری شریف۔ مولانا محمد عادل کانپوریؒ، و دیگر علمار شامل تھے۔ متکلمین و مناظرین میں مولانا شاہ عبدالصمد سہوانیؒ مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ، مولانا عبدالسلام جبلپوریؒ، مولانا قاضی عبدالوحید فردوسیؒ عظیم آبادی، اور مولانا حکیم مومن سجاد کانپوریؒ شریک تھے۔ مناظرہ کی دعوت ۱۶ر اگست ۱۹۰۱ء کے اخبار نصرت الاسلام کلکتہ میں شائع کی گئی چنانچہ ارباب ندوہ کلکتہ پہنچے اجلاس اختتام پذیر ہوا مگر مناظرہ کی یہ دعوت جسے ابتداً قبول کر لیا گیا تھا۔ بعد میں خاموشی کے ساتھ رد کر دی گئی۔ جو علمار اہلسنت کے لئے کلکتہ میں ایک بڑی کامیابی ثابت ہوئی۔ مجلس اہل سنّت کی دعوت پر جو علمار کلکتہ پہنچے

تھے۔ اُن میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ۔ مولانا محمد عادل کانپوریؒ، مولانا شاہ عبدالصمد سہوانیؒ، قاضی عبدالوحید عظیم آبادیؒ۔ مولانا عبدالسلام جبلپوریؒ اور دیگر علمار شامل تھے۔ اس موقع پر علمار اہلسنت کے ایک وفد نے جس میں فاضل بریلویؒ اور حضرت محدث سورتیؒ شریک تھے مولانا خیرالدین دہلوی والد بزرگوار مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی ملاقات کی تھی اس ملاقات کا تذکرہ مولانا محمود احمد قادری نے تذکرہ علمار اہلسنت میں بھی کیا ہے۔ کلکتہ میں علمار اہلسنت نے کئی روز قیام کیا۔ اور عوام کو برابر مفاسد ندوۃ العلمار سے آگاہ کرتے رہے۔

وظیفہ روز و شب

حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ کے معمولات دینی و دنیوی علمارِ سلف و صالحین کا آئینہ تھے۔ آپ ہر کام میں احکامِ شریعت کو پیش نظر رکھتے۔ اور فرماتے کہ ایک مسلمان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ملنا جلنا سب کچھ اللہ کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق ہو۔ کم گوئی آپ کا شیوۂ خاص تھا۔ مدرسہ ہو یا مسجد، گھر ہو یا محفل آپ اکثر و بیشتر خاموش رہتے اور اختلافی مسائل میں صرف اُس وقت رائے دیتے جب آپ سے دریافت کیا جاتا۔ مدرسہ

یا گھر پر بغرض ملاقات آنے والے حضرات سے نہایت انکسار کے ساتھ مصافحہ کر کے متعلقین کی خیریت دریافت فرماتے اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرتے پھر اُس وقت تک خاموش رہتے جب تک کہ آنے والا گفتگو کا آغاز نہ کرتا۔ چھوٹے اور بڑوں کی یکساں تعظیم فرماتے۔ اور بسا اوقات اس درجہ انکسار سے کام لیتے کہ مخاطب پر رقت طاری ہو جاتی۔ پیلی بھیت کے ایک بزرگ قبلہ محمد احمد خان نے راقم الحروف کو ایک ملاقات میں بتایا کہ حضرت محدث سورتیؒ کی علمیت اور لیاقت کا شہرہ پورے ہندوستان میں عام تھا۔ اور خلقِ خدا دور دراز سے سفر کر کے آپ کی زیارت کے لئے پیلی بھیت آتی تھی۔ مدرسہ اور مسجد میں ہمیشہ مسافروں کا قیام رہتا تھا۔ جن میں بڑی تعداد طالب علموں اور علمار کی ہوتی تھی۔ میں نے حضرت محدث سورتیؒ کو تقریباً پندرہ برس نہایت قریب سے دیکھا کیونکہ آپ ۱۲ ربیع الاول کی صبح ہمارے گھر میلاد میں شریک ہوتے۔ اور فاتحہ خوانی تک قیام فرماتے۔ آپ ہمیشہ نظریں نیچی رکھتے اور بہت کم مخاطب کی سمت دیکھتے۔ بچوں سے خصوصی انس و پیار تھا یہی وجہ تھی کہ قرب و جوار کے تمام بچے نمازِ عصر کے بعد آپ کے چاروں طرف حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے اور آپ اُن کو نصیحت فرماتے رہتے۔ عموماً نمازِ عصر سے مغرب تک مسجد میں قیام فرماتے۔ لیکن اس دوران بچوں کے علاوہ کوئی اور شخص آپ کے قریب نہ جاتا۔ کیونکہ آپ وظائف میں معروف رہتے تھے۔ آپ تہجد کے بعد وظیفہ پڑھتے اور نماز فجر سے کچھ قبل گھر کے تمام افراد اور مدرسہ کے طالب علموں کو بیدار کرتے۔ اگر کوئی کسلمندی کا اظہار کرتا تو اُس پر پانی ڈال دیتے اکثر آپ کے برادرِ خورد مولانا عبد اللطیف شکوہ کرتے تو فرماتے میں تو اس لئے ہی سردی میں پانی ڈال رہا ہوں تاکہ مر جائے۔ جب نماز نہیں پڑھ سکتا تو پھر زندہ رہنے کا کیا حق ہے۔ نماز فجر کے بعد آپ قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے اور اشراق کی نماز سے قبل ناشتہ کرتے اور کچھ دیر مطب میں بیٹھتے پھر مدرسہ تشریف لے جاتے بارہ بجے دوپہر کے قریب کھانا تناول فرماتے اور کچھ دیر قیلولے کے بعد ظہر کی نماز کو جاتے اور ظہر کے بعد سے عصر تک طالب علموں کو حدیث شریف کا درس دیتے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان خاندان

کے بچیوں کو حدیث کا درس دیتے جس میں محلہ کی عورتیں بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتی تھیں عشاء کی نماز کے بعد رات گئے تک لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے حضرت محدث سورتیؒ نہایت دھیمی آواز میں گفتگو فرماتے حتیٰ کہ محافل وعظ اور دیگر اجتماعات میں بھی یہی طریقہ برقرار رہتا جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرأت یا تلاوت فرماتے خصوصاً فجر کی نماز میں لمبی سورتیں تلاوت فرماتے اور اکثر و بیشتر دوران تلاوت رقت طاری ہو جاتی حضرت محدث سورتیؒ سے پیلی بھیت کے رہنے والوں کی عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ دور دراز کے محلوں سے لوگ فجر کی نماز آپ کے پیچھے ادا کرنے کے لئے بیلوں والی مسجد آیا کرتے تھے۔ تاکہ روزگار پر جانے سے قبل آپ کی زیارت و مصافحہ سے شرف یاب ہو سکیں۔ مدرسۃ الحدیث میں زیر تعلیم طلبہ کے لئے پیلی بھیت کے اکثر گھروں سے وظائف بندھے ہوئے تھے۔ خصوصاً مولانا فضل حق پنجابی سوداگر تلمیذ حضرت محدث سورتیؒ طالب علموں کے لئے ظہر بعد کھانے کا انتظام کرتے اور اپنی نگرانی میں طلبہ میں کھانا تقسیم کرتے۔ حضرت محدث سورتیؒ کے برادرِ خورد مولانا عبد اللطیف سورتیؒ بھی طالب علموں کا خصوصی خیال رکھتے اور سال میں دو مرتبہ طالب علموں میں کپڑے کے جوڑے تقسیم کرتے اس کے علاوہ شہر کے دیگر متمول افراد بھی مدرسہ کی ضروریات کے پیشِ نظر عطیات دیتے رہتے تھے۔

حضرت محدث سورتیؒ کی صاحبزادی محترمہ کریم النساء دامت برکاتہم نے راقم الحروف کے نام ایک خط میں حضرت محدث سورتیؒ کے معمولات بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت محدث سورتیؒ لباس میں سفید ململ کا نیچا کرتا، مغلئی پاجامہ، اور اچکن استعمال کرتے تھے۔ عموماً انگرکھا استعمال کرتے۔ جس پر ٹاٹ کی صدری ہوتی تھی۔ بمبئی کے قالب والی گول ٹوپی لگاتے جس پر صافہ باندھا کرتے تھے۔ جس کا پلو ہمیشہ ہاتھ پر رہتا تھا۔ لباس کا رنگ ہمیشہ سفید ہوتا تھا۔ دھاری دار کپڑے نہ خود استعمال کرتے اور نہ ہی کسی کو استعمال کرنے دیتے تھے۔ خوراک بہت کم تھی۔ گندم کے ہلکے پھلکے اور بکری کے گوشت کا شوربہ دونوں وقت کھانے میں شامل ہوتا تھا۔ مرچ اور گرم مصالحے سے پرہیز کرتے۔ لیکن کباب شوق

سے کھایا کرتے تھے۔ رات کو استراحت کے لئے پلنگ استعمال کرتے جس پر نرم گدا اور دو عدد کافی نرم تکیئے ہوتے۔ حضرت محدث سورتیؒ کے معمولات کا ایک سب سے عجیب پہلو یہ تھا کہ آپ کے پاس دوران درس ایک تھیلا موجود رہتا تھا جس میں قدیم کوفی طرزِ تحریر کا قرآن حکیم کا پہلا پارہ رکھا رہتا تھا۔ یہ پارہ اپنی قدامت کے اعتبار سے کافی بوسیدہ ہو چکا تھا۔ جبکہ تھیلا بھی کئی جگہ سے نکل گیا تھا۔ مگر تھیلا جو نہایت خوبصورت قدیم پارچہ کا سلا ہوا تھا۔ دیکھنے سے پتہ چلتا تھا کہ یہ کسی خاص مقصد کے لئے بنایا گیا ہے حضرت محدث سورتیؒ اکثر اس تھیلے کی تفصیلات کو چھپاتے تھے۔ لیکن جب کوئی اصرار کرتا تو فرماتے یہ وہ تھیلا ہے جو میری والدہ نے اپنے ہاتھوں سے سیا تھا اور جس میں پہلی مرتبہ یہ سپارہ لیکر مدرسہ پڑھنے گیا تھا۔ یہ تھیلا میری متاعِ عزیز ہے۔ جہاں یہ میری والدہ کی نشانی ہے وہاں اس کی ہر وقت موجودگی مجھے یہ احساس دلاتی رہتی ہے کہ میں بنیادی طور پر طالب علم ہوں۔ جس دن یہ احساس میرے دل سے معدوم ہو گیا اس دن میرے علم اور جہالت میں کوئی حد فاصل نہیں رہے گی۔

محمد ابراہیم بادشاہ کشمیری ثم پیلی بھیتی[1] کے حضرت محدث سورتیؒ سے بڑے قریبی مراسم تھے۔ آپ کا مکان حضرت سورتیؒ کے مکان سے تقریباً ملا ہوا تھا۔ جس کی بنا پر آپ ہر وقت محدث سورتیؒ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اور محدث صاحب کے بیشتر کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ سفر میں بھی آپ حضرت محدث سورتیؒ کے ہمراہ ہوتے تھے اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے مرید تھے۔ اس لئے جب اعلیٰحضرت پیلی بھیت تشریف لاتے تو ابراہیم بادشاہ اسٹیشن سے محدث سورتیؒ کے مدرسہ تک رنگ برنگی جھنڈیاں لگاتے اور اپنے مکان پر چراغاں کرتے۔ ابراہیم بادشاہ کا بیان ہے کہ حضرت محدث سورتیؒ جیسا مرنجان مرنج اور باوضع انسان میں نے نہیں دیکھا۔ ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔ سادگی اور انکساری طبیعت

---

[1] محمد ابراہیم بادشاہ نے جون ۱۹۷۶ء میں کراچی میں ۹۰ سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کو سخی حسن قبرستان نزد ناظم آباد میں مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کے قریب سپرد قبر کیا گیا۔

میں اس درجہ تھی کہ ایک عام آدمی کا گمان ہوتا ۔ کبھی اپنی قابلیت اور خداداد عزت کو وجہ امتیاز تصور نہ کیا ۔ اگر کبھی کوئی شخص غیر ضروری تعظیم و تکریم سے پیش آتا تو اُسے اس قدر عاجزانہ رویہ اختیار کرنے سے منع فرماتے اور کہتے کہ اپنے نفس کو مجروح ہونے سے بچایا کرو ۔ حضرت محدث سورتیؒ نے جس کسر نفسی اور فروتنی سے اپنی زندگی گذاری وہ صرف اہل اللہ کا خاصہ رہی ہے ۔ اغراض و نفسانیت کا دور و نزدیک نام و نشان نہ تھا معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ۔ اور برائی کو عام ہونے سے روکنے کی حتی الوسع سعی کرتے چنانچہ آپ کو اکثر مخالفین کے غیظ و غضب کا شکار بھی ہونا پڑتا ۔ مگر آپ قصد اصلاح کے پیش نظر صبر و تحمل سے کام لیتے ۔ لہٰذا اوقات مخلصین جوابی کارروائی کی اجازت طلب کرتے تو آپ فرماتے ہم نے اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے ۔ محدث سورتیؒ نہایت رقیق القلب اور کریم النفس بزرگ تھے ۔ دوسروں کی تکلیف پر بے اختیار بے چین ہو جاتے اور رفع تکلیف کے لئے دعا کرتے ۔ جسمانی طور پر معذور افراد سے خصوصی شفقت اور محبت فرماتے اور خدمت کی نیت سے اُن کو اپنا مہمان رہنے کی پیشکش کرتے ۔ یہی وہ عادات و صفات تھیں جنہوں نے حضرت محدث سورتیؒ کو نہ صرف اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز کیا بلکہ عوام الناس میں حد درجہ مقبول بنا دیا تھا ۔

علالت و غفلت

حضرت محدث سورتیؒ نے تقریباً چالیس سال درس حدیث دیا اور سینکڑوں طلباء نے آپ سے سند فراغت حاصل کی ۔ درس و تدریس کے علاوہ مسلکِ اہلسنت کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں بھی آپ نے روز و شب ایک کئے جس کے نتیجے میں آخر عمر میں شدید اعصابی کمزوری واقع ہو گئی اور تقریباً چار ماہ طلبہ کو بستر علالت سے ہی درس دیا بعض اوقات تشنج اور کمزوری اعصاب کی بنا پر آپ مسجد تک نہ جا پاتے ۔ اور لیٹ کر ہی نماز ادا کرتے ۔

ماہ ربیع الاوّل اور ربیع الثانی اسی عالم میں گذرا۔ حواس بحال رہے لیکن جمادی الاوّل کے آغاز پر ہی غشی اور غفلت کا آغاز ہو گیا۔ مولانا خلیل الرحمٰن پیلی بھیتی کے صاحبزادے حکیم سعید الرحمٰن خان اور محدث سورتی کے ایک شاگرد حکیم عبد الجبار خان تمام وقت حجرے میں حاضر رہتے ہر طرح کا علاج و معالجہ جاری تھا۔ لیکن غفلت میں اضافہ ہوتا گیا اور ۱۲؍ اپریل سنہ ۱۹۱۶ء بمطابق ۸؍ جمادی الاوّل سنہ ۱۳۳۴ھ یوم چہارشنبہ بوقت تہجد روح قفس عنصری سے پرواز کر کے مالک حقیقی سے جا ملی (انا للہ وانا الیہ راجعون)

محدث سورتی کے ایک شاگرد مولانا انوار احمد کانپوری نے لکھا ہے کہ ۶؍ جمادی الاوّل کو بعد نماز ظہر حجرہ کے باہر علماء، عمائدین شہر اور شاگردوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ غفلت سے بیدار ہوئے تو پوچھا "کیا دن ہے؟" بتایا گیا۔ دو شنبہ ہے۔ فرمایا "بخاری شریف کی پہلی جلد ختم ہو گئی"۔ آخر وقت تک اتباع سنت کا یہ عالم تھا کہ ایک صاحب ملنے آئے تو ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ان سے کہہ دو میں ان سے ناراض ہوں۔ وعدہ کیا تھا کہ ڈاڑھی نہیں کترواؤں گا۔ مگر پھر کترواتے ہیں۔ "ایک صاحب نے آکر کہا آداب عرض ہے۔ فرمایا "میں نہیں جانتا کہ آداب عرض کس بلا کا نام ہے۔ اہلِ اسلام کا سلام "السلام علیکم" ہے۔ حکیم عبد الجبار خان نے اسی دوران آپ کی نبض دیکھنے کے لئے آپ کے بائیں ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو فوراً ہاتھ کھینچ کر داہنا ہاتھ بڑھا دیا۔ مسجد سے عصر کی اذان بلند ہوئی۔ تو آپ نے باآواز بلند نیت کی، اور پھر دونوں ہاتھ زیر ناف باندھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ دو دن اسی طرح نماز پڑھنے میں گزرے۔ ۸؍ جمادی الاوّل کی شب میں پھر غفلت سے بیدار ہوئے اور فرمایا۔ "یہ اسرافیل ہیں" اور آگے تمام ملائکہ کا نام لینا چاہتے تھے کہ قصداً زبان کو روک لیا معاً بعد ہنس کر دونوں ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے اور کسی شخص کو داہنے ہاتھ سے اپنی ٹوپی اتار کر دی کہ لو۔ اس کے بعد استفسار کیا کہ کیا یہ مسجد ہے۔ خدام نے عرض کیا، جی ہاں۔ فرمایا "ادھر ادھر" بعد کو معلوم ہوا کہ یہ اشارہ مزار کی طرف تھا۔ جو ایک مقام ممنوع تھا مگر بفضلِ تعالیٰ چند منٹوں میں حکام

شہر نے اس مقام پر آپ کی تدفین کی اجازت دیدی، اس سلسلے میں رئیس شہر حاجی عبد المجید خاں نے بہت کوشش کی۔ دو بجے شب اسی دن فرمایا۔ اسباب باندھو پالکی منگاؤ اور مجھکو اعلیٰحضرت (مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی) کی خدمت میں لے چلو۔ جلدی کرو کہ ایسا نہ ہو کہ گاڑی چھوٹ جائے۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموش رہے اور فرمایا۔ قبلہ رخ کرو۔ پھر دریافت فرمایا، کیا وقت ہے۔ کہا گیا، تین بجے ہیں۔ فرمایا صبح صادق تو نہیں ہوئی۔ کہا گیا نہیں۔ اتنے میں آپ کے برادرِ خورد مولانا عبد اللطیف سورتی آگئے۔ ان کو اچھی طرح پہچانا اور مولانا عبد الحیٔ پیلی بھیتی اپنے بھتیجے کو اُن سے پوچھا۔ اور فوراً بعد نمازِ تہجد کی نیت باندھ لی۔ ابھی "ایاک نعبد وایاک نستعین" پر پہنچے تھے کہ اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔[1]

محدث سورتی کے وصال کی خبر سے عوام اور طبقۂ اہلسنت میں کہرام مچ گیا۔ تمام اخبارات نے سیاہ حاشیوں کے ساتھ اس عالمِ بے نظیر کی خبر کو جگہ دی۔ اخبار دبدبۂ سکندری رامپور نے سیاہ حاشیہ کے ساتھ انتقال کی خبر شائع کی۔ جس کا متن یہ ہے۔

نہایت افسوس کے ساتھ سنا گیا کہ ۱۲؍ اپریل سنہ ۱۹۱۶ء یوم چہارشنبہ کو حضرت مولانا مولوی شاہ وصی احمد صاحب قبلہ محدث سورتی نے اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ مرحوم ایک زبردست محدث اور اہلسنت والجماعت کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ آپ کے دم سے پیلی بھیت میں علم دین کی درس و تدریس کا چرچا جاری تھا۔ ہم آپ کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی نواسی داماد حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اس علمی شہرت کو جو اس درسگاہ کی قائم ہے زوال نہ پہنچنے دیں گے۔[2]

---

[1] مولانا انوار احمد کانپوری مضمون "محدث سورتی کے مناقب" مطبوعہ اخبار دبدبۂ سکندری یکم مئی سنہ ۱۹۱۶ء جلد ۵۲ صفحہ ۲-۳

[2] دبدبۂ سکندری ص ۱۳، ۱۷؍ اپریل سنہ ۱۹۱۶ء جلد ۵۲ (حال موجود رضا لائبریری۔ رامپور)

فاضلِ بریلوی رح کا اظہار حزن

اخبار دبدبہ سکندری کے ایڈیٹر محمد فضل حسن صابری نے حضرت محدث سورتی کے انتقال پر ایک ادارتی نوٹ بھی تحریر کیا۔ "مولانا شاہ وصی احمد صاحب قبلہ محدث سورتی کی وفات ہمارے لئے ایک ناقابل تلافی صدمہ ہے۔ مولانا اپنے صفات میں یکتا بزرگ تھے۔ آپ کی ذاتِ گرامی کا دنیائے سنیت میں کم ہوجانا بد قسمتی کا باعث ہے اعلیٰحضرت مجدد مأتہ حاضرہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان مدظلہم الاقدس کی ذات قدسی صفات سے آپ کو گہرا اخلوص تھا۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جس دن حضرت محدث سورتی کی خبر وفات بریلی میں موصول ہوئی۔ اُس روز اعلیٰحضرت نے بیٹھ کر کل نمازیں ادا فرمائیں۔ حالانکہ آپ ہر حال میں عصا لیکر کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ اعلیٰحضرت کے دلی حزن کا اظہار تھا۔ اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ مرحوم آپ کے لئے قوت تھے۔ افسوس کہ اعلیٰحضرت کا قدیمی مخلص اور فاضل جیّد ہم سے چھن گیا گو حضرت محدث سورتی نے اپنے لائق صاحبزادے کو اپنی نیک یادگار کے طور پر ہماری تسکین کے لئے چھوڑا ہے مگر حضرت کی خوبیاں مخصوصات جن کو ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے اب قیامت تک کے لئے ہماری نظر سے چھپا لئے گئے ہیں۔ ہم اپنے بے حد رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم و مغفور اعلی اللہ تعالیٰ مقامہٗ کے لئے دعائے مغفرت پڑھتے ہیں۔ اور حضرت کے صاحبزادے سے اظہار تعزیت و ہمدردی کرتے ہیں۔[1]

حضرت محدث سورتی کے ایک شاگردِ عزیز مولانا شاہ ظفرالدین بہاری نے جو حضرت محدث سورتی کے وصال کے وقت مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور پٹنہ میں صدر مدرس

[1] دبدبہ سکندری رامپور صہ ۶۔ ۲۴ اپریل ۱۹۱۶ء جلد ۵۲۔

کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مدیر دبدبہ سکندری کے نام ایک مکتوب میں تحریر کیا کہ۔

"والا جناب مستغنی عن الالقاب مولوی مفتی شاہ وصی احمد صاحب قبلہ محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے انتقال پر ملال نے دنیائے اسلام کی روح و تن میں ایسا غیر مندمل زخم پیدا کردیا ہے جس کے ادا کے لئے افسوس کہ ہم نہ کوئی زبان پاتے ہیں اور نہ اُس کے بیان کے لئے کوئی حرف۔ سوائے اس کے کہ مشیت ایزدی میں چارہ کیا کہ کے دل کو تسکین کرلیں۔ اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ حضرت محدث سورتی آج نہ صرف مسند درس پر ہی یگانۂ روزگار تھے بلکہ دینی تشتّت اور مذہبی تصلّب میں بھی اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ یہاں اس حادثۂ جانکاہ کی خبر بذریعہ حافظ سید بنیاد علی بریلوی معلوم ہوئی۔ کہ چہارشنبہ ۸ جمادی الاولیٰ کو حضرت محدث سورتی رہگذر عالم جاوداں ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مدرسہ شمس الہدیٰ میں طلبائے فارغ التحصیل کی دستار بندی کے موقع پر شعبان میں آپکو بلائے جانے کی آرا پاس ہورہی تھیں کہ مولیٰ تعالیٰ جل جلالہٗ عم نوالہٗ نے اس برگزیدہ عالم کو اپنے پاس بلا لیا۔ وللآخرة خیر لک من الاولیٰ۔

آج تقریب نتیجہ مدرسہ شمس الہدیٰ میں عام تعطیل دیدی گئی۔ اور ایصال ثواب کے لئے قرآن شریف و کلمۂ طیبہ پڑھا گیا۔ چار ختم قرآن مجید اور ڈھائی لاکھ کلمۂ طیبہ کے بعد قل شریف ہوا اور حاضرین کو تبرک تقسیم کیا گیا۔ نیز چالیس دن تک روزانہ ایک ختم قرآن شریف کا انتظام کیا گیا۔ ہم جملہ مدرس و طلبہ مدرسہ شمس الہدیٰ کو سلطان الواعظین جناب مولانا مولوی عبدالاحد قادری رضوی خلف الصدق حضرت محدث سورتی و جناب مولانا مولوی محمد عبداللطیف سورتی فضل رحمانی برادرِ خورد حضرت محدث سورتی کو بیشمار درجات عالیات ہے۔ مولائے تعالیٰ حضرت محدث سورتی کو بیشمار درجات عالیات جنت المعلیٰ میں عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل بخشے۔ آمین ثم آمین۔[1]

حضرت محدث سورتی کے وصال پر ہندوستان کے تمام علماء اہلسنت نے شدید

[1] اخبار دبدبہ سکندری۔ صہ ۶۔ ۲۴ اپریل ۱۹۱۶ء۔ جلد ۵۲۔

رنج و غم کا اظہار کیا۔ اور مولانا عبدالاحد کو پیغام تعزیت ارسال کئے۔ تمام مدارس اہلسنت میں ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانیاں کی گئیں۔ اور تعزیتی اجلاس منعقد کئے گئے۔

تدفین

۸ رجمادی الاوّل کو پیلی بھیت میں عجیب عالم تھا۔ روہیلکھنڈ کے تمام اضلاع سے ہزاروں علماء اور معتقدین پیلی بھیت پہنچ چکے تھے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے صاحبزادگان حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان مرحوم اور حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں دامت برکاتہم العالیہ بھی علماء کی ایک جماعتِ کثیرہ کے ہمراہ بریلی سے پیلی بھیت پہنچ گئے تھے۔ مولانا الزار احمد کانپوری نے لکھا ہے کہ "شہر کا عجیب عالم تھا۔ خلقِ خدا زار و قطار روتی تھی"۔ حجۃ الاسلام نے بعد نماز ظہر آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ہجوم کی بناء پر جنازے کو کاندھا لگانا مشکل تھا۔ عصر اور مغرب کے درمیان آپ کو لحد میں اتارا گیا۔

معروف نعت گو شاعر حافظ خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی نے "وھو الغفور" سے تاریخ وفات اور "روضۂ اقدس وصی احمد" سے تاریخ مزار نکالی۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت نے قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ سے تاریخ وفات نکالی۔

يطاف عليهم بآنية من فضة واكواب

(خدام چاندی کے پیالے اور گلاس لئے اُن کو گھیرے ہوئے ہیں)

اعلیٰحضرت و محدث سورتی کے تعلقِ قلبی و خلوص باطنی کا اس سے بھی اظہار ہوتا ہے کہ یہی آیت کریمہ اعلیٰحضرت کی تاریخ وفات ہے۔ اگر صرف "یطاف" سے قبل "و" لگا دیں۔ یعنی سے یوں پڑھیں کہ "ويطاف عليهم بآنية من فضة واكواب" تو اس سے تاریخ سنہ ۱۳۴۰ھ نکلتی ہے۔ جو اعلیٰحضرت کا سال وصال ہے۔

حضرت محدث سورتی کے شاگرد رشید اور رسالہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ کے مدیر مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی نے یہ قطعہ کہا۔ ؎

منبع علم و بصیرت مصدر عرفان حق
کیا کریں کچھ بھی نہیں بس میں ہمارے ہائے ہائے
رحلت حضرت محدث سورتی پہ یہ کہا
بے بدل فاضل اٹھا سر سے ہمارے ہائے ہائے

مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نبیرۂ حضرت محدث سورتی نے "سرور عالی مکاں محدث سورتی" اور "محترم محدث سورتی" سے سن عیسوی کے مطابق سنہ ۱۹۱۶ء تاریخی مادّہ نکالا۔ راقم الحروف (خواجہ رضی حیدر) نے "آہ خادم احادیث وصی احمد" سے سنہ ۱۳۳۴ھ اور "آہ خادم اہل اسلام مولانا محمد وصی احمد محدث سورتی" سے سنہ ۱۹۱۶ء تاریخ وفات نکالی۔

مزار مبارک

یوپی کے شہر پیلی بھیت میں آج بھی آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے ہر سال آپ کا عرس مبارک ہوتا ہے جس میں ہندوستان کے تمام حصّوں سے علماء کرام بکثرت شریک ہو کر فروغ علم حدیث کے سلسلے میں آپ کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل عرس کے انعقاد کی ذمہ داری مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی انجام دیتے تھے۔ اور آپ کے ترک پیلی بھیت کے بعد حضرت شاہ ماناں میاں نے نہایت عقیدت و احترام سے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں شاہ ماناں میاں کے وصال کے بعد سے یہ خدمت آپ کی اہلیہ پیرانی جی انجام دیتی ہیں۔ محلہ منیر خاں میں بیلوں والی مسجد (مسجد کبیر خاں) سے متصل قبرستان میں آپ کا مزار مبارک نماز عصر سے عشاء تک زائرین کیلئے کھلا رہتا ہے۔ راقم الحروف کو ۲۳ اکتوبر سنہ ۱۹۷۹ء کو مزار شریف کی پہلی مرتبہ زیارت کا شرف حاصل ہوا اور پھر ایک ماہ پیلی بھیت میں قیام کے دوران روزانہ حاضری نصیب ہوتی رہی اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین۔

یا سورتی محدّث

فرض آپ کی اطاعت یا سورتی محدث — ذکر آپ کا عبادت یا سورتی محدث

تم نے جِلائی سنّت یا سورتی محدث — تم نے مٹائی بدعت یا سورتی محدث

تم رہنمائے دین ہو مخدوم مسلمین ہو — یا خادم شریعت یا سورتی محدث

تم زاہد و مجاہد ہو یا وصیِ احمد — تم صاحبِ فضیلت یا سورتی محدث

ارّاحموں میں تو بالا نشیں تمہیں ہو — تم پر خدا کی رحمت یا سورتی محدث

دنیائے دینِ حق میں ہے روشنی تمہاری — تم ہو سراج ملّت یا سورتی محدث

لکھ کر نئے حواشی طلاب پر تمہیں نے — رکھا ہے بار منّت یا سورتی محدث

آگے تھی علم دین کی کب روشنی یہ پھیلی — کھوئی تمہیں نے ظلمت یا سورتی محدث

کرتا ہے تہہ ادب کے زانو تمہارے آگے — درس کتاب و سنّت یا سورتی محدث

مولد کی محفلیں ہیں برپا تمہارے دم سے — مولد تمہارا سورت یا سورتی محدث

سرکار مصطفےٰؐ سے سردار انبیاءؑ سے — تم کو ہے خاص نسبت یا سورتی محدث

ایمان کی تو یہ ہے تم نے بہت بچایا — ایمان اہل سنّت یا سورتی محدث

بے وحدتوں کے دل میں کچھ ہو گی قدر کثرت — تم اور کنج وحدت یا سورتی محدث

اکرام آپ کا ہے اکرام مصطفےٰؐ کا — ہیں آپ شان ملّت یا سورتی محدث

تفسیر تم کو اپنی خود ہی بتا رہی ہے — ہر سورت اور آیت یا سورتی محدث

اب کون ہے محدث ایسا فقیہہ کامل — ختم آپ پر فقاہت یا سورتی محدث

ہیں رحمتیں الٰہی کی آیتیں ہزاروں — تم بھی ہو ایک آیت یا سورتی محدث

صورت سے ہے درخشاں نور جمال ایمان — سیرت نبیؐ کی سیرت یا سورتی محدث

تم چل بسے تو ٹوٹا مجھ پر پہاڑ غم کا — یا کوہِ استقامت یا سورتی محدث

تھی بیلی بھیت ہی کی وہ خاک جس سے تم نے — پایا خمیر طینت یا سورتی محدث

پیر فلک جھکا ہے گویا یہ چاہتا ہے — چومے تمہاری تربت یا سورتی محدث

آ کر گری قدم پر دنیا تو لات ماری — اللہ رے قناعت یا سورتی محدث

تعلیم دین کی دھن تھی صوم و صلوٰۃ کیساتھ — پائی نہ تم نے فرصت یا سورتی محدث

کرتے ہیں یاد تم کو روتے ہیں یاد کر کے — جتنے ہیں اہل سنت یا سورتی محدث

اکثر سنا ہے تم سے یوں خوش عقیدتوں نے

حافظ ہے خوش عقیدت یا سورتی محدث

نغمۂ جگر ص ۳۴، حافظ پیلی بھیتی مطبع حسنی بریلی ۱۳۳۵ھ

چراغِ راہِ شریعت

مفسّروں میں ہیں بالا محدّث سورت — محدثوں میں اعلیٰ محدّث سورت

معلم و متعلم ہیں فیضیاب اُن سے — ہیں فیضِ علم کے دریا محدث سورت

فلاحِ کُل ہے اطاعت میں اُنکی سرتاپا — صلاحِ کل ہیں سراپا محدث سورت

چراغِ راہِ شریعت ہیں شمعِ بزمِ ہدیٰ — فروغِ ملت بیضا محدث سورت

علوم پیش نظر یوں ہیں جس طرح کفِ دست — یہ رکھتے ہیں ید بیضا محدث سورت

چمن حدیث کی تعلیم کا ہمیشہ بہار — حدیث کے چمن آرا محدث سورت

تمہارا سینہ احادیث کا خزینہ ہے — غنا ہے فقر تمہارا محدث سورت

احد کے عبد ہو عبد الاحد کے والد ہو — موحدوں میں ہو یکتا محدث سورت

مصلیوں کو امامت تمہاری آتی ہے یاد — جو دیکھتے ہیں مصلّےٰ محدث سورت

تمہیں تو زیر زمین جا کے مل گیا آرام — زمانہ ہے تہ و بالا محدث سورت

ہے دل میں انجمن خاص گرم اے حافظ

ہیں دل کے انجمن آرا محدث سورت

(دلذت درد، حافظ پیلی بھیتی ص ۳۲، مطبع حسنی بریلی ۱۳۳۸ھ)

یادگارِ محدّث

ہے یہ فاتحہ یادگارِ محدث — تحیت نیاز مزارِ محدث

یہ معمول ہر سال کے فاتحہ کا — بظاہر ہے اِک یادگار محدث

چلی آرہی ہے لپٹ خوشبوؤں کی — یہ مرقد ہے دار القرار محدث

محدث کے ہمسائے سب ہیں مزے میں — کہ رحمت ہے قرب و جوار محدث

ہوں صرصر کے جھونکے کہ بادِ خزاں کے — ہے محفوظ سب سے بہار محدث

ملا ہے شرف بھی او سے منزلت بھی — جو ہے شہر سورت دیار محدث

خدا رکھے عبد الاحد کو سلامت — یہی ایک ہے یادگار محدث

تلمذ پر اُن کے ہیں شاگرد نازاں — احادیث سے افتخار محدث

شکم سیر جو علم سے پھر رہے ہیں — یہی تھے کبھی زلہ خوار محدث

مسلماں ہے کون جو سر اُٹھائے — سبھی کے ہیں سر زیر بار محدث

ہیں فرعی مسائل کی اصلوں کے ماہر — ہے شرعی شعار وقار محدث

وہ حق پر لڑے اور الحق یعلو — رہا حق مددگار یار محدث

کیا اہلِ باطل کو مجروح ایسا — ہیں سب نیم کشتہ شکار محدث

خدا جانتا ہے گذر جسطرح کی — خدا خود رہا پردہ دار محدث

یہ ہے استقامت کہ فوق الکرامۃ — زہے شانِ عز و وقار محدث

کہاں جائے خدمت سے ناچیز حافظ
پرانا ہے خدمت گزار محدث

(ولادت درد ص ۳۳، حافظ پیلی بھیتی مطبع حسنی بریلی سنہ ۱۳۳۸ھ)

یادِ محدث

آجاتے ہیں جب یاد کرم ہائے محدث — دل سے یہ نکلتی ہے صدا ہائے محدث

دلدادہ نبی کے وہ میں دلدادہ ہوں اُنکا — شیدا وہ حدیثوں کے میں شیدائے محدث

دل والوں سے پوچھے کوئی دیندار وں سے پوچھے — کیا جانے کوئی رتبۂ والائے محدث

کہتے ہیں اسے پیروی سرورِ عالم ! — اک خلق مجسم ہے سراپائے محدث

اک عمر احادیث کی خدمت میں گزاری — جب جا کے ملا آپ کو تمغائے محدث

یہ خیر ہے وہ خیر جسے کہتے ہیں جاری — جاری ہے ابھی خیر سے دریائے محدث

فردوسِ بریں کی یہ تمنا ہوئی پوری ! — اللہ بنا دے مجھے ماوائے محدث

میں اور جدائی میں کروں صبر کا دعویٰ — دل اور غم حوصلہ فرسائے محدث

ہے مشورۂ عقل کہ بہلائیے دل کو ! — اُس وقت کروں کیا میں جو یاد آئے محدث

مے سے نہ غرض ہم کو نہ میخانہ سے مطلب — ہم رند ہیں دُردِ کشِ صہبائے محدث

مانا ہو کہ صوفی ہو کہ قاری ہو واحد ہو — ہر فرد سراپا ہے سراپائے محدث

آنکھوں کو عزیز اس لئے رکھتا ہوں میں حافظ
بھرتی ہے یہاں صورتِ زیبائے محدث

(میخانہ خلد ص ۵۵، حافظ پیلی بھیتی مطبوعہ در مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی سنہ ۱۳۴۰ھ)

سنت کے حامی

سنو میں لکھتا ہوں اسمائے سامی — جو تشریف لا کر ہوئے دیں کے حامی

محدث مفسر فقیہوں میں نامی ! — وصی احمد اُن کا ہے اسمِ گرامی

ہے تحدیث کی اُن پہ بیشک تمامی — شب و روز رہتے ہیں سنت کے حامی

وہ تدریس میں فی زمانہ ہیں یکتا — وہ افتا میں رکھتے نہیں مثل اپنا

ہے گرچہ کمال اُن کو ہر عمل و فن پر — مگر ہیں احادیث پر جان سے شیدا

شب و روز کرتے ہیں دیں کی حمایت — مٹاتے ہیں دنیا سے شرک و ضلالت

فیوض اُن کے جاری رہیں تا قیامت — رہیں وہ زمانے میں باصد کرامت

بڑھے عمر اُن کی رہیں وہ سلامت — ملے حشر میں عزّ و قرب و ریاست

وسیلے سے تیرے نبیؐ کے الٰہی! — دُعا ہووے مقبول اس پر گنہ کی![1]

[1] مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی نے یہ منقبت ۱۳۲۴ھ میں حضرت محدث سورتی کی جلسۂ اہلسنت پوکھیرا ضلع مظفر پور بہار میں آمد کے موقع پر کہی تھی۔ جو "تذکرہ" کے عنوانِ تاریخی کے ساتھ تحفۂ حنفیہ پٹنہ میں شائع ہوئی۔

مولوی وصی احمد محدث سورتی زریں قلم

۱۹۱۶ء

عطائے حق کے امیں مولوی وصی احمد — ضیائے دین کے مبیں مولوی وصی احمد

غنا و فقر کے پیکر مثیل آئینہ — سلوک خلق متیں مولوی وصی احمد

دیارِ صبر و توکل کے شہریار یکتا — عملِ بحُسنِ یقیں مولوی وصی احمد

سجا لیا تھا احادیث کا چمن دل میں — تھے فردِ عالمِ دیں مولوی وصی احمد

مری نظر میں ہے وہ مکتب حدیثِ رسولؐ — جہاں تھے صدر نشیں مولوی وصی احمد

حقیر مہر کا دل یادگار سے تاباں

فروغ کوکبِ دیں مولوی وصی احمد

۱۳۳۴ھ

مایۂ دانش و ذکار، زبدۂ محدثین — خاصۂ بندگانِ حق نازشِ طاعت احد

عابدِ عصر و فخرِ دین فردِ لسال مصطفیٰؐ — مخبرِ دینِ حق و نبیؐ مولوی وصی احمد

۱۳۳۴ھ

عزیزی رضی میاں سلمہٗ الرحمٰن:۔ تقریباً سال بھر سے میری علالت و نقاہت سے کچھ واقفیت آپ کو بھی ہے۔ جیسے تیسے کر کے تمہاری فرمائش اور میری آنکھوں کے آخری نظارۂ جمال کی یاد کا عالم ربط و بے ربط الفاظ و ترکیب میں پیش کر رہا ہوں۔ خیر طلب

مہر پیلی بھیتی — ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء کراچی

چراغِ سلم

حضرت سعید بیلی بھیتی

شریعت کے علمبردار تھے حضرت وصی احمد — فجور و فسق سے بیزار تھے حضرت وصی احمد

نہایت متقی پرہیزگار و باصفا صوفی — اِسی دنیا کے وہ دیندار تھے حضرت وصی احمد

ہمیشہ طالبانِ علم دین کی دلنوازی کو — بعد لطف و کرم تیار تھے حضرت وصی احمد

پسندیدہ عمل تھا درس و تدریس حدیث اُنکا — نبیؐ کے عشق میں سرشار تھے حضرت وصی احمد

اندھیرے جہل کے اُنکی ضیا سے منہ چھپاتے تھے — وہ روشن علم کا مینار تھے حضرت وصی احمد

جو بینش میں بہت اعلیٰ حدوں تک دیکھ سکتے تھے — تو دانش میں بلند افکار تھے حضرت وصی احمد

شریعت پر چلن تھا قول میں اُنکے صداقت تھی — وہ حق رفتار و حق گفتار تھے حضرت وصی احمد

نوازا تھا انہیں اللہ نے عمدہ خصائل سے — بڑے خوش سیرت و کردار تھے حضرت وصی احمد

سلام اُن پر "چراغِ سلم" ہے سال وصال اُن کا

۱۳۳۴ھ

سعیدؔ اک شمع شب بیدار تھے حضرت وصی احمد

حضرت سعید بیلی بھیتی نے حضرت محدث سورتی کا زمانہ نہیں دیکھا، لیکن در و دیوار پیلی بھیت میں جذب قیل و قال کی صدائیں انہوں نے اپنے احساس سے ضرور سنی ہیں۔ یہ سلام اسی عقیدت کا پرتو ہے۔ جو ۲۰؍ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو پیش کیا گیا۔ (مؤلف)

عُرسِ سورتی

ہے عرسِ سورتی میلہ لگا ہے — غم اُن کی یاد کا تازہ ہوا ہے

دلہن تربت بنائی جا رہی ہے — وصیؔ قادری دولہا بنا ہے

ہیں عالم ہند کے سارے براتی — امام الہند کا یہ لاڈلا ہے

انہیں حاصل ہے فیض فضل رحماں — یہ حسن قدر یہ رتبہ ملا ہے

ملک جاروب کش ہیں آستاں پر — علی کا لال جان مصطفےٰ ہے

بجھاؤ پیاس دل کی بادہ نوشو — مئے وحدت کا ساغر چل رہا ہے

مریض لا دوا ہوتا ہے اچھا! — یہی وہ قادری دار الشفاء ہے

ہے شور زائران اہلِ الفت — کہ اک ہنگامۂ محشر بپا ہے

دکھا دو چہرۂ انور خدارا — بہت مشتاق مخلوق خدا ہے

حدیث پاک کا دو درس آ کر! — مسلمان پھر سبق بھولا ہوا ہے

فلک کل جن کے نالوں سے تھا لرزاں — انھیں کو اب مٹانے پر تلا ہے

خدارا بھیج دو عبد الاحد کو — وہابیت کا پھر اب سر اٹھا ہے

کریں ہم کس لئے غیروں کا شکوہ — کہ مار آستین اپنا بنا ہے

دے عمر جاوداں فضل الصمد کو

خداوندا یہ چشتیؔ کی دعا ہے

۱۳۹۲ھ

(ساغر نور ص۲۸۰ حافظ افتخار ولی خاں بیلی بھیتی مطبوعہ کتب خانہ اہل سنت پیلی بھیت۔)

اولاد و امجاد

شجرۂ نسب ہر دور میں فضیلت و حرمت کا باعث رہا ہے۔ انبیاءِ کرام اور اولیاءِ عظام سے لے کر بزرگان دین اور علماءِ متین تک فضیلت و حرمت کا یہ سلسلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خیال و فکر کی سچائیاں لہو میں وراثتاً شامل ہوتی ہیں۔ یہ سچائیاں انسان کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز بناتی اور شخصیت میں چار چاند لگاتی ہیں۔ صاحبانِ بصیرت کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ انسان کی شناخت اُس کے نسبی تعلق سے کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایک انسان

بظاہر اپنے اعمال و افعال کی کجی سے دوسروں کی کبیدگی کا سبب بن جاتا ہے لیکن اگر یہ کجروی اکتسابی ہو تو مردم شناس نگاہیں جوہر پوشیدہ تلاش کر کے اُسے کامل انسان بنا دیتی ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ خیال مسلم ہو گیا ہے۔ کہ اچھے لوگوں کی اولاد بھی اچھے خصائص و اطوار کی حامل ہوتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ دنیاوی جاہ و حشم اور عزت و شہرت کو جن افراد نے اپنا مطمحِ نظر بنایا اُن کی اولاد بھی اسی خبث کا شکار رہی جس کا نتیجہ بعض اوقات پورے پورے خاندان کی تباہی اور بربادی کی صورت میں سامنے آیا۔ برخلاف اس کے خوشنودیٔ باریٔ تعالیٰ کے حصول میں منہمک اور حبِ رسول ؐ میں مستغرق افراد نہ صرف خود انسانیت کے لئے چراغِ راہ ثابت ہوئے بلکہ اُن کی اولاد بھی خلق خدا کے لئے رہنما بنی رہی۔ اُن کی گفتار سے کام و دہن کو تازگی اور دِل کو پاکیزگی میسّر آتی رہی دور کیوں جایئے برصغیر ہی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر اعلیحضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خاںؒ تک سینکڑوں بزرگانِ دین اور علماءِ کرام کی اولادوں نے اپنے اجداد کے مسلک حقہ کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا اور آج بھی فضیلت و حرمت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضرت محدث سورتیؒ کے ایک صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔ اس لئے آپ کی نسل بہت محدود رہی اور آج بھی بہت محدود ہے لیکن ہر شخص نے اپنی بساط کے مطابق حضرت محدث سورتی کے مشن کو آگے بڑھانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔

سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد محدث پیلی بھیتیؒ

مولانا عبد الاحد محدث پیلی بھیتیؒ ۱۸۸۳ء بمطابق ۱۲۹۸ھ میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولوی عبد اللطیف سورتی سے حاصل کی اور بعد میں اپنے والد سے تمام علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اور تیرہ برس کی عمر میں اعلیٰحضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خاںؒ کی خدمت میں پہنچے۔ جہاں آپ نے باقاعدہ اعلیٰحضرت سے دورہ حدیث کیا۔ اور اعلیٰحضرت نے آپ کی اپنے دست مبارک سے دستار بندی کی۔ علوم دینیہ سے فراغت پانے کے بعد

آپ لکھنؤ پہنچے اور اپنے والد کے استاد حکیم عبدالعزیز سے تکمیل الطب کالج میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کو اعلیٰحضرت سے سلسلۂ قادریہ میں اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ جبکہ اپنے والد ماجد مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ کی طرف سے آپ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰنؒ گنج مراد آبادی کے سلسلہ میں بھی بیعت کرنے کے مجاز تھے۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد آپ نے کچھ عرصہ لکھیم پور میں طبابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر اپنے والد کے حکم پر مدرسۂ حنفیہ پٹنہ میں مدرس ہو کر چلے گئے۔ جہاں کئی سال آپ کا چشمۂ علم فیض رساں جاری رہا۔[1] مولانا عبدالاحدؒ کو حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ سے بے پناہ عقیدت تھی چنانچہ آپ اپنے والد کی ہمراہی میں اکثر گنج مراد آباد تشریف لے جاتے۔ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ کے وصال کے بعد بھی آپ شاہ صاحب کے فرزند مولانا احمد میاں گنج مراد آبادیؒ اور خلیفہ مولانا عبدالکریم گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں برابر حاضری دیتے رہتے تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں آپ کی شادی حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ کی نواسی اور مولانا عبدالکریمؒ کی بڑی صاحبزادی محترمہ حمیدہ خاتونؒ سے ہوئی جو علم و فضل میں یکتا اور صاحب سلسلہ خاتون تھیں۔ علامہ محمود احمد قادری نے مولانا عبدالاحدؒ کی شادی کا مفصل احوال تحریر کیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ فاضل بریلوی اعلیٰحضرت عظیم البرکتؒ بھی اس شادی میں شرکت کیلئے باراتیوں کے ہمراہ گنج مراد آباد تشریف لے گئے تھے۔ جب بارات رخصت ہو کر اُس زمانے کے ریلوے اسٹیشن مادھو گنج جانے کے لئے روانہ ہوئی۔ تو اسٹیشن پہنچنے سے قبل مغرب کا وقت ہو گیا۔ جنگل کا راستہ تھا اور قریب کا گاؤں ڈاکوؤں کی بستی مشہور تھی۔ اسی گاؤں کے ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ ڈاکو آ رہے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا اللہ اور اس کا محبوب ہماری مدد فرمائے گا۔ کچھ دیر بعد ڈاکوؤں کا گروہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ اعلیٰحضرت پیش قدمی کر کے اُن کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا کہ ہم تمہارے علاقے کے بزرگ حضرت شاہ فضل رحمانؒ کی نواسی بیاہ کر لئے جا رہے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں تم

---

[1] تذکرۂ علماء اہلسنت ص ۱۶۸

ہم کو لوٹنا مناسب سمجھتے ہو۔ آپ کے اس طرزِ تخاطب کا ڈاکوؤں پر گہرا اثر ہوا۔ اور وہ نہ صرف اپنے ارادے سے باز آ گئے بلکہ تائب ہوئے اور داخل سلسلہ ہونے کا شرف حاصل کیا۔[1]

مولانا عبدالاحد کو فنِ خطابت میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ آواز نہایت پاٹ دار اور ایسی تھی کہ گھنٹوں ماحول میں اُس کی گونج برقرار رہتی تھی۔ سیرۃ النبی اور فضائل صحابہ کے بیان پر خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ تقریر کے دوران اکثر رقت طاری ہو جاتی اور وجد کے عالم میں درود و سلام پڑھنے لگتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نوعمری ہی میں آپ کے مواعظ حسنہ کی پورے برصغیر میں شہرت ہو گئی آپ کے واعظ کی اثر پذیری سے متاثر ہو کر اعلیٰحضرت عظیم البرکت نے بریلی میں ایک خصوصی تقریب کے دوران آپ کو "سلطان الواعظین" کا خطاب عطا فرمایا۔ اور اپنی طویل نظم الاستمداد میں ایک شعر رقم فرمایا کہ

ع اک اک وعظ عبدالاحد پر | کیسے نتھنے پھلاتے یہ ہیں[2]

مولانا غلام مہر علی گولڑوی نے مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ کا ذکر خیر کرتے ہوئے ایک مقام پر مولانا عبدالاحدؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ واشہرت مواعظہ فی اکناف الھند (آپ کے مواعظ کی شہرت ہندوستان کے اطراف و اکناف میں پھیلی ہوئی تھی)۔[3]

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحدؒ کے رگ و پے میں جذبہ حریت موجزن تھا۔ آپ آزادیٔ وطن کے دلدادہ اور انگریزوں کی فریب کارانہ چالوں کے شدید مخالف تھے۔ اور برصغیر میں پروان چڑھنے والی تحریکوں میں حتی المقدور حصہ لیتے تھے۔ ندوۃ العلماء میں غیر مقلدین کی شرکت کے خلاف اپنے والد ماجد کی طرح آپ نے بھی مؤثر جدوجہد کی اور ندوہ کے مفاسد کو عوام پر واضح کرنے کے لئے مختلف شہروں کے دورے کئے۔ اور مسلمانوں کو اس ادارہ کی تائید و تعاون سے باز رکھا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۱۳ء کو کانپور کے مچھلی بازار میں ایک سڑک کی تعمیر کے نتیجہ میں اس بازار کی ایک مسجد کا کچھ حصہ شہید کر دیا گیا۔ حکومت کی اس حرکت سے پورے

---

[1] تذکرہ علماء اہلسنت ص ۱۶۹۔
[2] الاستمداد ص ۱۹۶ مولانا احمد رضا خاں بریلوی مطبوعہ مظہر فیض رضا، لائل پور ۱۳۹۶ھ
[3] الیواقیت المہریہ ص ۸۶ مولانا غلام مہر علی مطبوعہ مکتبۂ مہریہ چشتیاں۔ ۱۹۶۵ء

ہندوستان میں اشتعال پھیل گیا اور اضطراب و بے چینی نے اس قدر زور پکڑا کہ ۳؍اگست کو مسلمانوں نے مسجد میں جمع ہو کر مسجد کی از سر نو تعمیر شروع کردی۔ اس کارروائی کو روکنے کے لئے مقامی انتظامیہ نے پولیس طلب کی جس نے مجمع پر گولی چلادی۔ تقریباً ۱۵ منٹ تک فائرنگ جاری رہی۔ اور معاصر اخبارات کی اطلاع کے مطابق تقریباً چھ سو راؤنڈ کارتوس استعمال کئے گئے۔ اس فائرنگ سے ۱۶ مسلمان شہید اور ۳۰ زخمی ہوئے۔ اس واقعے کی پورے ہندوستان میں شدید مذمت کی گئی۔ مولانا عبدالاحد پیلی بھیتیؒ بھی اس موقع پر کانپور پہنچ گئے۔ اور اپنے خالہ زاد بھائی مولانا نثار احمد کانپوری کے ہمراہ حکومت کے خلاف احتجاج میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے گرفتار ہوئے اور تقریباً چھ ماہ قید و بند کی صعوبت برداشت کی۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلویؒ بھی اس صورتحال کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے مسجد کے انہدام کے سلسلے میں ایک فتویٰ "ابانۃ المتواری" کے نام سے دیا جس میں آپ نے وقف بالعوض یا بلا عوض قابلِ انتقال نہیں کے ثبوت میں قرآن حکیم اور احادیث سے دلائل قاہرہ کے انبار لگادیئے۔[1]

۷؍جولائی ۱۹۲۰ء کو جب کانگریس اور خلافت کمیٹی نے مشترکہ طور پر انگریزوں کے خلاف ترک موالات کی تحریک کا آغاز کیا تو دو قومی نظریہ کے حامی علماء دین اس بدعت کو روکنے کے لئے میدان عمل میں کود پڑے۔ انہوں نے ہندوؤں سے اتحاد کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ انگریز اور ہندو دونوں مسلمانوں کے نزدیک کافر ہیں۔ اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک دشمن کو سینے سے لگایا جائے اور دوسرے دشمن کا مقاطعہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں بیک وقت تحریک موالات اور تحریک خلافت کے لئے ایک پلیٹ فارم استعمال کرنے سے ہندو مسلم اتحاد کی فضا پیدا ہوئی۔ جو یقیناً نہ صرف غیر شرعی صورتحال تھی بلکہ اس سے آزادی وطن کی جدوجہد میں بھی شدید رخنہ پڑنے کا اندیشہ تھا چنانچہ مسلمانوں کو ترک موالات کی شرعی حیثیت

---

[1] اعلیٰحضرت کی سیاسی بصیرت صفحہ ۱۳۔ سید نور محمد قادری مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۵ء

سے آگاہ کرنے کے لئے اعلیٰحضرت عظیم البرکت نے لاہور اور لائلپور سے یکے بعد دیگرے دو استفسارات کا جواب "المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ" کے نام سے دیا جو ۱۹۲۰ء میں مطبع حسنی بریلی سے شائع ہوا۔ اس فتویٰ میں اعلیٰحضرت نے قرآن حکیم، مستند تفاسیر، احادیث نبوی اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ترک موالات کی تشریح کی اور یہ واضح کردیا کہ کوئی بھی غیر مسلم چاہے وہ ہندو ہو یا عیسائی مجوسی ہو یا یہودی اسلام اور مسلمین کے مقابلے میں "الکفر ملۃ واحدۃ" کے مصداق ہے۔ اعلیٰحضرت کے اس فتویٰ نے ہندوستان کی ایک رخی سیاست کے زاویئے بدل دیئے اور گاندھی جی کی مسلمان دشمنی پر مبنی سیاست کی بنیادیں ہل گئیں۔ اعلیٰحضرت کے موقف کو آگے بڑھانے اور اسے مسلمانوں سے روشناس کرانے کے سلسلہ میں اعلیٰحضرت کے خلفاء اور علماء اہلسنت نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ مولانا عبدالاحدؒ نے جو ہندوستان کی سیاست کو اسلامی شریعت کا لباسِ فاخرہ عطا کرنے کی فکر میں منہمک تھے۔ تحریک ترکِ موالات کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے اور پورے ہندوستان کا دورہ کرکے مسلمانوں کو ترکِ موالات کی شرعی حیثیت اور اس کے دور رس نقصانات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اپنی تقاریر میں ہندو مسلم اتحاد کی نفی کی اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اس سلسلہ میں قرآنی احکامات کی پابندی کریں۔ خصوصاً روہیلکھنڈ میں اس تحریک کے خلاف آپ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اس ضمن میں اعلیٰحضرت کے ایک معتمد خاص مولوی شفقت حسین وکیلؒ بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جنہوں نے مولانا عبدالاحدؒ کے ہمراہ اس سلسلے میں مختلف شہروں کے دورے کئے اور مولانا محمد علی جوہر کی ترک موالات کے ضمن میں ناعاقبت اندیشی کا پردہ چاک کیا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتیؒ نے لکھا ہے کہ ۱۹۲۰ء کے اواخر میں تحریک خلافت کا ایک وفد ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کیلئے جب روہیلکھنڈ پہنچا تو اس وفد نے پیلی بھیت میں مولانا عبدالاحد سے بھی ملاقات کی اس وفد کی قیادت امرتسر کے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کر رہے تھے۔ اور اس میں مولانا نثار احمد کانپوریؒ بھی شامل تھے مولانا عبدالاحدؒ نے وفد سے تقریباً چار گھنٹے مذاکرات کئے اور آخر وقت تک ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت کرتے رہے۔[1]

---

[1] تاریخ ہندو پاکستان صفحہ ۳۶۷۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۸۶ء۔

مولانا عبدالاحدؒ کا یہ خیال اتنا مستحکم تھا کہ رہنمایانِ خلافت کو تحریک ترک موالات سے دست کش ہونا پڑا۔ اور انہوں نے برادرانِ وطن سے ہٹ کر مسلمانوں کی علیٰحدہ تنظیم قائم کرنے پر توجہ دی اور یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ کفر و اسلام دو متضاد نظریے ہیں۔ اور ان کے متبع کبھی متحد نہیں ہو سکتے تحریک خلافت کے رہنما مولانا نثار احمد کانپوریؒ آپ کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔ لیکن جب انہوں نے ترک موالات میں حصہ لیا تو آپ نے اُن کی ہر مرحلہ پر سخت گرفت کی۔ مولانا حکیم قاری احمدؒ نے لکھا ہے کہ کانپور کے ایک جلسے میں مولانا نثار احمد کانپوریؒ ہندو مسلم اتحاد کے عنوان پر تقریر کر کے بیٹھے تھے کہ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحدؒ نے اسی اسٹیج سے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف دھواں دار تقریر شروع کر دی۔ مولانا نثار احمدؒ خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ آخر مجمع میں سے ایک شخص نے آواز اٹھائی تو مولانا کانپوریؒ نے اُسے خاموش کر دیا۔[1] مولانا عبدالاحدؒ کو تفسیر قرآن از قرآن میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ مولانا نثار احمد کانپوریؒ، مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، مولوی شفقت حسین وکیلؒ۔ خان بہادر احمد حسین وکیلؒ۔ مولانا قطب الدین بھرم چاریؒ، مولانا عبدالقدیر بدایونیؒ، مولانا آزاد سبحانیؒ، مولانا حامد رضا خاںؒ، مولانا عبدالعلیم صدیقیؒ مولانا جمیل احمد بدایونیؒ، مولانا عبدالماجد بدایونیؒ مولوی فضل الحق وزیر اعلیٰ بنگال اور نواب سر سلیم اللہ خان آف ڈھاکہ سے آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ اور اکثر مراحل پر باوجود نظریاتی اختلافات کے کبھی باہمی محبت اور تعلق میں کوئی فرق نہیں آیا۔

سنہ ۱۳۳۳ھ میں مولانا عبدالاحدؒ نے اعلیٰحضرت عظیم البرکت کے معیت میں فریضہ حج ادا کیا۔ ملفوظات اعلیٰحضرت میں ہے کہ علماء حرمین شریفین سے اعلیٰحضرت کی ملاقات کے دوران آپ ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ میں جب حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضی مکہ و مفتی حنفیہ کی خدمت میں گیا تو حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے عزیزی مولوی عبدالاحد صاحب بھی ہمراہ تھے۔[2] اس سفر میں مولانا

---

[1] - تاریخ ہند و پاکستان صـ ۳۵۳
[2] - ملفوظاتِ اعلیٰحضرت صـ ۱۳۶ حصہ دوئم مطبوعہ کامیاب دارالتبلیغ لاہور۔

عبدالاحدؒ نے حضرت کبیر العلماء مولانا شیخ احمد ابوالخیر مرداد کو چند احادیث سنا کر سند حدیث حاصل کی سنہ ۱۳۳۴ھ میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ کے وصال کے بعد آپ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دینے لگے اور یہ سلسلہ آخر دم تک جاری رہا۔

سنہ ۱۹۲۵ء میں شاہ ابنِ سعود نے بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی برطانیہ کی شہہ پر حجاز پر حملہ کر دیا کیونکہ شریف حسین "وائٹ ہال" میں اپنی مقبولیت کھو چکے تھے۔[1] چنانچہ مکہ معظمہ اور طائف شریف پر نجدیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس تبدیلی سے برصغیر کی سیاسی فضا بھی متاثر ہوئی ڈاکٹر قریشی نے لکھا ہے کہ اہلحدیث اور ان سے قربت رکھنے والے طبقوں نے ابنِ سعود کی حمایت کی جبکہ بریلوی مکتبۂ فکر کے علماء نے شریف حسین کی تائید کا اعلان کیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے بھی ابنِ سعود کی حمایت صرف اس امید پر کی کہ نجدی حجاز پر بادشاہت قائم نہیں کریں گے۔ لیکن اُن کی یہ امیدیں اُس وقت خاک میں مل گئیں جب شاہ ابنِ سعود نے حجاز پر اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ مولانا جوہر کے پیر و مرشد مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ۔ ایامِ اسیری کے ساتھی مولانا نثار احمد کانپوریؒ اور قدیم رفیق کار مولانا عبدالماجد بدایونیؒ نے حجاز پر نجدیوں کے قبضہ کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ ایک تنظیم انجمن خدام الحرمین قائم کی تاکہ حجاز میں نجدیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کو روکا جا سکے۔ اس تنظیم کے آرگنائزروں میں مولانا حسرت موہانیؒ اور مشیر احمد قدوائی بھی شامل تھے۔[2]

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحدؒ نے بھی نجدیوں کے ہاتھوں حجاز میں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی پر سخت احتجاج کیا اور حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ انگریزوں کے حمایت یافتہ شاہ عبدالعزیز ابن سعود کو مسلمانوں کی دل آزاری سے باز رکھے۔ اس ضمن میں مولانا عبدالاحدؒ نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں انجمن خدام الحرمین کے جلسوں سے خطاب کیا اور مولانا محمد علی جوہرؒ کو مشورہ دیا کہ وہ نجدیوں کی حمایت ترک کر کے مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کو روکنے کے لئے انجمن خدام الحرمین

---

[1] - علماء ان پولیٹکس صـ ۲۹۰ - ڈاکٹر قریشی مطبوعہ معارف لمیٹڈ - کراچی۔
[2] - علماء ان پولیٹکس صـ ۲۹۱

کے پلیٹ فارم سے کام کریں۔ نجدیوں کی کارروائیوں کی مذمت میں مولانا عبدالاحدؒ کی خدمات کا احاطہ معاصر اخبارات کی عدم دستیابی کی بناء پر اگرچہ بڑا مشکل ہے۔ لیکن اس عہد کے بیشتر اردو اخبارات میں آپ کی تقاریر کے اقتباسات ملتے ہیں۔ امرتسر کے پندرہ روزہ اخبار الفقیہہ نے بریلی اور پیلی بھیت میں ۱۵ر اور ۱۶ر جون کو نجدیوں کی مذمت میں ہونے والے دو جلسوں کی کارروائی بڑی تفصیل سے شائع کی ہے۔ بریلی کے اجلاس کی صدارت اعلحضرت کے صاحبزادے اور جانشین مولانا حامد رضا خانؒ نے کی تھی۔ جبکہ پیلی بھیت کے جلسہ کی صدارت حکیم سعید الرحمٰن خانؒ نے کی تھی۔ بریلی کا جلسہ مسجد بی بی جی میں ہوا تھا اور پیلی بھیت کا جلسہ حضرت شاہ جی شیر میاں پیلی بھیتیؒ کے عرس کے موقع پر مزار کے احاطہ میں منعقد ہوا تھا۔ ان اجلاسوں سے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحدؒ، حکیم مختار احمد صدیقی میرٹھی، قاضی احسان الحق بریلویؒ اور مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ نے خطاب کیا۔ ان اجلاسوں میں طے کیا گیا تھا کہ علماء اہلسنت پر مشتمل ایک وفد سعودی عرب روانہ کیا جائے جو شاہ عبدالعزیز سے ملاقات کرکے اُسے مقاماتِ مقدسہ کو مسمار کرنے کے سلسلے میں مسلمانانِ ہند کے جذبات سے آگاہ کرے۔ ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت ہند سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ مسلمانانِ ہند کے جذبات سے حکومتِ برطانیہ اور شاہ عبدالعزیز کو آگاہ کرے۔ مسمار شدہ مزارات کی از سرِ نو تعمیر کا انتظام کرائے۔[۱]

الفقیہہ کی ایک اور اشاعت کے مطابق جون ۱۹۲۸ء کو درگاہِ معلیٰ برکاتیہ ایٹہ ضلع مارہرہ میں حضرت سید شاہ محمد صادق قدس سرہٗ کے عرس کی تقریب سے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری پیلی بھیتیؒ نے خطاب کرتے ہوئے فضائل حضور سید عالمؐ بیان فرمائے اور آیت کریمہ انما انا بشر مثلکم کی توضیح و تفسیر اس دلنشیں طرز پر فرمائی جس نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے مثلی اور بے مثالی اور تمام مخلوق پر برتری اہلِ ایمان پر خوب واضح کرکے نجدیوں کی ضلالت و اباطیل وہابیہ کا تار و پود بکھیر دیا۔ اس تقریب سے مولانا حشمت علی خان لکھنویؒ، مولانا غلام رسول قادری بھاولپوری، حافظ محمد جان ناصری بریلویؒ وغیرہم نے بھی خطاب کیا۔[۲]

۱۔ اخبار الفقیہہ امرتسر، ۷ر جولائی ۱۹۲۶ء   ۲۔ الفقیہہ۔ ۷ر مئی ۱۹۲۸ء

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحدؒ کی زندگی ایک جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ مواعظ کی کثرت اور پے بہ پے مذہبی و سیاسی تحریکوں میں شرکت کی بناء پر عمر کا ایک طویل عرصہ آپ نے سفر میں گذارا اور ہر سفر آپ کے لئے وسیلۂ ظفر ثابت ہوا۔ ہندوستان کے مذہبی و سیاسی حلقوں میں آپ کی مقبولیت عام تھی۔ اور آپ کی آراء کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی خصوصاً مذہبی مباحث پر آپ کی تقاریر کو عوام بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے۔ اور جب آپ وعظ و تقریر کے لئے کسی دوسرے شہر جاتے تو ہزاروں افراد قرب و جوار کی بستیوں سے آپ کی تقریر سننے کے لئے جلسہ گاہ میں پہنچتے تھے۔ آپ ہر سال ۲۲ر ربیع الاوّل کو حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کے عرس میں شرکت کے لئے پیلی بھیت کے عقیدت مندوں کے ایک قافلے کے ہمراہ گنج مرادآباد تشریف لے جاتے اور اپنے والد کے شیخ کی سیرت و خدمات پر گھنٹوں تقریر کرتے۔ غیر مقلدوں اور علماء دیوبند کے عقائد کی تردید میں ایسی دلیلیں لاتے کہ پورا مجمع بیک آواز جزاک اللہ پکار اٹھتا۔ ایک مرتبہ آپ ایک جلسہ میں شرکت کے لئے مرادآباد تشریف لے گئے۔ اُس زمانے میں ہندوستان کے علماء میں طول طویل تقاریر کا رواج عام تھا۔ خصوصاً دیوبند کے مولوی انور شاہ کشمیری اور عطاء اللہ شاہ بخاری تو اکثر اذانِ فجر تک تقاریر کیا کرتے تھے۔ مرادآباد کے عوام کو سلطان الواعظین سے بھی یہ توقع تھی کہ آپ رات گئے تک تقریر کریں گے لیکن آپ نے حسب عادت قرآن حکیم کے حوالے سے ابتدائی چند جملوں میں ہی عوام کے دلوں کو گرما دیا۔ ہر سمت سے نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت گونجنے لگا اور آپ نے ایک گھنٹے کے بعد تقریر ختم کردی۔ عوام بے چین ہوگئے۔ اور آپ سے تقریر جاری رکھنے کی درخواست کی چنانچہ آپ دوبارہ کھڑے ہوئے۔ اور پندرہ بیس منٹ بولنے کے بعد فرمایا مجھے احساس ہے کہ آپ لوگوں کو پوری پوری رات تقریر سننے کی عادت ہے اور آج بھی آپ یہاں اسی ارادہ سے تشریف لائے ہیں۔ لیکن میں اذان فجر تک کس طرح تقریر کروں کہ میں آپ میں سے اکثر حضرات کے تہجد قضاء ہونے کا گناہ اپنی گردن پر نہیں لے سکتا۔

مولانا عبدالاحد کو آخر عمر میں شدید خونی لو اسیر ہوگئی تھی۔ جس کی بناء پر آپ کی مصروفیتوں میں

بڑی حد تک کمی واقع ہو گئی ــــ اور آپ کا بیشتر وقت مدرسۃ الحدیث میں گزرنے لگا۔ تصنیف و تالیف کی جانب آپ کی طبیعت مائل نہ تھی جس کی بنا پر آپ کی تحریریں صرف فتویٰ اور تقاریظ کی حد تک محدود رہیں: "اسوۂ رسول" کے عنوان سے آپ نے ایک طویل مضمون قلمبند کیا جس کو پہلی مرتبہ رسالہ کی صورت میں مکتبۂ اہلسنت پیلی بھیت نے ۱۹۲۸ء میں اور ۱۹۶۷ء میں تحریک احیائے سنت کراچی نے شائع کیا۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالاحد کے مختلف موضوعات پر مختلف رسالے مکتبۂ اہلسنت سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ لیکن باوجود تلاش بسیار یہ رسالے پاکستان کے کسی کتب خانے سے دستیاب نہیں ہو سکے۔

مولانا حکیم قاری احمدؒ کی قلمی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان الواعظین ۱۹۳۱ء کے اواخر میں شدید بیمار ہوئے۔ ابتداءً پیلی بھیت میں حکیم عبدالجبار خان کے مشورہ سے خود ہی اپنا علاج کرتے رہے لیکن مرض روز بروز شدت اختیار کرتا گیا۔ چنانچہ اپنے صاحبزادے مولانا حکیم قاری احمدؒ کے ہمراہ علاج کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے اور امین آباد میں ایک مکان کرایہ پر لے کر رہائش اختیار کی۔ مولوی عبدالحئی صاحب نزہۃ الخواطر کے فرزند ڈاکٹر حکیم عبدالعلی نے علاج شروع کیا۔ تقریباً ایک سال علاج جاری رہا۔ لیکن نقاہت اور کمزوری دور نہ ہوئی اور آپ نے ۱۳ر شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۳۳ء بروز جمعہ عصر اور مغرب کے درمیان داعئ اجل کو لبیک کہا۔ مولانا حکیم قاری احمد کا بیان ہے کہ عصر کے وقت سلطان الواعظین نے فرمایا نیچے کا جسم پاک کردو۔ اور کپڑے تبدیل کرادو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر اشارہ سے نماز عصر ادا کی۔ پھر فرمایا کیا دن ہے۔ میں نے عرض کیا جمعہ کا دن ہے۔ فرمانے لگے بہت مبارک ساعت اور دن ہے۔ اس کے بعد سیدھی کروٹ لیٹ کر سیدھا ہاتھ کنپٹی کے نیچے رکھا اور فرمایا ــــ پیرومرشد اعلیحضرت کا وصال بھی جمعہ کے دن ہوا تھا۔ کچھ دیر خاموش لیٹے میری طرف دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ میں نے بڑی زحمت دی اور اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بہتر اجر دے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر زیر لب کچھ پڑھا اور جب آواز تیز ہوئی تو آپ کی

زبان مبارک پر محمد الرسول اللہؐ تھا۔ آپ کی انتقال کی خبر پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ کانپور سے اعزاء کی آمد کے بعد آپ کی میت حسبِ وصیت گنج مرادآباد لیجائی گئی جہاں دوسرے دن بعد نماز عصر اپنے خسر مولانا عبدالکریم گنج مرادآبادی کے پہلو میں سپردِ قبر کئے گئے۔ حافظ محمد احسن خلف مولانا احمد حسن نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں مولانا عبدالحلیم خلف مولانا عبدالکریم گنج مرادآبادی اور مولانا رحمت اللہ نبیرۂ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے علاوہ ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ بریلی، کانپور، دہلی، مرادآباد، پیلی بھیت، اور بدایوں کی مساجد میں ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوئی۔ امرتسر کے اخبار الفقیہہ کے مطابق بریلی کی مسجد بی بی جی میں ۱۵ر شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ کو ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مختلف بلاد و امصار کے علماء نے خطاب کیا اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی نے مغفرت کے لئے دعا فرمائی۔[۱]

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری پیلی بھیتی نے اپنی یادگار تین فرزند چھوڑے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مولانا شاہ فضل الصمد مانا میاں۔ مولانا فضل احمد صوفی، اور مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی۔

حنیف النساء

محترمہ حنیف النساء حضرت محدث سورتیؒ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ اپنے والد سے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ گھریلو ماحول کی بنیاد پر اوائل عمری سے ہی مذہبی معاملات میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کثیرہ آپ کو ازبر تھیں۔ خواتین کی محافل میلاد جو حضرت محدث سورتی کی قیام گاہ پر منعقد ہوتی تھیں ان میں ذکرِ ولادت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کا معمول تھا۔ پیلی بھیت کی بیشتر خواتین آپ سے مذہبی مسائل بھی دریافت کرنے آیا کرتی تھیں۔ بڑی نیک، صابر و شاکر اور پابند صوم وصلوٰۃ

---

[۱] الفقیہہ ۷ر دسمبر ۱۹۳۳ء

تھیں۔ پریرا ضلع پیلی بھیت کے ایک پٹھان مولوی منشی عبدالوحید خان ولد محمد اکبر خان خٹک سے آپ کا عقد ہوا۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۴۴ء کو پیلی بھیت میں واصل بحق ہوئیں۔ مزار بیلوں والے قبرستان میں حضرت محدث سورتی کے مقبرہ کے باہر ہے مولوی منشی عبدالوحید خان قیام پاکستان کے بعد کراچی آ گئے تھے راقم الحروف سے بے پناہ شفقت فرماتے تھے۔ ۲۸ جولائی ۱۹۶۲ء مطابق ۲۵ صفر ۱۳۸۲ھ ملیر کینٹ میں انتقال فرمایا اور کھوکھراپار سعود آباد کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے غسل دیا۔ اور نماز جنازہ ادا کی۔ اولادوں کے نام یہ ہیں۔ محترمہ عزیز النساء، حبیب عثمان خان، وحید عثمان خان، اور رفیق عثمان خان، محترمہ عزیز النساء کی شادی مولانا عبدالغنی ہزاروی، سے ہوئی تھی۔ آپ بے مثال خطیب تھے۔ غیر مقلدین کا شدت سے رد فرمایا کرتے تھے۔ سیالکوٹ میں آپ کا قیام تھا۔ ۱۳۶۳ھ میں آپ کو ہیضہ کی شکایت ہوئی۔ اور اسی میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی سمت رخصت کر گئے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

کریم النساء

محترمہ کریم النساء صاحبہ پیلی بھیت میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی فارسی اور اردو پر خصوصی دسترس ہے۔ آپ کی شادی رامپور کے مولوی مرزا محمد فاروق بیگ سے ہوئی تھی۔ مولوی مرزا محمد فاروق بیگ کے والد مولانا امداد حسین ریاست رامپور کے وزیر اعظم سر عبدالصمد خان کے مدار المہام تھے۔ سرکاری ملازمت کے باوجود طبیعت میں حد درجہ استغنا اور خوف الٰہی موجود تھا۔ مذہبی حلقوں میں خصوصاً آپ کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا حضرت محدث سورتیؒ سے بھی آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ اور جب محدث صاحب رامپور تشریف لے جاتے تو آپ کے یہاں ہی قیام کرتے تھے۔ مولانا امداد حسین نے اپنے صاحبزادے مرزا محمد فاروق کو بھی مذہبی تعلیم دلوائی اور جب ابتدائی کتب درسیہ سے وہ فارغ ہوئے تو حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت بھیج دیا۔ جہاں آپ نے مدرسۃ الحدیث میں دورۂ

حدیث کیا اور سند حاصل کی۔ مولانا امداد حسین نے جو محدث سورتی کی شخصیت اور علمیت سے بے پناہ متاثر تھے۔ اپنے بیٹے کے لئے محدث سورتی کی منجھلی صاحبزادی کریم النساء کا رشتہ مانگا۔ جسے محدث سورتی نے قبول کر لیا۔ مولانا امداد حسین کی خواہش تھی کہ مرزا محمد فاروق کو رامپور میں علم دین کی ترویج و اشاعت پر مامور کریں۔ لیکن ریاست کے وزیر اعظم نے مولانا فاروق کو پولیس میں اعلیٰ عہدے پر یہ کہہ کر ملازمت دیدی کہ یہ بھی مخلوق کی خدمت کا ایک بہترین ذریعہ ہے آپ نے کئی سال پولیس کے محکمہ میں خدمات انجام دینے کے بعد ۵۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ محترمہ کریم النسا صاحبہ نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے بچوں کی پرورش کا ذمہ خود اٹھایا۔ اور تحصیل سوار رامپور میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ کا آغاز کیا تقریباً چالیس سال یہ سلسلہ قائم رہا۔ مدرسہ بعد میں سرکاری تحویل میں آ گیا تھا۔ اور محترمہ کریم النساء ۱۹۶۰ء میں اس مدرسہ کی صدر مدرس کی حیثیت سے ریٹائر ہوئیں۔ ۱۹۶۴ء میں اپنے برادر زادہ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی سے ملنے کراچی تشریف لائیں اور تقریباً چھ ماہ قیام کیا۔ مولانا حکیم قاری احمد اور راقم الحروف نے آپ کی یادداشتیں بصورت انٹرویو محفوظ کر لی تھیں جن سے پیش نظر تذکرہ کی ترتیب میں بڑی حد تک مدد ملی۔ نہایت خلیق ملنسار اور پابند صوم و صلوٰۃ خاتون تھیں۔ اپنے چھوٹے صاحبزادے مرزا احسن رضا بیگ عرف حسن میاں کے ساتھ تحصیل سوار رامپور میں مقیم ہیں۔ بینائی بہت کمزور ہو گئی ہے۔ لیکن راقم الحروف کے خطوط کا جواب بڑی پابندی سے عطا کرتی ہیں۔ مولانا حکیم قاری احمد سے اپنی اولاد سے زیادہ محبت اور شفقت فرماتی تھیں۔ اور مولانا کے وصال پر راقم الحروف کو جو تعزیتی خط تحریر کیا تھا وہ سچے جذبات کے ادبی اظہار کا ایک نادر نمونہ ہے آپ کے بڑے صاحبزادے مرزا علی رضا بیگ عرف اچھے میاں رامپور کی معروف شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ چھوٹے صاحبزادے حسن رضا بیگ سوار کے سیکنڈری اسکول میں صدر مدرس ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں آپ کو بھارتی حکومت کی جانب سے ملک کے بہترین استاد کا ایوارڈ ملا تھا۔ حسن میاں صاحب

مئی ۱۹۷۸ء میں راقم الحروف سے ملاقات کے لئے پاکستان آئے تھے۔ اور پیش نظر تذکرہ کی ترتیب و تالیف میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندوستان سے مواد کی فراہمی میں بے پناہ تعاون کیا۔ نہایت خلیق و شفیق اور مرنجان مرنج انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ محترمہ کریم النساءؒ صاحبہ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ اور اُن کی اولاد کو دینی و دنیوی نعمتوں سے مالامال کرے۔ [1]

حلیم النساء

محترمہ حلیم النساء محدث سورتی کی صاحبزادیوں میں اس اعتبار سے ممتاز ہیں کہ آپ نے اپنے والد سے درس نظامی کی سبقاً سبقاً تکمیل کی تھی۔ نہایت کم گو اور نفیس خاتون تھیں اوراد و وظائف آپ کا محبوب مشغلہ تھا آپ کی شادی بیسلپور ضلع پیلی بھیت کے مولانا محمد شفیع بیسلپوری سے ہوئی تھی۔ جو حضرت محدث سورتی کے شاگرد اور اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان کے مرید و خلیفہ تھے۔ جنہوں نے کم عمری میں ۲۴ ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۸ھ کو انتقال فرمایا۔ محترمہ حلیم النساء کا دوسرا عقد کئی سال بعد سنبھل مراد آباد کے مولوی سید فرخند علی سے ہوا۔ لیکن تادیر حیات نہ رہ سکیں اور سنہ ۱۹۲۵ء میں مراد آباد میں انتقال ہو گیا۔ مولوی فرخند علی سے آپ کے تین اولادیں ہوئیں۔ برکاتی بی، پیارے میاں اور ہاجرہ بی۔ برکاتی بی اور پیارے میاں مراد آباد میں مقیم ہیں۔ جبکہ ہاجرہ بی کراچی میں رہتی ہیں۔

عفیف النساء

محترمہ عفیف النساء کی شادی قصبہ باڑی ضلع سیتاپور کے مولانا قاضی نور عالم سے ہوئی تھی۔ نہایت کم عمری میں سنہ ۱۹۳۵ء میں انتقال ہو گیا۔ مزار پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی کے مقبرہ کے پائینتی ہے مولوی نور عالم کا انتقال سنہ ۱۹۴۲ء میں سیتاپور میں ہوا۔ قادری

[1] رامپور سے ۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۷۹ء کو موصول ہونے والے جناب حسن میاں کے ایک خط سے یہ دلدوز اطلاع راقم الحروف کو ملی کہ محترمہ کریم النساء ۲ر جون سنہ ۱۹۷۹ء کو ۳ بجے سہ پہر تقریباً ۹۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں مرحومہ حضرت محدث سورتی کی آخری یادگار تھیں۔ راقم الحروف نے ۱۲ر نومبر سنہ ۱۹۷۹ء کو تحصیل سوار رامپور میں آپ کے مزار پر حاضری دی اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے (خواجہ رضی حیدر)

بی، انوار عالم عرف پیارے میاں اور ظفر عالم عرف محمد میاں اولادوں کے نام ہیں۔ قادری بی کی شادی دہلی میں حافظ سعید الزبیر [1] کے فرزند حکیم خورشید الزبیر سے ہوئی تھی۔ آپ صاحبِ سلسلہ بزرگ تھے قیام پاکستان کے بعد قلعہ سوبھا سنگھ سیالکوٹ میں سکونت اختیار کی۔ جنوری سنہ ۱۹۶۳ء بمطابق شعبان سنہ ۱۳۸۲ھ میں سیالکوٹ ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ قادری بی سیالکوٹ سے کراچی آگئی ہیں اور لانڈھی میں سکونت ہے۔

[1] **حافظ سعید الزبیر مجددی** حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کی اولاد میں سے تھے آپ کے پردادا حضرت محمد زبیر کے دو صاحبزادے تھے ایک کا اسم گرامی عارف باللہ حضرت شاہ آفاق مجددی تھا جو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے مرشد تھے دوسرے صاحبزادے حضرت سراج الزبیر تھے جو سنہ ۱۸۵۷ء میں ترک مکانی کر کے افغانستان چلے گئے تھے۔ حضرت سراج الزبیر کے دو صاحبزادے تھے۔ حضرت محمد زبیر اور حضرت محمد نذیر۔ حضرت محمد زبیر کے تین صاحبزادے، حضرت محمد عزیز، حافظ سعید الزبیر، اور حضرت نصیر الزبیر تھے آپ کی صاحبزادی کا اسم گرامی شمس جہاں تھا۔ جن کا عقد حضرت مسعود حسن مودودی سے ہوا تھا۔ حافظ سعید الزبیر مجددی دہلی کے محلہ پیرزادگان بازار حضرت روشن آرا روڈ پر حضرت شاہ آفاق مجددی کے مزار سے متصل رہائش پذیر تھے۔ مئی سنہ ۱۹۴۳ء میں وصال ہوا۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ حکیم رشید الزبیر مجددی، حضرت مجید الزبیر، جناب حمید الزبیر اور حکیم خورشید الزبیر مجددی، ایک صاحبزادی فردوس جہاں بیگم تھیں۔ جو سنہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں شہید ہو گئیں۔ حکیم رشید الزبیر مجددی بھی سنہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں شہید ہو گئے۔ آپ کے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ جناب فرید الزبیر، جناب آفاق الزبیر، محترمہ بدر جہاں بیگم، جناب علیم الزبیر محترمہ مختار جہاں بیگم۔ جناب جواد الزبیر اور جناب نصیر الزبیر۔ سب بحمد اللہ حیات ہیں اور کراچی میں مقیم ہیں۔

فضل الصمد شاہ مانا میاں رح

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری کے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا شاہ فضل الصمد المعروف شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی بڑے باکمال عالم، بلند پایہ خطیب اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ آپ ۱۲ر شوال ۱۳۲۷ھ بمطابق ۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۹ء بروز بدھ پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا حضرت محدث سورتی نے اپنے پیرو مرشد کی نسبت سے آپ کا نام فضل الصمد رکھا جبکہ آپ کے نانا حضرت شاہ عبدالکریم گنج مرادآبادی نے آپ کو پیار سے مانا میاں کہنا شروع کیا۔ پیلی بھیت کے مشہور شاعر اور عاشق رسولؐ قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی نے تاریخی نام "شمس الفیوض" نکالا۔ آپ بچپن سے ہی خاموش طبع اور وارفتۂ حال وسکر وصحو میں تھے۔ شاید طبیعت کی اسی متانت اور سنجیدگی کی وجہ سے شاہ عبدالکریم گنج مرادآبادی نے آپ کو "مانا میاں" کہہ کر پکارا۔ اور پھر یہی نام زبانِ زدِ خاص و عام ہو گیا۔

قبلہ مانا میاں نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ حمیدہ خاتون اور اپنے چچا مولانا عبدالحئی پیلی بھیتی سے حاصل کی۔ کچھ کتابیں اپنے والد مولانا عبدالاحد سے اور کچھ کتابیں اپنے چچا مولانا مشتاق احمد کانپوری سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث بریلی میں کیا اور حصن حصین کی کچھ دعائیں اپنے نانا کو سنا کر سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت وخلافت حاصل کی۔ قبلہ مانا میاں سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد کے مرید وخلیفہ تھے جبکہ سلسلۂ چشتیہ میں آپ کو حضرت مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت معرفتِ الٰہی کا "مجسم" پیکر تھی۔ جہاں نورِ شرافت، حجاب ومتانت، حق گوئی اور حق اندیشی، خوفِ الٰہی اور حبِ نبیؐ، فقر واستغناء اور بے نفسی بدرجہ اتم موجود تھی۔ ترغیب وتحریص کا آپ کے یہاں کوئی گذر نہ تھا۔ وسعت قلبی اور فیاضی شیوۂ خاص تھی۔ آپ کی ناراضگی اور محبت سب لوجہ اللہ تھیں۔ ہر کس وناکس آپ کا والہ وشیدا نظر آتا تھا۔ اور آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔

حضرت شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی وعظ وتقریر میں اپنے والد کی مثیل تھے خطابت کا ایسا دلنشیں انداز پایا تھا کہ کئی کئی گھنٹے آپ تقریر کرتے اور مجمع ساکت بیٹھا رہتا آواز ایسی تھی کہ جیسے پہاڑوں کی وادی میں کوئی بول رہا ہو۔ دوران تقریر اکثر عالم جذب وشوق میں "اللہ ہو" کا ذکر کرنے لگتے۔ اور پھر یہ سلسلہ گھنٹوں جاری رہتا۔ حتیٰ کہ آپ نڈھال ہو کر گر جاتے۔ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد کے وصال کے بعد شاہ مانا میاں نے مسند وعظ و تقریر کو رونق بخشی۔ اور یہ سلسلہ تقریباً بیس سال تک نہایت زور وشور سے جاری رہا۔ بمبئی۔ احمدآباد، اجمیر، دہلی، لاہور، سیالکوٹ، مرادآباد، کانپور، شاہجہاں پور، بریلی، میرٹھ، بدایوں پٹنہ، غازی پور، اور کلکتہ میں آپ کی تقاریر کا بہت شہرہ تھا۔ اور آپ تقریباً پورا سال وعظ و تقریر کی مصروفیت کی بناء پر سفر میں ہی رہا کرتے تھے۔ مولانا حسرت موہانی، مولانا آزاد سبحانی مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا نذیر خجندی، مولانا ظفرالدین بہاری، مولانا سید محمد اشرف محدث کچھوچھوی۔ مولانا سید احمد ابوالبرکات الوری لاہوری۔ مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی، مولانا عبدالحلیم گنج مرادآبادی مولانا عبدالقدیر بدایونی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی سے آپ کے خاص مراسم تھے اور یہ تمام حضرات حضرت محدث سورتی کی نسبت سے آپ کی حد درجہ تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

حضرت شاہ مانا میاں قادری نے ابتداً ایک حساس شہری کی طرح محکوم ہندوستان کی قومی سیاست میں پوری طرح دلچسپی لی۔ اور اپنی تقاریر میں قومی موضوعات پر کھل کر اظہار خیال کرنا شروع کیا۔ جولائی ۱۹۳۵ء میں لاہور میں مسجد شہید گنج کا سانحہ پیش آیا جس نے پورے ہندوستان میں کشیدگی پیدا کر دی اس مسجد کو سکھوں کی جانب سے مسمار کرنے کی کوشش اور حکومت کی جانب سے مسلمانوں پر فائرنگ پر ہندوستان کے تقریباً ہر شہر میں شدید ردِ عمل کا اظہار کیا گیا۔ شاہ مانا میاں نے بھی اس سانحہ پر سکھوں اور حکومت برطانیہ کی شدید مذمت کی اس سلسلے میں انجمن نوجوانانِ پیلی بھیت کی جانب سے جامعہ مسجد پیلی بھیت میں ایک

جلسہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء بروز جمعہ منعقد ہوا جسکی صدارت مولانا فضل حق رحمانی تلمیذ حضرت محدث سورتی نے کی۔ جلسہ سے شاہ مانا میاں اور مولانا سردار احمد خان ہاپوڑی نے خطاب کیا اور کہا کہ مساجد کو مسمار کرنے والے اسلام کی نظر میں ظالم ہیں۔ اور مساجد کی حفاظت مسلمانوں کے نزدیک جزو ایمان ہے۔ مقررین نے مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کیا اور مسلمانان ہیلی بھیت کی جانب سے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔[1]

شاہ مانا میاں ہندو مسلم اتحاد کے بھی شدید مخالف تھے یہی وجہ ہے کہ اپنی ہر تقریر میں جمعیت علمائے ہند کے کردار پر نکتہ چینی کرتے اور ہر جگہ مسلمانوں کو یہ باور کراتے کہ جمعیت دراصل کانگریس کی زرخرید تنظیم ہے۔ مسلمانانِ ہند ایک علیٰحدہ وحدت ہیں۔ اور ایک جامع نظامِ زندگی کے تابع ہیں اس لئے برصغیر کی آزادی اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کا علیٰحدہ وطن ہو۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قراردادِ پاکستان منظور ہوجانے کے بعد شاہ مانا میاں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصّہ لیا۔ اور مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام متعدد جلسوں سے خطاب کرنے لگے۔ ۳۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی کانپور آمد کے موقع پر آپ کانپور میں ہی مقیم تھے۔ چنانچہ آپ نے مریدین کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ قائداعظم کے استقبال میں حصّہ لیا۔ اور قائداعظم سے ملاقات کرکے آپ کو مسلم لیگ کی تنظیم نو اور لاہور میں قرارداد پاکستان کی منظوری پر مبارکباد پیش کی اور اس تاریخی جدوجہد میں اپنی جانب سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ کانپور کے ماسٹر سعید احمد حال ساکن ملیر کالونی کا بیان ہے کہ میں اپنے پیرومرشد شاہ مانا میاں کے ساتھ اس موقع پر موجود تھا۔ اور حکیم مختار احمد خلف مولانا مشتاق احمد کانپوری بھی جو اس وقت کانپور میں نوجوان مسلم لیگی رہنماؤں میں نہ صرف ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ بلکہ مولانا حسرت موہانی کے رفیق خاص تھے۔ پیرومرشد شاہ مانا میاں علیہ الرحمۃ نے اس ملاقات میں قائداعظم سے جو گفتگو کی تھی وہ تو اب مجھے یاد نہیں

[1] ۔ رپورٹ مطبوعہ ہفت روزہ الفقیہہ امرتسر، ۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

رہی لیکن قائداعظم نے جب وقتِ رخصت پیرومرشد سے معانقہ کرنے کے بعد اپنی بھاری بھرکم آواز میں "تھینک یو" کہا تھا۔ وہ آج تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔ اور میں سوچ رہا ہوں کہ جب قائداعظم مسلمانانِ ہند کی جانب سے تائید و حمایت پر "تھینک یو" کہا کرتے تھے۔ اور آج پوری قوم اپنے "قائداعظم کا شکریہ ادا کررہی ہے۔"

قائداعظم سے ملاقات کے بعد حضرت شاہ مانا میاں نے اپنی تمام مصروفیات ترک کرکے خود کو حصولِ پاکستان کی جدوجہد کے لئے وقف کردیا۔ مولانا سید محمد اشرف محدث کچھوچھوی تلمیذ حضرت محدث سورتی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی، مولانا غلام جیلانی میرٹھی۔ اور مولانا امجد علی اعظمی کی معیت میں انہوں نے مسلمانوں کے مختلف اجتماعات سے خطاب کیا اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہوکر متحدہ ہندوستان کا نعرہ لگانے والے نام نہاد علماء کی کوششوں کے شیش محل چکنا چور کردیں۔

آل انڈیا سنّی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے بھی شاہ مانا میاں نے تقریباً پورے ہندوستان کا دورہ کرکے تقاریر کیں۔ اور مسلمانوں کے خوابیدہ احساس قومیت کو بیدار کیا۔

۴۶-۱۹۴۵ء کے مرکزی اور صوبائی عام انتخابات برصغیر کی تاریخ میں فیصلہ کن نوعیت کے حامل تھے چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح اپنی علالت کے باوجود انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے ملک گیر دورہ کررہے تھے۔ اسی دوران وائسرائے لارڈ ویول نے ۲۵ جون ۱۹۴۵ء کو شملہ میں ایک کانفرنس بلائی جو شملہ کانفرنس کے نام سے تاریخ کے صفحات میں موسوم ہے۔ اس کانفرنس کے دوران قائداعظم نے اپنی دیرینہ سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اس اصول کو تسلیم کرالیا کہ ہندوستان میں صرف اور صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اور کسی ایسی تجویز کو مسلمان ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ جو مسلمانوں کے مفادات کے منافی ہو۔ کانفرنس کے دوران قائداعظم اپنے اس موقف پر سختی سے قائم رہے اور لارڈ ویول کی تجاویز کو مسترد کردیا۔ قائداعظم کے اس اصولی اختلاف کو پورے ہندوستان میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اور مسلم لیگ

کی پوزیشن ہندوستان کی سیاست میں بہت مستحکم ہوگی۔ قائداعظم کی نظر دراصل انتخابات پر تھی۔ اور وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد ان انتخابات میں بھرپور کامیابی کے لئے فضا تیار کی جائے جیسا کہ آپ نے ۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء کو صوبہ سرحد مسلم لیگ کے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کہ موجودہ انتخابات ایک انجام کا آغاز ہیں۔ اگر مسلمانوں نے مطالبۂ پاکستان کی فراخدلی کے ساتھ حمایت کی تو ہم نصف جنگ جیت لیں گے۔

علماء اہلسنت قائداعظم کی اس کھلی اور اصولی سیاست کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کی اصولی مخالفت سے لیکر ۱۹۴۰ء میں قرار دادِ پاکستان کی منظوری تک قائداعظم دو قومی نظریہ پر سختی سے کاربند نظر آتے تھے۔ اس لئے علماء اہلسنت نے ان کی سیاست پر اعتماد کرتے ہوئے ہر موڑ پر قائداعظم کا ساتھ دیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے موقع پر سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کی نمائندہ مذہبی و سیاسی تنظیم آل انڈیا سنی کانفرنس نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کی جائے۔ مسلم لیگ کے نمائندوں کو ووٹ دیئے جائیں۔ اور مسلم لیگ کے ہر اس طریقہ وعمل کی حمایت کی جائے جو شریعتِ مطہرہ کے خلاف نہ ہو اس ضمن میں ۳۲ اکابر اہل سنت نے جن میں مولانا فضل الصمد شاہ مانا میاں سجادہ نشین پیلی بھیت بھی شریک تھے۔ ایک تاریخی فتویٰ جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ "آل انڈیا سنی کانفرنس مسلم لیگ کے ہر اس طریقہ عمل کی تائید کرسکتی ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو جیسے الیکشن کے معاملہ میں کانگریس کو ناکام کرنے کی کوشش اس میں مسلم لیگ جس سنی مسلمان کو بھی اٹھائے سنی کانفرنس کے اراکین وممبران اس کی تائید کر سکتے ہیں۔ ووٹ دے سکتے ہیں دوسروں کو ووٹ دینے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ مسئلہ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصولوں پر حکومت قائم کرنا سنی کانفرنس کے نزدیک محمود وحسن ہے۔[۱]

[۱] - اخبار دبدبۂ سکندری رامپور - ۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء (تفصیلات کے لئے مطالعہ فرمائیں خطبات سنی کانفرنس از محمد جلال الدین قادری مطبوعہ گجرات ۱۹۷۸ء)

قیامِ پاکستان کی جدوجہد کے دوران شاہ مانا میاں کو قید وبند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ ۱۹۳۹ء میں آپ نے کانگریسی وزارتوں کی وضع کردہ "واردھا اسکیم" کے خلاف زبردست تقاریر کر کے مسلمانوں کو اس اسکیم کے نتائج سے آگاہ کیا اور اپیل کی کہ وہ ان اسلام دشمن اسکیموں کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔ اسی دوران شاہ مانا میاں کو سیالکوٹ سے میلاد النبیؐ کانفرنس میں شرکت وتقریر کی دعوت موصول ہوئی چنانچہ آپ اپریل ۱۹۳۹ء کو سیالکوٹ پہنچے جہاں آپ نے میلاد النبیؐ کانفرنس کے علاوہ متعدد اجلاسوں سے خطاب کیا اور حکومت برطانیہ و کانگریسی وزارتوں کی اسلام دشمن پالیسیوں پر کڑی نکتہ چینی کی چنانچہ سیالکوٹ سے واپسی پر لاہور کے اسٹیشن سے نقص امن ایکٹ کے تحت آپ کی گرفتاری عمل میں آئی اور تین ماہ کے لئے آپ کو نظر بند کر دیا گیا۔[۱]

قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لینے کے باوجود حضرت شاہ مانا میاں قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے پیلی بھیت سے پاکستان نہ آسکے۔ ایسا کیوں ہوا یہ ایک تفصیل طلب سوال ہے۔ لیکن مختصراً صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ قیام پاکستان کے تیس سال بعد تک شاہ مانا میاں کی حیات میں کسی غیر مسلم کو پیلی بھیت میں یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ ان سے یہ پوچھ سکے کہ آپ تو پاکستان کے حامی تھے اب پاکستان کیوں نہیں جاتے۔

اپنے برادرانِ خورد مولانا فضل احمد صوفی اور مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کے پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد حضرت شاہ مانا میاں پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتیؒ کے مزار کی خاکروبی اور سلسلہ طریقت کی سرپرستی کے لئے تنہا رہ گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ اسی دوران آپ نے حضرت مولانا حکیم مومن سجاد کانپوریؒ کی پوتی سے عقدِ ثانی فرمایا جن سے آپ کے ایک لڑکی تولد ہوئی مگر چند روز زندہ رہنے کے بعد انتقال کر گئی۔ حضرت شاہ مانا میاں کو بچوں سے بے پناہ محبت تھی۔ ہر وقت محلہ پڑوس کے بچے آپ کے مکان میں موجود رہتے اور میاں گھنٹوں ان کے ساتھ حلقۂ ذکر کرتے رہتے لیکن اولاد نہ ہونے کا غم برابر دامن گیر رہتا۔ فروغِ عمر کے ساتھ ساتھ آپ کی کیفیت اور جذب میں بھی اضافہ ہوتا گیا

[۱] - مولانا قاری احمد کی یادداشتیں۔

اور سنہ ۱۹۵۸ء کے بعد آپ پر وارفتگی اور سکر و صحو کا وہ عالم طاری ہوا کہ آپ ہر طرف سے سمٹ کر مکمل طور پر خانقاہ نشین ہو گئے۔ ہر وقت رقت طاری رہتی تھی اور قرآن شریف کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ بعض اوقات جذب کی ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ ہفتوں اپنی خانقاہ سے باہر نہ نکلتے اور نہ ہی کسی کو اس دوران آپ کے پاس جانے کی اجازت تھی۔ آپ کی قبولیت و مرجعیت کشف و کرامات کا شہرہ دور و نزدیک تقریباً پورے ہندوستان میں عام تھا۔ اور عوام کی ایک بڑی تعداد جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہوتے تھے۔ اپنے حق میں دعا کیلئے پیلی بھیت حاضر ہوتے اور کامیاب و بامراد واپس لوٹتے۔ علمائے شہر کو آپ کی بعض باتوں سے اختلاف بھی ہوتا تھا۔ جو بظاہر خلافِ شریعت نظر آتی تھیں لیکن آپ کے نسبتی تعلق کے پیشِ نظر کسی کو اعتراض کی جرأت نہیں ہوتی۔ ذکر و فکر سے آپ کو قلبی تعلق تھا اور بلا ناغہ آپ کی خانقاہ میں سینکڑوں مریدین حلقہ ذکر میں شامل ہوتے اور معرفت الٰہی کے مزے لیتے۔ شاہ مانا میاں کو سماع سے بھی حد درجہ انس تھا اور آپ ہر جمعرات کو قوالی کی محفل سجاتے جس میں شرکت کے لئے ہندوستان کے تقریباً تمام قوال آیا کرتے تھے۔ حضرت کے قوالی سے انس کا ایک منظر راقم الحروف کو بھی سنہ ۱۹۵۷ء میں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت اپنے برادر خورد مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی سے ملاقات کے لئے اُن دنوں کراچی تشریف لائے تھے۔ اور کھارادر میں مقیم تھے۔ اتفاقاً اسی محلہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ کے عرس کے موقع پر قوالی کا اہتمام کیا گیا۔ رات کے گیارہ بجے قوالی شروع ہوئی۔ پاک و ہند کے مشہور قوال بڑے صالح محمد نے بادِ نسیم چھیڑا تو حضرت بے قرار ہو گئے میں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ دریافت فرمایا قوالی کہاں ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا برابر والی گلی میں۔ فرمانے لگے چلو۔ اب ہم یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔ حکیم قاری احمد صاحب ابھی مطب سے تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لئے میں نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ "میاں" قوالی میں جانے کو کہہ رہے ہیں۔ والدہ نے منع کر دیا۔ کہنے لگیں میاں پر قوالی میں کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس لئے اپنے والد کا انتظار کر لو۔ راقم الحروف نے میاں کی خدمت میں عرض کیا تو مسکرائے اور فرمایا تمہاری ماں ڈرتی ہیں۔ چلو ابھی آ جائیں گے۔ اب میری یا والدہ کی کیا مجال کہ کچھ کہہ دیں دونوں خاموش ہو

گئے۔ میاں نے مونگیا چادر شانے پر ڈالی۔ پانوں کی ڈبیہ لی ایک عالم مستی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے قوالی کی محفل زوروں پر تھی۔ اور میاں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اسٹیج کے قریب ہی ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بڑے صالح محمد اُس وقت شاہ نیازؒ کے اس مصرعہ کی تکرار کر رہا تھا کہ

؎ اے دل بگیر دامن سلطان اولیاء

کچھ دیر تو میاں کی گردن شاخِ ثمردار کی مانند ہلتی رہی پھر آپ نے قوال کو ویل دینا شروع کی اور پاس جتنے بھی روپے تھے سب قوال کو دے دیئے۔ پھر جیب سے گھڑی نکال کر دے دی پھر پانوں کی چاندی کی ڈبیہ نذر کی اور عالم بے خودی میں گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ قوال مردم شناس تھا۔ اس لئے اس نے بھی تکرار جاری رکھی۔ اور جب تک میاں اپنی جگہ پر ڈھیر نہیں ہو گئے۔ برابر تکرار کرتا رہا۔ راقم الحروف جس کے لئے یہ صورتحال بالکل اجنبی تھی۔ عالم حیرت میں قریب ہی کھڑا میاں کی کیفیت کو دیکھتا رہا اور جب میاں عالم بے خودی سے باہر آئے تو محلّہ کے چند افراد کی مدد سے گھر لے آیا۔ ہر چند اس واقعہ کو بیس برس سے زائد بیت چکے ہیں اور یوں بھی تیرہ چودہ سال کی عمر میں گذرے ہوئے اکثر واقعات ذہن کی سلیٹ سے مٹ چکے ہیں۔ لیکن میاں کے وجد کا منظر آج بھی آنکھوں میں نہ صرف اُسی طرح تازہ ہے بلکہ راقم الحروف قوالی کی محفلوں میں شرکت سے صرف اس لئے خائف رہتا ہے کہ کہیں اُس پر بھی ایسی ہی کیفیت طاری نہ ہو جائے مگر،

؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک را

شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی کی زندگی نہایت سادہ اور بے ریا تھی۔ دنیا داری اور طمع و لالچ سے آپ کوسوں دور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مریدین کی تعداد ہزاروں سے زیادہ پہنچ جانے کے باوجود آپ کی وضع قطع اور طرز رہائش میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ مونگیا رنگ کا انگرکھا، اسی رنگ کی تہمد اور اسی رنگ کی ایک طویل چادر آپ کے لباس میں شامل تھی۔ آپ کے بیشتر مریدین نے بھی یہی لباس اختیار کر لیا تھا۔ لیکن احترام پیر کی نیت سے وہ کبھی اس لباس میں شاہ مانا میاں کی خدمت میں نہیں آتے تھے۔ پیلی بھیت و کانپور کے سابقہ باشندے جنکی بڑی بڑی تعداد اب کراچی و سکھر میں مقیم ہے۔ شاہ مانا میاں سے شرف بیعت رکھتے ہیں۔ گذشتہ

سالوں میں جن حضرات کو میاں کی زیارت کا موقع نصیب ہوا اُن کا بیان ہے کہ میاں اُن دنوں "موتو قبل انت موتو" کی مکمل تفسیر بن گئے تھے۔ اللہ رب العزت سے بے پناہ تعلق اور اُس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق نے محویت و استغراق کا وہ عالم آپ پر طاری کر دیا تھا کہ آپ ماسوا کے خیال سے ناواقف و بے خبر ہو گئے تھے۔ ہر لمحہ خدا کی عظمت و محبت اور رسولِ خدا کی شفاعت کا احساس آپ کے قلب پر حاوی رہتا اور اسی کیفیت و احساس کا یہ اثر تھا کہ آپ سے بے شمار خارق عادت باتیں اور کرامات ظاہر ہوتیں۔ اور بندگانِ خدا فیض اٹھاتے آپ کا ہر لمحہ مجاہدہ اور ریاضت میں بسر ہونے لگا تھا۔ حتیٰ کہ مقربین بھی آپ کی زیارت سے ہفتوں محروم رہنے لگے۔ لیکن جب آپ اپنی خانقاہ سے باہر آتے تو آپ کا چہرہ مثلِ آفتاب دمک رہا ہوتا۔ آخر میں مجاہدہ اور ریاضت کی اس کثرت اور رقّت کی فراوانی سے آپ کو لو بلڈ پریشر رہنے لگا۔ آنکھوں میں اضمحلال کی ایک مستقل کیفیت نمایاں رہنے لگی۔ اور اعضا ضعف پکڑنے لگے مگر آپ کے معمولات میں کوئی تبدیلی نمایاں نہ ہوئی۔ ان دنوں مقربین سے اکثر فرمایا کرتے "ہجر کی شب کٹنے میں کچھ دیر باقی ہے۔ ذرا دم لے لوں۔ ساعت وصال قریب ہے۔" انہی ایام میں آپ کے برادر خورد مولانا حکیم قاری احمد کراچی میں وصال کر گئے۔ راقم الحروف نے مولانا کی وصیت کے مطابق اس سانحہ فاجعہ کی اطلاع دی چنانچہ ۱۳ جون ۱۹۷۶ء کو آپ نے راقم الحروف کو صبر کی تلقین فرماتے ہوئے کہا کہ "تمام اجسام خاکی ہیں اور تمام ارواح امانت الٰہی۔ سو امانت اپنے مالک کو پہنچ گئی۔ صبر شیوہ مومن ہے سو وہ اختیار کرو اور کثرت سے دعائے مغفرت کرتے رہو فقیر کا بھی وقت آخر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس منزل سے سکون کے ساتھ گذار دے۔ قاری احمد کا وصال میرے لئے بھی ایک سانحہ عظیم ہے۔ لیکن انا للہ و انا الیہ راجعون ہ کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

شاہ مانا میاں نے ہرچند راقم الحروف کو صبر کی تلقین کی لیکن وہ خود اپنے بھائی کی جدائی کا غم نہ برداشت کر سکے۔ اور اپنے بھائی کے انتقال کے ٹھیک آٹھ ماہ سترہ دن بعد یعنی ۳۱ جنوری ۱۹۷۷ء بمطابق ۱۰ صفر ۱۳۹۷ھ بارہ بجے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ راقم الحروف کو حضرت محدث سورتی کے نواسے حسن میاں نے جو تدفین میں شرکت کے لئے رامپور سے پیلی بھیت پہنچے تھے۔ اطلاع دی اور راقم الحروف ایک مرتبہ پھر یتیم ہو گیا۔

حضرت شاہ مانا میاں کی اہلیہ نے ۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو احقر کے نام ایک خط میں میاں کے وصال کی تفصیلات درج کیں جن سے پتہ چلا کہ مولانا حکیم قاری احمد کے وصال کے بعد سے میاں ہر وقت مغموم اور مضمحل رہنے لگے تھے۔ چنانچہ اس سال حضرت محدث سورتی کا سالانہ عرس بھی ملتوی کر دیا گیا۔ اور خود میاں نے عرس کی تاریخیں ۹، ۱۰ اور ۱۱ صفر ۱۳۹۷ھ مقرر کی تھیں۔ چنانچہ آپ محرم الحرام کے عشرۂ ثانی سے عرس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے — ۸ صفر کو تقریباً پورے ہندوستان سے مریدین کی ایک بڑی تعداد پیلی بھیت پہنچ گئی۔ لیکن آپ کی طبیعت اچانک علیل ہو گئی۔ بلڈ پریشر گر گیا۔ اور ڈاکٹر نے سختی سے آرام کی ہدایت کی مگر ۹ صفر کو بعد نماز فجر قرآن خوانی سے عرس کی تقریبات کا آغاز ہوا۔ ۹ بجے میلاد شریف ہوا جو نماز ظہر تک جاری رہا — اس روز آپ پر نقاہت کا شدید غلبہ تھا۔ لیکن صلوٰۃ و سلام کے لئے مریدین کا سہارا لیکر خانقاہ میں پہنچے اور پھر رات گئے تک محفلِ سماع میں بیٹھے رہے۔ مہمان خانے میں جاکر مریدین کی خیریت بھی دریافت کی اور اپنی نگرانی میں لنگر تقسیم کروایا۔ ۱۰ صفر کی صبح بیدار ہوئے تو نقاہت بہت شدید تھی اور بلڈ پریشر گر جانے کی وجہ سے چکر آ رہے تھے۔ چنانچہ فوری طور پر ڈاکٹر کو بلاکر گلوکوز چڑھایا گیا۔ ۱۲ بجے دوپہر تک گلوکوز چڑھتا رہا۔ اور آپ خادمین کو عرس کے سلسلے میں ہدایات دیتے رہے۔ مگر ساڑھے بارہ بجے طبیعت اچانک بگڑ گئی۔ اور چند ثانیوں میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۱۴ صفر کو بعد نمازِ عصر تدفین عمل میں آئی نماز جنازہ میں تقریباً بیس ہزار کے قریب افراد شریک تھے۔ پیلی بھیت سے راقم الحروف کے نام آنے والے تعزیتی خطوط سے پتہ چلا کہ اس سے قبل پیلی بھیت میں اس سے بڑا مجمع نہیں دیکھا گیا۔ میاں کے سوگ میں تین دن تک شہر میں کاروبار بند رہا۔ کیونکہ میاں کی شخصیت پیلی بھیت کے عوام کے لئے سرمایۂ افتخار اور روحانی باپ کی سی تھی۔ راقم الحروف نے حضرت مانا میاںؒ کی تاریخ ولادت میں اضافہ کے ساتھ تاریخِ وصال نکالی۔ ؎

شمس الفیوضِ جاودانہ

۱۳۹۷ھ

حضرت شاہ مانامیاں قادری چشتی پیلی بھیتی۔ لہٰذا اپنے برادرِ خورد مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کی خواہش پر تصنیف و تالیف کی جانب بھی توجہ دی بزرگانِ دین کے تذکرے اور متعدد مضامین قلمبند فرمائے۔ آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تفصیلات یہ ہیں۔

۱۔ اطاعتِ رسولؐ ۲۰ صفحات مطبوعہ تحریک احیائے سنّت کراچی سنہ ۱۹۶۱ء

۲۔ سوانح محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیاءؒ۔ ۲۰۰ صفحات مطبوعہ امین برادرس کراچی سنہ ۱۳۸۹ھ

۳۔ سوانح حیات اعلیٰحضرت بریلویؒ۔ ۱۸۴ صفحات، مطبوعہ امین برادرس کراچی سنہ ۱۹۷۰ء

۴۔ سوانح حضرت لال شہباز قلندرؒ۔ ۱۶۴ صفحات۔ مطبوعہ امین برادرس کراچی سنہ ۱۹۷۰ء

۵۔ سوانح حضرت بابا فرید گنج شکرؒ۔ ۱۸۴ صفحات مطبوعہ امین برادرس کراچی سنہ ۱۳۹۲ھ

اس کے علاوہ آپ کے متعدد مضامین احکامِ قرآنی، سیرت نبویؐ اور سلوک و تصوّف پر ماہنامہ پیامِ حق میں شائع ہوئے ہیں۔

مولانا فضل احمد صوفیؒ

سلطان الواعظین مولانا عبدالاحدؒ کے منجھلے صاحبزادے مولانا فضل احمد صوفیؒ ۲۸ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۹ھ بمطابق ۲۰ر دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء بروز بدھ اپنے ننھیال گنج مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچا مولانا عبدالحئیؒ پیلی بھیتی سے حاصل کی۔ صرف و نحو کی کچھ کتابیں مولانا فضل حق رحمانی پیلی بھیتیؒ سے پڑھیں پھر کانپور چلے گئے۔ جہاں آپ نے حلیم مسلم ہائی اسکول میں داخلہ لے لیا اور امتیازی نمبروں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ مولانا فضل احمد صوفیؒ کو اوائل عمر سے ہی شعر و ادب اور مضمون نویسی سے شغف تھا چنانچہ آپ نے ابتداً ادبی موضوعات پر مضامین لکھے۔ اور کانپور سے ایک ادبی ماہنامہ "تحریریں" جاری کیا لیکن معاشی مجبوریوں کے پیش نظر یہ سلسلہ ترک کر کے ریلوے کے سی ٹی ایم آفس میں ملازمت اختیار کر لی اور بمبئی چلے گئے۔ بمبئی میں آپ کو لکھنے پڑھنے کے وافر مواقع میسّر آئے۔ اور مختلف اخبارات کے لئے مضامین لکھنا شروع کر دیئے۔ آپ بیک وقت عربی فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں پر قدرت رکھتے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب بمبئی میں قومی سیاست کا

عروج تھا۔ اور مسلمان زعماء مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے لئے شبانہ روز جدوجہد کر رہے تھے۔ لہٰذا آپ نے بھی قومی موضوعات پر قلم اٹھایا اور سرکاری ملازمت میں ہوتے ہوئے کھل کر اظہارِ خیال کیا۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں ہندوؤں کے ایک فرقہ پرست ادیبوں کے گروہ نے یہ مطالبہ شروع کیا کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان بجائے اردو کے ہندی ہو اور پھر اس موضوع پر تمام اخبارات میں ایک طویل بحث شروع ہو گئی۔ چنانچہ مولانا فضل احمد صوفی نے بھی اس بحث میں حصہ لیا اور انگریزی و اردو اخبارات میں متعدد مضامین لکھے۔ اس بحث میں آپ کا مؤقف یہ تھا کہ "اردو کبھی بھی مسلمانوں کی زبان نہ تھی۔ اس لئے کہ کئی صدی قبل جب مسلمانوں کے سندھ سے تعلقات ہوئے تو اُن کی زبان عربی تھی۔ چند صدی بعد جب ایرانیوں نے ہندوستان میں قدم رکھا تو مسلمانوں کی زبان فارسی تھی۔ ایسی حالت میں کون منصف مزاج یہ کہہ سکتا ہے کہ اردو یا ہندی مسلمانوں کی زبان ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اردو سے جو تعلق ہے وہ اتنا ہی ہے جتنا ہندوؤں کو ہندی سے۔ کیونکہ مسلمانوں نے اپنی عربی اور فارسی جیسی زبانوں کو ترک کر کے اردو کو اختیار کیا۔ اور صدیوں سے اب اسی کے ماحول میں پرورش پا رہے ہیں۔ ان کا یہ عمل محض وطنی اتحاد اور اجتماعی پاسداری کی بنا پر تھا۔ بہرحال جس زاویۂ نظر سے بھی دیکھا جائے اردو کو ہم ملک کی مشترکہ زبان پائیں گے چنانچہ ہندوستان کی اگر کوئی مشترکہ زبان ہو سکتی ہے تو وہ اردو ہے جو آج ملک کے ہر صوبہ میں بولی جا رہی ہے کہیں تھوڑی کہیں زیادہ۔ یہی نہیں بلکہ یہ اردو ہی ہے جو "ہندوستانی" زبان کے نام سے دوسرے ممالک میں روشناس ہو چکی ہے۔ اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج"۔[1]

مولانا فضل احمد صوفی کی قلمی ڈائریوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی علمی استعداد بڑھانے کیلئے مطالعہ جاری رکھا صوفی صاحب کا یہ اصول تھا کہ وہ جو کتاب پڑھتے تھے۔ اُس کے نوٹس اپنے ڈائری پر لے لیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی قلمی ڈائریاں کتابوں کے اختصار سے مالا مال ہیں۔ ان میں تفاسیر، احادیث، تاریخ اسلام، سیاست شعر و ادب، تذکرہ و سوانح اور اعتقادیات کی سینکڑوں کتابیں شامل ہیں۔ ان ڈائریوں کے مطالعہ

---

[1] فضل احمد صوفی۔ مضمون۔ "ہندوستان کی مشترکہ زبان" مطبوعہ بیداری مالیگاؤں۔ ۱۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء

سے ایک اور بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا فضل احمد صوفی نے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۸ء تک نہ صرف بہت دیدہ ریزی سے مطالعہ کیا بلکہ اس عرصے میں اُن کا ذہن ایک مخصوص نہج پر استقلال پاتا گیا۔ ان قلمی یادداشتوں میں آپ مسلم خلفاء میں حضرت عمرؓ کے بعد سب سے زیادہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے متاثر نظر آتے ہیں کیونکہ آپ نے ایسی تمام کتب سے اجمالاً یادداشتیں قلمبند کی ہیں۔ جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی حیات و خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ برصغیر میں آپ کی آئیڈیل شخصیتوں میں مولانا محمد علی جوہرؔ علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح تھے۔ چنانچہ آپ نے قومی سیاست پر مضامین تحریر کئے تو ان میں انہی شخصیات کے تصورات و نظریات کی چھاپ نظر آتی ہے ایک مقام پر آپ — سیاسیات اسلامی کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ "اسلام انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لئے بہترین نظامِ حیات اور دستور العمل ہے۔ اس کا تابع ہر انسان اپنی جگہ جامع الصفات ہے اسلام میں مذہب و سیاست کی کوئی تفریق نہیں بلکہ اسلام کا ایک سچا علم بردار اگر مسجد میں زاہد شب بیدار ہے تو میدان میں بہترین مجاہد۔ الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوفٌ علیہم ولا ھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون۔ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الاخرۃ - یہی وجہ ہے کہ سعد بن ربیع کو جنگ احد میں مسلمانوں نے دم توڑتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کوئی وصیت ہو تو کر دیں۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ: اللہ کے رسول کو میرا اسلام پہنچا دینا اور قوم سے کہنا کہ آپ کی راہ میں جانیں نثار کر دیں" یہ ایک مومن کی اور اسلام کے سچے فرزندوں کی شان ہے[1]۔

مولانا فضل احمد صوفی حق گوئی اور بے باکی کو آئینِ جوانمرداں تصور کرتے تھے اور بلا خوف حق بات کہتے اور حق بات کی تائید کرتے۔ ۱۹۳۵ء میں قائد اعظم کی انگلستان سے وطن واپسی مسلمانوں کے لئے ایک بہت افزا شگون تھا کیونکہ مولانا محمد علی جوہر کے انتقال کے بعد مسلمانانِ ہند کو کوئی ایسی شخصیت افقِ سیاست پر نظر نہیں آتی تھی جو اُن کی سیاسی جدوجہد

[1] قلمی یادداشتیں۔ مملوکہ معین احمد صوفی پیلی بھیت۔ (بھارت)

کی صحیح سمت متعین کرے۔ ہر چند علامہ اقبال بھی مسلمانوں میں فکری انقلاب کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ لیکن ان کو بھی ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی۔ جو ان کے خوابوں کو حقیقت کا روپ دے سکے۔ چنانچہ قائد اعظم کی ہندوستان واپسی کا مسلمانوں کے ہر طبقے نے خیر مقدم کیا اور آپ کو تعاون کا یقین دلایا۔ ان دنوں قائد اعظم بمبئی میں مقیم تھے اور برصغیر کے مسلمانوں کی نگاہیں اسی جانب لگی ہوئی تھیں۔ مولانا فضل احمد صوفی نے بھی اس مرحلہ پر قائد اعظم کی آواز پر لبیک کہا اور مسلم لیگ کی کھل کر حمایت شروع کر دی اسی دوران مسلم لیگ کی مقبولیت سے گھبرا کر جمعیت علمائے ہند کے چند سر برآوردہ افراد نے لکھنؤ میں شیعہ سنی مناقشات کا بازار گرم کر دیا تاکہ مسلمان فرقہ واریت کا شکار ہو جائیں۔ اور مسلم لیگ اپنی تنظیم نو میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں کچھ رہنماؤں نے مسلم لیگ اور قائد اعظم پر تبرا شروع کر دیا۔ اور کہا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ تو کرتی ہے لیکن اُس نے لکھنؤ کے شیعہ سنی اختلافات کو ختم کرانے کے سلسلہ میں کیوں خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ مولانا فضل احمد صوفی نے اس موقع پر ٹائمز آف انڈیا میں ایک مضمون لکھا اور بتایا کہ شیعہ سنی اختلافات ختم کرنے کے سلسلہ میں مسلم لیگ نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ شاید یہ اعتراض کرنے والے اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ محمد علی جناح نے سب سے پہلے ان اختلافات کو ختم کرانے کے سلسلے میں مسلم لیگ کی خدمات پیش کی تھیں۔ لیکن ان کو نہ معلوم کن وجوہات کی بناء پر قبول نہیں کیا گیا۔ ایسی صورت میں مسلم لیگ کی حکمت عملی سوائے خاموشی کے اور کیا ہو سکتی تھی کیونکہ ایک سیاسی جماعت کو اس قسم کے فرقہ وارانہ مظاہروں سے دور ہی رہنا چاہیئے۔[1]

مولانا فضل احمد صوفی نے مسلم لیگ کی پالیسیوں کو عوام الناس سے روشناس کرانے اور مسلمانوں کو ایک علیحدہ قومیت کا احساس دلانے کے لئے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں مضامین لکھے۔ آپ کو اپنے مخصوص احساس قومیت کی بناء

[1] ٹائمز آف انڈیا۔ ۲۵ مئی ۱۹۳۹ء

پر علامہ اقبال۔ اکبر الٰہ آبادی۔ مولانا الطاف حسین حالی کی شاعری سے خصوصی طور پر اُنس تھا۔ آپ کی قلمی یادداشتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے حالیؔ، اکبرؔ اور اقبال کی شاعری کی روح میں پوشیدہ فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ قلمی یادداشتوں میں حالیؔ، اکبر اور اقبالؔ کی شاعری اور اُن کے فلسفہ پر بڑے مبسوط مضامین شامل ہیں جن سے مولانا فضل احمد صوفی کی شعر فہمی اور اپنے عہد کے خارجی اور داخلی عوامل کے ادراک کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مولانا فضل احمد صوفی کو چونکہ اقبال کا دور ملا تھا اس لئے آپ کی نظر اقبال کے قول و فعل پر زیادہ رہی ہر جگہ اور ہر مقام پر آپ اقبال کو اپنے لئے راہبر اور راہ نما بنا کر آگے بڑھتے ہیں۔ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ بہت سی کتابیں پڑھ کر بھول جانے کے بعد مضمون سے واقفیت پیدا ہوتی ہے ان کتابوں کی مثال عمارت میں بنیاد کی سی ہے جو نظر نہیں آتی۔ لیکن وہی مکان کی اصل پشت پناہ ہوتی ہے۔ مولانا صوفی کے مطبوعہ مضامین کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ بہت سی کتابیں پڑھنے کے بعد بھول گئے لیکن ان کتابوں کے مندراجات اُن کے مضامین میں جھلکتے ہیں۔ علامہ اقبال کی دوسری برسی کے موقع پر ایک مضمون میں آپ نے علامہ اقبال کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاعری سے ہٹ کر علامہ اقبال کے اندر ایک اعلیٰ سیاست دان اور مدبر کی صلاحیتیں بھی موجود تھیں۔ جن کا انہوں نے ہندوستان کی سیاست میں اکثر و بیشتر مظاہرہ کیا۔ وہ اپنے عہد کے حالات و واقعات سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعری اور فلسفہ دونوں اپنے اندر آفاقیت لئے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی آخری عمر میں مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کے لئے بہت زیادہ فکرمند رہنے لگے تھے۔ لیکن صحت نے ان کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ کھل کر کسی ایک پلیٹ فارم پر کام کرتے۔[1]

مولانا فضل احمد صوفی نے کانگریسی وزارتوں کی وضع کردہ واردھا اسکیم پر بھی کڑی نکتہ چینی کی اور ٹائمز آف انڈیا میں اس اسکیم کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ انہوں نے اپنے مضامین

---

[1] دی پوئٹ آف دی ایسٹ مضمون ایف اے صوفی (ڈیلی بھیت) مطبوعہ دی پروگریس بمبئی ۲۰ اپریل ۱۹۴۰ء

میں واضح طور پر کہا کہ کانگریس قوم پرستی اور تعصب کا شکار ہے۔ اور جو مسلمان کانگریس سے اچھائی کی توقعات رکھتے ہیں وہ خوش فہمی کا شکار ہیں۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرارداد پاکستان کی منظوری مولانا فضل احمد صوفی کے لئے شدید مسرت کا باعث ہوئی۔ چنانچہ آپ نے مسلم لیگ کے منصوبۂ وطن کے خدوخال کو اپنے مضامین میں اجاگر کیا اور قراردادِ لاہور کو جو بعد میں قراردادِ پاکستان کا روپ دھار گئی۔ بین الاقوامی سیاسی اصولوں کی کسوٹی پر پرکھ کر پیش کیا۔ اس سلسلہ میں دی پروگریس بمبئی میں شائع ہونے والا آپ کا مضمون "مسلم لیگ ہوم لینڈ پلان" بڑی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس مضمون میں مولانا صوفی نے اُن اعتراضات کا بھی شافی جواب دیا ہے جو لاہور میں قرارداد کی منظوری کے فوراً بعد ہندوؤں کی جانب سے اٹھائے گئے تھے۔ مولانا فضل احمد صوفی نے لکھا کہ تقسیم ہند کی یہ اسکیم کب عملی روپ اختیار کریگی۔ میری گفتگو سے ایک علیحدہ موضوع ہے۔ لیکن یہ اسکیم کیوں پیش کی گئی۔ اس کے محرکات و عوامل کیا ہیں۔ یہ بتانا میری ذمہ داری ہے۔ دراصل یہ سوچ مسلمانوں کے قومی و ملّی احساس کا ایک صدی قبل سے حصّہ ہے لیکن اس کے اعلانیہ اظہار کا ابھی تک کوئی مناسب موقع ہاتھ نہ آیا تھا۔ اب جبکہ ۱۹۳۷ء میں کانگریسی وزارتوں کے قیام کے بعد کانگریسی راج کے صوبوں میں ہندوؤں نے جو رویّہ اختیار کیا اُس نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے حقوق کے سلسلے میں کھُل کر کوئی فیصلہ کریں۔ مسلم ثقافت اور اردو زبان کے سلسلے میں گذشتہ دو ڈھائی سال کے دوران کانگریسی وزارتوں نے جو کچھ بھی کیا وہ مسلمانوں کی دلجوئی کے لئے نہیں بلکہ اُن میں نفرت کو پروان چڑھانے کے لئے کیا گیا۔ بندے ماترم اور کانگریس کے جھنڈے کا احترام کروانے کے لئے مسلمانوں پر جو مظالم کئے گئے وہ ناقابل بیان ہیں۔ ایسے حالات میں یہ کہنا کہ مسلم لیگ نے سامراج کے اشارے پر تقسیم ہند کا مطالبہ کیا ہے سراسر حماقت ہے بلکہ کانگریس خود اس مطالبہ کی ذمہ دار ہے۔ اور اب وہ تقسیم ہند کے اس مطالبہ کو اپنی ہی غلطی تصوّر کر کے قبول کر لے کیونکہ اپنے عمل سے کانگریس نے ثابت کر دیا ہے کہ انصاف، مساوات اور خیرسگالی کے وہ الفاظ جو کانگریس کے رہنما کثرت سے استعمال کرتے ہیں کوئی حقیقت نہیں

رکھتے۔ بلکہ اپنے مقاصد کا ایک عیارانہ اظہار ہیں۔ کانگریس نے ہمیشہ مسلمانوں کی امنگوں اور خواہشات کو نظر انداز کیا ہے۔ اور کانگریس کا یہی رویہ آج قرارداد لاہور کے جلو میں تقسیم ہند کے مطالبہ پر منتج ہوا ہے۔ اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ کانگریس فوری طور پر مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت اور تنظیم تصور کرتے ہوئے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین ایک پروقار سمجھوتہ کے لئے راہیں ہموار کرے کیونکہ مسلمان تقسیم ہند کے مطالبہ سے دستبردار نہیں ہوں گے یہ کانگریسی رہنماؤں کے تدبر کا امتحان ہے اور ایسے وقت میں ضروری ہے کہ کانگریسی رہنما حقیقت کو تسلیم کریں چاہے یہ حقیقت اُن کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو یا نہیں۔[1]

مولانا فضل احمد صوفی نے ۳ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر کو ایک خط "پاکستان" کے عنوان سے لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ "کانگریسی رہنما خصوصاً وہ جو مسٹر منشی کے ہم خیال ہیں مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان سے سخت برہم دکھائی دیتے ہیں لیکن برہمی سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اُن عوامل پر غور کیا جائے جنہوں نے مسلمانوں کو پاکستان کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۳۷ء میں کانگریس کی جانب سے وزارتیں قبول کرنے سے قبل مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیوں نہیں کیا۔ یہ کانگریس کی قوم پرستی اور متعصبانہ ذہنیت ہے جو مطالبہ پاکستان کا باعث ہوئی ہے اور اس حقیقت کو کانگریسی رہنما ڈومیسہ نے مرکزی اسمبلی میں دوران تقریر تسلیم کرتے ہوئے کہا تھا کہ "دراصل پاکستان کے بانی مسٹر جناح نہیں بلکہ مسٹر گاندھی ہیں جنہوں نے ہر شخص کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔"[2]

۱۹۳۹ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک مولانا فضل احمد صوفی نے تحریکِ پاکستان کے ایک مؤثر وکیل کی حیثیت سے مسلم لیگ کی پالیسیوں پر نہایت ٹھوس مضامین قلمبند کئے اور کانگریس کی فرقہ پرست ذہنیت کی شدید مذمت کی۔ اس ضمن میں انہوں نے جمعیت علماء ہند کے رہنماؤں اور مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی معاف نہیں کیا۔ اور ان کے سیاسی کردار

---

[1] مسلم لیگ، ہوم لینڈ پلان مضمون فضل احمد صوفی مطبوعہ "دی پروگریس" بمبئی - ۱۴ر اپریل ۱۹۴۰ء

[2] "پاکستان" مراسلہ فضل احمد صوفی مطبوعہ ٹائمز آف انڈیا - ۳ر دسمبر ۱۹۴۱ء

کی خامیوں کی نشاندہی کی۔ آپ کے انگریزی مضامین ٹائمز آف انڈیا۔ دی پروگریس بمبئی۔ مورننگ اسٹینڈرڈ بمبئی۔ بمبئی سینٹینل۔ فری پریس بمبئی جرنل۔ بمبئی کرانیکل۔ اسٹار بمبئی۔ مارننگ ہیرالڈ بمبئی۔ اور نیشنل اسٹینڈرڈ بمبئی میں اور اردو مضامین ہفت روزہ بیدار بمبئی۔ ہفتہ وار نظام بمبئی۔ روزنامہ انقلاب بمبئی۔ ہفت روزہ جمہور بمبئی، روزنامہ اقبال بمبئی۔ روزنامہ خلافت بمبئی۔ ہفت روزہ بیداری مالیگاؤں اور نگار لکھنؤ میں مستقل شائع ہوتے رہے ان مضامین کے اختصار اور تذکرہ کا یہاں موقع نہیں چنانچہ آئندہ کسی موقع پر تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے اس قلمکار کی نگارشات کا مفصل بیان کیا جائے گا۔

مولانا فضل احمد صوفی اپنے برادر خورد مولانا حکیم قاری احمد کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے دونوں بھائیوں کی عادات اور مشاغل میں کسی حد تک مماثلت تھی۔ خود مولانا فضل احمد صوفی نے اس مماثلت کا تذکرہ ماہنامہ نگار لکھنؤ میں توام بچے۔ نفسیاتی تحقیق کے عنوان سے کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ: "میں اور میرے بھائی ایک ہی دن کی پیدائش ہیں۔ صرف دو گھنٹے کا چھوٹا و بڑا ہے۔ اسی اعتبار سے ہم کو چھوٹا اور بڑا کہا جاتا ہے۔ ہمارے خدوخال ایک دوسرے سے اس قدر مشابہ ہیں کہ بجز قریبی عزیزوں کے دوسروں کے لئے ہم میں تفریق کرنا بہت ہی دشوار ہو جاتا ہے گو ہماری عمر اس وقت تیس سال ہے تاہم مشابہت کا یہ عالم ہے کہ اکثر لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب جو چند سال پہلے میرے بھائی کے دہلی میں ہم سبق رہ چکے تھے۔ مجھے بمبئی میں دیکھ کر نہایت تپاک سے میری طرف بڑھے اور میرے بھائی کا نام لیکر مجھ کو مخاطب کیا اور فوراً بغل گیر ہو گئے۔ میں بڑی مشکل سے ان کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوا کہ میں نہیں بلکہ وہ میرے بھائی ہیں۔ جو ان کے ہم سبق رہ چکے ہیں۔ اس طرح کے واقعات بارہا ہم دونوں بھائیوں کو پیش آئے ہیں۔ ہم دونوں بھائی قدوقامت اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے بھی یکساں ہیں۔ ہم نے بارہا اپنا وزن کرایا۔ اور ہمیشہ ایک ہی پایا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ہمارے والدین ہم دونوں کو بیک وقت باہر نکلنے سے روکتے تھے اُن کا خیال تھا کہ کہیں بچوں کو نظر بد نہ ہو جائے۔ ہماری مزاجی کیفیت ایک دوسرے سے

اتنی مطابقت رکھتی ہے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی ہے۔ ہمیں بارہا اس کا تجربہ ہوا ہے کہ امراض
کے حملے ہم دونوں بھائیوں پر بیک وقت ہوئے ہیں اور مرض کی نوعیت بھی ایک ہی رہی
ہے کچھ روز سے میرے ایک حصۂ سر کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ دو ماہ قبل
جب میں اپنے وطن گیا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ میرے بھائی کے سر کے بال بھی
اتنے ہی سفید ہو چکے ہیں اور ہماری موجودہ صحت ایک ہی نقطہ پر ہے۔ ادبی ذوق تھوڑا بہت
ہم دونوں میں موجود ہے۔ ہمارے عادات وخصائل اتنی یکسانیت رکھتے ہیں کہ لوگوں کو
حیرت ہوتی ہے۔ کچھ روز قبل کا ذکر ہے کہ میرے ایک مخلص دوست نے کسی شاعر کا ایک تازہ
ترین شعر اپنے مکتوب میں لکھا جو پہلے میری نظر سے نہیں گذرا تھا۔ اور یہ دریافت کیا کہ یہ شعر
کس کا ہے۔ میں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ یہ شعر غالباً جگر مرادآبادی کا ہے۔ میرے بھائی سے
بھی اسی شعر کے متعلق رائے طلب کی گئی۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو میں دے چکا تھا
معاشی وسائل کے معاملے میں ہم البتہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ میرے بھائی اپنے وطن
میں طبابت کرتے ہیں لیکن میرے نصیب میں اہلِ فرنگ کی دریوزہ گری آئی ہے۔ اور وہ
بھی وطن سے بہت دور۔ ہم دونوں بھائیوں کی شادی ہو چکی ہے اور دونوں ایک ایک بچی
کے باپ ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے بے انتہا محبت ہے جو ضرب المثل کی حیثیت سے
پیش کی جا سکتی ہے لیکن باوجود اس مطابقت اور نفسیاتی یکسانیت کے یہ کہنا کہ جب
اس دنیا سے روانگی کا وقت آئے گا تو ہم ساتھ ہی ساتھ سفر کریں گے۔ بہت دشوار ہے
بہر حال اگر ایسا ہوا بھی تو ہم دونوں کا سر تسلیم خم ہے۔"[1]

مگر مشیت ایزدی میں کس کو دخل ہے مولانا فضل احمد صوفی سنہ ۱۹۴۶ء کے اواخر
میں بمبئی سے تبادلہ ہو کر کراچی آ گئے۔ پھر تپ دق نے اُن کو ایسا دبوچا کہ ۴ دسمبر بروز ہفتہ
سنہ ۱۹۴۸ء اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی اُن کی میت پر
آنسو بہاتے رہ گئے۔ خود مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ پہلے دنیا

[1] "توام بچے" مضمون فضل احمد صوفی مطبوعہ ماہنامہ "نگار" لکھنؤ۔ جون سنہ ۱۹۴۶ء

میں آنے والا پہلے رخصت ہو گیا۔ اور بعد میں آنے والا آج اٹھائیس سال بعد یہ تذکرہ لکھ رہا
ہے۔ دو گھنٹہ کا وہ فرق جو ہم دونوں بھائیوں کی پیدائش میں تھا۔ آج تین دہائیوں پر مشتمل ہے۔
یہ فرق نہیں دراصل ایک لمحۂ فراق ہے جو مجھے صدیوں پر محیط نظر آتا ہے"۔[1]

مولانا فضل احمد صوفی کو کراچی کے قدیم قبرستان میوہ شاہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ
نے اپنی یادگار کے طور پر چند قلمی ڈائریاں اور مطبوعہ مضامین کے چند فائل چھوڑے ہیں۔
آپ کے فرزند جناب معین احمد صوفی پیلی بھیت میں کپڑے کی تجارت کرتے ہیں اور حضرت
محدث سورتی کے مزار پر باریابی کی سعادت سے دن رات مشرف رہتے ہیں۔ اور راقم الحروف
سے اُسی قلبی تعلق کا اظہار کرتے ہیں جو اُن کے والد ماجد کو اپنے برادر خورد سے تھا۔

چند مطبوعہ اردو مضامین:۔

۱۔ سنت رسول (کتابچہ) ۳۶ صفحات مطبوعہ تحریک احیائے سنت کراچی سنہ ۱۹۶۳ء
۲۔ حضرت امام ابو یوسف کی اقتصادی و تمدنی اصلاحات "مطبوعہ ہفت روزہ جمہور بمبئی ۹ ستمبر سنہ ۱۹۴۵ء
۳۔ مہدی حسن افادی ایک مایہ ناز انشا پرداز۔ مطبوعہ ہفت روزہ نظام بمبئی ۱۶ دسمبر سنہ ۱۹۴۵ء
۴۔ اقبال اور پیام امید مطبوعہ ہفتہ وار بیدار بمبئی۔ ۱۵ جنوری سنہ ۱۹۴۶ء

انگریزی کے چند مطبوعہ مضامین:۔

1, MUSLIM MASS EDUCATION "THE PROGRESS" BOMBAY 11 Feb. 1940
2, RELIGION AND POLITICS "THE PROGRESS" BOMBAY 25 Feb. 1940.
3, INDIA AND DEMOCRACY "THE PROGRESS" BOMBAY 10 MARCH 1940.
4. FEW FACTS ABOUT FINLAND "THE PROGRESS" BOMBAY 17 MARCH 1940
5. UNIVERSITY FOR SIND "THE STAR" BOMBAY 9th MARCH 1947
6. SELECTING OFFICIALS FOR PAKISTAN "THE MORNING HERALD" BOMBAY 17th JULY 1947

اردو کے چند غیر مطبوعہ مضامین:۔

۱۔ حالی کا تجزیاتی مطالعہ ۳۴ فل سکیپ صفحات پر مشتمل ۲۔ اکبر الہ آبادی۔ ۳۶
فل سکیپ صفحات پر مشتمل۔

اس کے علاوہ ادبی اور سیاسی موضوعات پر متعدد مختصر مضامین۔

[1] مولانا قاری احمد کی یادداشتیں مملوکہ ولی حیدر ذاکر۔ کراچی۔

مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتیؒ

سلطان الواعظینؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی اپنے برادر
بزرگ مولانا فضل احمد صوفی کے ساتھ ۸ر ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۰ر دسمبر ۱۹۱۱ء بروز بدھ
اپنے ننھیال گنج مراد آباد میں جڑواں پیدا ہوئے۔ حضرت محدث سورتیؒ نے جو اس موقع پر گنج مراد آباد میں
موجود تھے۔ اپنے پیر و مرشد کی نسبت سے فضل محمد نام رکھا اور حلق سے رونے کی بنا پر قاری
کہہ کر مخاطب کیا۔ ابتدائی تعلیم جس میں قرآن حکیم کا ناظرہ اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتب شامل
تھیں۔ مولانا عبد الحیٔ پیلی بھیتی خلف الرشید مولانا عبد اللطیف سورتی اور ابوالمساکین مولانا ضیاء
الدین پیلی بھیتی سے حاصل کی۔ بچپن میں حصول علم کا کوئی شوق نہ تھا اس بنا پر بڑی دیر میں ابتدائی
کتب سے فراغت حاصل کی۔ مولانا خود لکھتے ہیں کہ بڑے لاڈ و پیار سے پلے تھے۔ اس لئے بہت
شریر تھے۔ سیر و تفریح۔ پڑھنے سے دل چرانا، پتنگ اور گلی ڈنڈے میں سارا سارا دن گذار دینا۔
اچھی طرح یاد ہے۔ والدین نے تو بہت کوشش کی لیکن خود ہی فائدہ نہ اٹھایا۔ اس غفلت و شرارت
کو یاد کرکے آج بھی افسوس ہوتا ہے۔ ۱۸ برس کی عمر تک بہت معمولی سی عربی فارسی اور اردو
پڑھی آنکھیں اس وقت کھلیں جب والد گرامی مولانا عبد الاحد کا انتقال ہوا۔" مزید لکھا ہے کہ سنہ ۱۹۲۹ء
کے آخر میں ایک عرصہ تک ملیریا میں مبتلا رہنے کی وجہ سے مجھے دِق کی سی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔
چنانچہ والد صاحب نے علاج و معالجے سے مایوس ہو کر حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کو میری بیماری
کی تفصیلات تحریر کیں حضرت پیر صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بچے کو میرے پاس بھیج دیجئے
کچھ دن یہاں قیام کے بعد انشاء اللہ صحت ہو جائے گی۔ حضرت پیر صاحبؒ نے مجھ پر عنایات کے
دروازے کھول دیئے تھے۔ آپ نے اپنے دست مبارک پر مجھے بیعت کیا اور فرمایا کہ قاری غلام محمد
صاحبؒ سے قرات سیکھیے۔ اور مولانا غازی صاحبؒ سے اپنی کتابیں پڑھیے۔ چنانچہ چار ماہ پیر و مرشد
کی خدمت میں حاضر رہنے کے بعد پیلی بھیت لوٹ آیا۔ والد صاحب بواسیر کے دائمی مریض
تھے۔ اور ان دنوں مرض میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی تیمارداری میں لگ رہا اور یہ سلسلہ

آپ کی وفات تک جاری رہا۔ والد کی وفات کے بعد ذمہ داریوں نے آلیا۔ اپنی کم علمی پر
افسوس ہوا اور رامپور پہنچکر مدرسہ عالیہ میں داخلہ لیا۔ مولانا افضال الحق سے صرف و
نحو کی پھر سے تکمیل کی۔ تلاش معاش میں دہلی پہنچا اور مدرسہ امینیہ میں داخلہ لے
لیا۔ ظہر سے عشاء تک ایک دوکان پر ملازمت کر لی۔ یہ سلسلہ کئی ماہ جاری رہا۔
مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث مفتی کفایت اللہؒ نے عقائد کے اختلاف کے باوجود بڑی
شفقت کا مظاہرہ کیا۔ دو سال دہلی میں قیام کے دوران دورۂ حدیث کا تکملہ کیا اور
پیلی بھیت واپس آگیا۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں طبیہ کالج لکھنؤ سے حکمت کی سند حاصل کی۔"
مولانا حکیم قاری احمد کی زندگی ایک جہد مسلسل سے تعبیر ہے انہوں نے جہاں اپنی
تحریروں میں کم علمی اور کمسنی میں علم سے اپنی بے رغبتی کا ایک سچے انسان کی طرح
اعتراف کیا ہے وہاں اُن کی تحریروں میں جوئے شیر لانے کا عمل بھی جھلکتا ہے۔ اپنی
کوتاہیوں اور خامیوں کا ادراک اور پھر اُن کا اعتراف عظمت کی نشانیاں ہیں۔ اور
یہ عظمت مولانا حکیم قاری احمد کے یہاں عجز و انکسار کے روپ میں جلوہ گر دکھائی دیتی
ہے۔ علماء کی عزت اور بزرگوں کا احترام آپ کا دائمی شغلہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میں
متقدمین کی سی مزاجی کیفیت پائی جاتی تھی۔ مولانا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک طبیب
کی حیثیت سے کیا اور پھر آپ کی شخصیت مختلف خانوں میں بٹتی چلی گئی۔ لیکن طبابت
کا سلسلہ تادم آخر جاری رہا۔ مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت واپسی پر حضرت
محدث سورتیؒ کے اُس تبلیغی مشن کی تجدید کی جو سلطان الواعظین مولانا عبد الاحدؒ
کی وفات کے بعد کسی حد تک ختم ہو گیا تھا۔ آپ نے پیلی بھیت میں عید میلاد النبی
کی تقریبات کا بڑے پیمانے پر اہتمام کیا۔ اور ان میں شرکت کے لئے مقتدر علماء
کو دعوت دی۔ اہل ندوہ اور غیر مقلدین نے پورے ملک میں سیرت کمیٹیوں کے
نام سے تنظیمیں قائم کیں جن کا مقصد محافلِ میلاد کو ختم کرنا اور سلام و درود کے سلسلے کو روکنا
تھا۔ پیلی بھیت کے سادہ لوح عوام بھی اس دام ہمرنگ زمیں کا شکار ہو گئے تھے اور ایک

سیرت کمیٹی نے یہاں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ مولانا نے ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۹۳۷ء سیرت کمیٹی کے شائع کردہ لٹریچر کی چند عبارتوں پر علمائے اہلسنت سے فتویٰ طلب کیا جس کا جواب مولانا حشمت علی خان لکھنوی نے تفصیلاً دیا اور اس کی تصدیق مولانا نعیم الدین مراد آبادی ابوالساکین مولانا ضیاء الدین اور مولانا عبدالحق پیلی بھیتی نے فرمائی۔ یہ فتویٰ ایک رسالہ کی صورت میں اہل سنت برقی پریس مراد آباد سے طبع ہوا۔[۱]

مولانا حکیم قاری احمد کی خانقاہ رضویہ بریلی سے عقیدت کا حال یہ تھا کہ آپ ہر سال اعلحضرت کے عرس میں تشریف لے جاتے اور تقریر فرماتے۔ اپنی یادداشتوں میں مولانا تقدس علی خان کے تذکرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعلحضرت کے عرس کے موقع پر میرے بعد مولانا حشمت علی خان تقریر کرنے والے تھے۔ چنانچہ میں نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے کہا کہ اب مولانا حشمت علی خاں آپ سے خطاب فرمائیں گے۔ جن کے سامنے میں مچھر کی بھی حیثیت نہیں رکھتا ہوں۔ مولانا حشمت علی خان نے تقریر کیلئے کھڑے ہوتے ہی فرمایا۔ کہ قاری صاحب نے خود کو مچھر کہکر مجھے نمرود بنا دیا۔ جس پر لوگ بہت ہنسے۔ یہ واقعہ قیام پاکستان کے بعد مولانا تقدس علی خان نے ایک ملاقات میں مولانا کو یاد دلایا تھا جسے بعد میں مولانا نے اپنی یادداشتوں میں قلمبند کر لیا۔ مولانا قاری احمد اپنے والد کی طرح دو قومی نظریہ کے علمبردار تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء کے بعد مسلم لیگ کی تنظیم نو میں آپ نے ایک کارکن کی حیثیت سے حصہ لیا اور بہت جلد روہیلکھنڈ خصوصاً پیلی بھیت اور اس کی تحصیلوں میں مسلم لیگ کو ایک مستحکم جماعت کا روپ دیدیا۔ آپ کو شعلہ بیانی اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔ چنانچہ مسلم لیگ کے اجلاسوں میں آپ ایک کامیاب مقرر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ بریلی بدایوں، رامپور، شاہجہاں پور، وغیرہ میں آپ کی تقاریر کا بہت شہرہ تھا۔ ۱۹۳۸ء میں پیلی بھیت کے سید بشارت علی کی صاحبزادی سیدہ خاتون سے آپ کا عقد ہوا۔ نکاح مولانا فضل حق رحمانی نے پڑھایا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں پیلی بھیت سٹی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔

---

[۱] سیرت کمیٹی کے حال وقال مطبوعہ اہل سنت برقی پریس مراد آباد ۱۳۵۶ھ

۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو علیگڑھ سے واپسی پر جب قائداعظم محمد علی جناح بریلی تشریف لائے تو مولانا صدر ملا کارکنوں کا ایک جلوس لے کر پیلی بھیت سے بریلی پہنچے۔ اور قائداعظم کے پرجوش استقبال میں حصہ لیا۔ قائداعظم کی بریلی آمد کی تفصیلات مولانا نے اپنی کتاب تاریخ ہند و پاک میں درج کی ہیں۔[۱] ۱۹۳۹ء کے اواخر میں کانگریس کی وزارتوں کے خاتمہ پر مسلمانانِ ہند نے قائداعظم کی اپیل پر نہایت جوش و خروش سے یوم نجات منایا۔ اس موقع پر مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے جلسہ کیا اور جلوس نکالا جس کے نتیجے میں مقامی انتظامیہ نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ اس اقدام سے پیلی بھیت کے شہریوں میں اشتعال پھیل گیا۔ اور پورے شہر میں بے چینی اور اضطراب کی ایسی فضا پیدا ہوئی کہ تیسرے دن ہی مولانا کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت پیلی بھیت میں مسلم لیگ کے سرکردہ رہنماؤں میں ڈاکٹر عبدالغفور، عظمت حسین وکیل اور فضل الرشید وکیل خاصی شہرت کے حامل تھے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد جب آل انڈیا سنی کانفرنس نے مسلم لیگ کے موقف کی تائید کی تو پورے ہندوستان میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ عوام اہلسنت نے دل کھول کر مسلم لیگ سے تعاون شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کا روپ دھار گئی۔ پیلی بھیت میں علماء اہلسنت کا ایک طبقہ جس کی رہنمائی مولانا حشمت علی خان کر رہے تھے۔ مسلم لیگ سے بدظن تھا۔ لیکن اس کے باوجود ۱۹۴۵ء کے انتخابات کے موقع پر علماء اہلسنت نے مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کے سلسلہ میں متفقہ فتویٰ دیا تو مخالف علماء نے مسلک میں اختلاف کے خدشہ کے پیش نظر خاموشی اختیار کر لی۔ خصوصاً مولانا حشمت علی خان مولانا حکیم قاری احمد کی درخواست پر سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو گئے۔ پیلی بھیت میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ اور شاہ مانا میاں قادری چشتی پیلی بھیتی کو صدر منتخب کیا گیا۔ جبکہ مولانا حکیم قاری احمد کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ پیلی بھیت میں آل انڈیا

---

[۱] تاریخ ہند و پاک ص ۳۹۵

سنّی کانفرنس کا قیام مسلم لیگ کی ایک بڑی کامیابی تھی جس کا تمام تر سہرا مولانا کے سر تھا۔
۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس بنارس میں مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت سے ایک قافلہ کی شکل میں شرکت کی اور ۱۹۴۷ء میں سنّی کانفرنس کا ایک عظیم الشان جلسہ خانقاہ حضرت محدث سورتی میں منعقد کیا اس اجلاس میں سنی کانفرنس پیلی بھیت کے انتخابات بھی عمل میں آئے۔ جس میں بھاری اکثریت سے مولانا حکیم قاری احمد کو صدر اور مولانا حبیب احمد قادری کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔[1]

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا حکیم قاری احمد نے پیلی بھیت کے مسلمانوں کی مجموعی حالت کے پیش نظر ترک وطن کا فیصلہ منسوخ کر دیا۔ اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی دست برد سے بچانے کی کوششوں میں لگے رہے۔ آپ اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں کہ "پاکستان بن تو گیا مگر ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی زبردست خطرے میں پڑ گئی۔ مار پیٹ اور بلوے پہلے سے زیادہ ہونے لگے ہر طرف مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جانے لگا۔ پہلے تو فوج اور پولیس مداخلت بھی کرتی تھی مگر پاکستان بننے کے بعد تو فوج و پولیس کی مدد بھی ہندو بلوائیوں کو حاصل ہو گئی۔ "پاکستان چلو" یہ تھا وہ نعرہ جو تقسیم ہند کے بعد ہر طرف سنا جا رہا تھا۔ مسلمان بہت پریشان تھے۔ اپنی جائیداد اور اسباب سب کچھ لٹا کر ہجرت کر رہے تھے اس لئے نہیں کہ ہندوؤں کا خوف غالب تھا اور مرنے سے ڈرتے تھے بلکہ ہندو اکثریت کے مظالم طعنوں اور تنگ نظری نے پاؤں اکھاڑ دیئے تھے۔ تھوڑے ہی دن بعد گاندھی کے قتل نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور مسلمانوں پر حملے شدید ہو گئے۔ انہی ایام میں مجھے کانپور لکھنؤ، الہ آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ ہر طرف مسلمان سہمے ہوئے تھے ٹرین میں ہندو مسلم ڈبے علیحدہ ہو گئے تھے۔ کوئی مسلمان اگر ہندوؤں کے ڈبہ میں چلا جاتا تو اس قدر پریشان کیا جاتا کہ ڈبے سے اترنا پڑتا۔ انہی دنوں برادر بزرگ فضل احمد صوفی کا کراچی سے خط آیا کہ ان کی طبیعت سخت خراب ہے چنانچہ فوری طور پر کراچی آنے کی تیاری شروع کر دی آخر جولائی ۱۹۴۸ء میں بیوی اور بچوں کو لیکر پیلی بھیت سے آگرہ ہوتا ہوا بمبئی پہنچا۔ آگرہ میں ہندو خونچہ

[1] ہفت روزہ ہمدرد دہلی رپورٹ مطبوعہ ۳۰ جون ۱۹۴۷ء

والے تک مسلمانوں کو سودا دینے سے منع کر دیتے تھے۔ میں نے ایک خونچہ والے سے سودا طلب کیا تو کہنے لگا دور ہٹ کر کھڑے ہو ورنہ یہیں قبرستان بن جائے گا۔ بمبئی کے مسافر خانہ میں تین دن قیام کے بعد بذریعہ بحری جہاز کراچی پہنچ گیا۔ مگر صوفی صاحب کی حالت بہت خراب تھی چار ماہ مستقل علاج کے باوجود وہ صحت یاب نہ ہو سکے اور دسمبر ۱۹۴۸ء میں اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔"

مولانا فضل احمد صوفی کے وصال کے بعد مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیت واپس نہ جا سکے کیونکہ مسلم لیگ سے وابستگی اور قیام پاکستان کے لئے سرتوڑ جدوجہد کی بناء پر پیلی بھیت کے ہندو اُن کے شدید مخالف ہو گئے تھے۔ یوں بھی پیلی بھیت سے فسادات کی اطلاعات آ رہی تھیں۔ پھر مولانا فضل احمد صوفی کے پسماندگان کی نگہداشت کا مسئلہ بھی سامنے تھا۔ اس لئے انہوں نے پاکستان میں ہی مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا۔ آبائی در و دیوار اور موروثی وجاہتوں کو ترک کر کے اجنبی شہر میں از سر نو زندگی گذارنے کا فیصلہ ہر چند بڑا جانگسل تھا لیکن اسے قبول کرنا پڑا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کو ابتداء میں شدید ترین معاشی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اور تقریباً دو سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد روزگار کا مسئلہ حل ہوا۔ اس عرصہ میں مولانا نے اشاعت اسوۂ رسول کے لئے قرطاس و قلم کو اپنا لیا۔ اور اسلامی موضوعات پر متعدد بصیرت افروز مضامین تحریر کئے جو روزنامہ جنگ، روزنامہ انجام، روزنامہ مسلمان اور نئی روشنی میں شائع ہوتے رہے۔ اس دوران آپ کی ملاقات مولانا عبدالحامد بدایونی سے ہو گئی اور آپ نے جمعیت علمائے پاکستان کی سرگرمیوں میں پرجوش حصہ لینا شروع کر دیا۔
۱۹۴۹ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں جمعیت کے مبصر کی حیثیت سے شریک ہوئے اور قرارداد مقاصد کی تائید کی۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی سے نکلنے والے ایک مذہبی ماہنامہ "الاسلام" کے نائب مدیر مقرر ہوئے اور مذہبی و تاریخی موضوعات پر متعدد مضامین قلمبند کئے۔ ان مضامین کے تراشوں پر مشتمل ایک فائل راقم الحروف کی نظر سے گذرا ہے۔ جس میں "اسلامی عدالتوں کی ایک جھلک" "آنحضرت کی خطابت و فصاحت"، "آنحضرت کا حلیہ مبارک"، "اسلام میں طبقاتی جنگ کے پہلے علمبردار حضرت ابوذر غفاریؓ"، "اسلام کا نظامِ صنعت و تجارت"، "امام ابو یوسف کی اقتصادی اور تمدنی اصلاحات" کے عنوان سے طویل مطبوعہ مقالے موجود ہیں۔

جمعیت علمائے پاکستان سے وابستگی اور مولانا عبدالحامد بدایونی سے برادرانہ مراسم کی بنیاد پر مولانا حکیم قاری احمد کی سیاسی حیثیت کسی حد تک بحال ہونے لگی لیکن ابھی معاش کا مسئلہ مستقل طور پر حل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے اپنی رہائش گاہ واقع کھارادر میں "سورتی دواخانہ" کے نام سے مطب کا آغاز کیا۔ مگر گوناگوں مصروفیات کی بنا پر طبابت کی طرف پوری توجہ نہ دے سکے۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی تبلیغ میں منہمک رہے۔ ۱۹۵۳ء میں آپ حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور "مشاہدات حرمین" کے نام سے اپنا سفرنامہ حج تحریر کیا۔ جو کراچی سے شائع ہوا تھا۔ اس سفرنامہ پر مولانا عبدالحامد بدایونی نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا کہ "یہ سفرنامہ ایک زائر حرم اور عاشق بارگاہ رسالت کے محض خیالات و مشاہدات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ یہ حضرات صحابہؓ، حضرات اہلبیت و ازواج مطہرات اور حرمین شریفین کے تاریخی حالات اور متبرک مقامات مقابر و مساجد کی وہ کیفیت بھی پیش کرتا ہے جس سے ہر زائر حرم میں مطالعہ اور مشاہدہ کا شوق بڑھتا ہے۔ سفرنامے میری نظر سے بکثرت گذرے ہیں۔ لیکن حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کا یہ سفرنامہ حقیقتہً ایک ایسا مجموعہ ہے جو زائرین و حجاج کے لیے صحیح معنی میں مشیر الحج ہو سکتا ہے۔"[1] مولانا کے اس سفرنامہ کو عوام و خواص دونوں میں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہر چند مولانا کی یہ پہلی تصنیف تھی لیکن اظہار و بیان پر بے پناہ قدرت کی بنا پر علمی حلقوں میں اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ اس مرحلہ پر مولانا کو علماء کے ایک حریص گروہ کی جانب سے شدید ترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ بظاہر اس کی ایک وجہ مولانا حکیم قاری احمد کی عوام و خواص میں یکساں مقبولیت تھی تو دوسری طرف وہ اعتماد تھا جس کا اظہار مولانا بدایونی علی الاعلان فرمایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے مولانا قاری احمد کو جمعیت علمائے پاکستان صوبہ سندھ کا نائب صدر مقرر کیا۔ اور جمعیت کی تبلیغی کانفرنسوں میں نمایاں حیثیت دی۔ جمعیت علمائے پاکستان کے زیر اہتمام ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ککری گراؤنڈ میٹھا در (موجودہ

[1] مشاہدات حرمین صد ۱۳۔

جوہر پارک) میں بڑے پیمانے پر یوم حسین منایا گیا۔ جس کی صدارت اُس وقت کے گورنر جنرل غلام محمد نے کی تھی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے مولانا حکیم قاری احمد نے کہا کہ اگر ہم نے حضرت امام عالی مقام کی سیرت و کردار کو رہنما بنایا تو یقیناً معاونت الٰہی ہمارے ساتھ ہوگی۔ اگر حسینؓ سے محبت کا ثبوت دینے کے لئے کچھ کیا جا سکتا ہے تو یہی کہ سیرت حسینؓ، فداکاریٔ حسینؓ، عزم و ثبات حسینؓ اور عظمت اہلبیت کو زیادہ سے زیادہ عام کریں۔ مولانا قاری احمد نے اپنی تقریر کے آخر میں مولانا عبدالحامد بدایونی اور علامہ رشید ترابی کو اتحاد بین المسلمین کے سلسلے میں گرانقدر مشترکہ خدمات انجام دینے پر مبارکباد پیش کی اور کہا کہ آج یہ عظیم الشان اجتماع اس اتحاد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔[1] جمعیت کے ہی زیر اہتمام ۹ نومبر ۱۹۵۴ء کو جہانگیر پارک میں دو روزہ عید میلاد النبی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اگر ہم کتاب و سنت پر عمل کریں تو صدیوں کا کام برسوں میں پورا ہو سکتا ہے۔ بغیر غلامیٔ مصطفےٰ و اطاعتِ مصطفےٰ ہم کوئی حقیقی مقام و عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ جمعیت علماء پاکستان جشنِ عید میلاد النبی کا اہتمام صرف اس غرض سے کرتی ہے کہ ملت پاکستان میں اتحاد و یگانگت محبت و رواداری ایثار و خلوص اور حضور آقائے کونین ارواحنا لہ الفداء سے سچی نسبت پیدا ہو۔[2]

مولانا کا یہ انداز خطابت علماء کے اس حریص گروہ کے لئے سوہان روح تھا۔ کیونکہ ان کی دوکانداری متاثر ہوتی تھی۔ چنانچہ اس گروہ نے مولانا کے خلاف الزام تراشیاں شروع کردیں۔ پہلے شیعہ ہونے کا لیبل چسپاں کیا۔ اور پھر دیوبندی قرار دیدیا۔ حضرت محدث سورتیؒ کے دروازہ سے علم کی خیرات لیجانے والوں کی اولاد نے نبیرۂ محدث سورتی کے مسلک پر قدغن لگائی نفرت و عداوت کا بازار گرم کیا۔ اور ایسے وقت میں جبکہ پاکستان میں مسلک اہل سنت کا بول بالا کرنے کی ضرورت تھی۔ اپنی دوکان کو چمکانے کے لئے ایک عالم اہل سنت کا اقتصادی و سماجی مقاطعہ ضروری سمجھا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا حکیم

[1] روئیداد یوم حسینؓ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء
[2] روئیداد جشنِ عید میلاد النبی مطبوعہ ۱۹۵۵ء

قاری احمد نے مسلک کو اس عداوت و نفرت سے بچانے کے لئے نہ صرف خاموشی اختیار کرلی۔ بلکہ ایک حد تک خود کو سمیٹ لیا۔ اس مرحلہ پر مولانا عبدالحامد بدایونی نے مداخلت کی لیکن مولانا حکیم قاری احمد نے یہ کہہ کر مولانا کو مداخلت سے روک دیا کہ میرا میدان تحریر و تقریر ہے اور میں اس سلسلہ کو تادم مرگ جاری رکھوں گا۔ جو لوگ چندہ اور عطیات پر زندہ ہیں وہ مرجائیں گے اور میرے لکھے ہوئے لفظ ہمیشہ میری صداقتوں کی گواہی دیتے رہیں گے۔ اور پھر یوں ہوا کہ اختلافات نے دم توڑ دیا۔ اور مولانا حکیم قاری احمد ایک مایہ ناز مصنف کی حیثیت سے خود کو روشناس کراتے چلے گئے۔ فروری ۱۹۵۵ء میں کراچی کے ایک اشاعتی ادارے قرآن محل کے مالک مولوی محمد سعید کی فرمائش پر آپ نے اس ادارہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ "پیام حق" کی ادارت سنبھال لی۔ اور نہایت خاموشی کے ساتھ اس حیثیت سے تادم مرگ کام کرتے رہے۔ مولانا قاری احمد سے جب کوئی پیام حق کی پالیسی اور عقائد کے متعلق سوال کرتا تو آپ بغیر کسی بحث میں الجھے ہوئے فرماتے کہ "پیٹ کے لئے حضرت علیؓ نے یہودیوں کے کھیتوں میں پانی دینے پر مزدوری اختیار کی تھی۔ میں تو ایک ادنیٰ سا مسلمان ہوں اور بحمد اللہ آج بھی اپنے جدِ امجد کے مسلک پر قائم ہوں"۔ مگر مولانا کی یہ منطق کج فہم اور متشدد افراد کے لئے صرف ایک حیلہ کا درجہ رکھتی تھی۔ جبکہ مولانا نے "پیام حق" کے اداریوں اور مضامین میں کھل کر اپنے عقائد کا اظہار کیا۔ اور برملا علامہ فضل حق خیرآبادیؒ، اعلحضرت مولانا احمد رضا خاںؒ اور حضرت محدث سورتیؒ کے مسلک کو حق ثابت کیا۔ آپ نے قرآن محل سے وابستگی کے بعد تصانیف کثیرہ قلمبند فرمائیں۔ تصنیف و تالیف کے علاوہ مولانا کاغذی بازار کے علاقہ میں سورتی دواخانہ کے نام سے پابندی کے ساتھ ۲۵ سال مطب کرتے رہے۔ آپ نے بادامی مسجد میٹھادر، ترک مسجد لی مارکیٹ اور رحمت مسجد بھیم پورہ میں بحیثیت خطیب خدمات انجام دیں۔ کئی سال سے قرآن حکیم کی تفسیر زیر قلم تھی۔ کہ بروز جمعہ تین بجے سہ پہر ۱۳؍ جمادی الاوّل ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۴؍ مئی ۱۹۷۶ء کو حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ اسی دن بعد نماز عشاء سخی حسن کے قبرستان واقع ناظم آباد میں

سپرد لحد کیا گیا۔ روزنامہ جنگ کراچی، روزنامہ حریت کراچی، روزنامہ ڈان کراچی، روزنامہ مشرق کراچی، اور روزنامہ نوائے وقت لاہور نے مولانا کے انتقال کی خبر سیاہ حاشیہ میں شائع کی اور اُن کی علمی خدمات کا اعتراف کیا۔ جناب احمد سعید خاں سعید پیلی بھیتی نے قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے

مختصر تاریخ ہے مرحوم کی
کان حکمت مخزن علم و شعور
سال رحلت سے ہے ظاہر مغفرت
قاری احمد کل تھے "اب عبدالغفور"

۱۳۹۶ھ

مولانا شاہ حسین گردیزی نے مولانا کی پہلی برسی پر ایک مضمون میں مولانا کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "ممتاز عالم دین اور مؤرخ اسلام مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی گذشتہ سال کراچی میں نہایت گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی گذارنے کے بعد اس دار فانی سے عالم جاودانی کی سمت کوچ کر گئے۔ مولانا کی تمام زندگی فقہ اور تاریخ کی خدمت میں گذری اور وہ بھی اس انداز سے کہ نہ ستائش کی تمنا کی اور نہ کبھی صلہ کی پرواہ۔ نہایت خاموشی کے ساتھ لکھنے پڑھنے میں مصروف رہے یہی وجہ ہے کہ فقہ و تاریخ جیسے اہم موضوعات پر بائیس سے زائد ضخیم مسبوط کتابیں تحریر کرنے اور بیس سال سے زائد ایک رسالہ کی ادارت کے فرائض انجام دینے کے بعد اُن کی شناسائی چند لوگوں تک محدود رہی اور بیشتر افراد کو گذشتہ سال اُن کے انتقال پر اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے یہ علم ہوا کہ مولانا تصنیف و تالیف سے بھی شغف کرتے تھے۔ دراصل یہ مولانا کی اعلیٰ ظرفی اور حصولِ شہرت سے عدم دلچسپی کا نتیجہ تھا۔ کہ انہوں نے کبھی اپنی استعداد علمی اور معلومات وافرہ کے اظہار و نمائش کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"[1]

---

[1] مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی مضمون شاہ حسین گردیزی مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸؍ مئی ۱۹۷۷ء

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا کے جن علماء و محققین سے دیرینہ مراسم قائم رہے اُن میں مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا عبدالسلام باندوی، مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری بدایونی، مولانا بہزاد لکھنوی، مولانا اطہر نعیمی، مولانا جمیل احمد نعیمی، مولانا تقدس علی خان بریلوی، پروفیسر محمد ایوب قادری، مفتی انتظام اللہ شہابی، جناب محمد علی خاں سب ایڈیٹر روزنامہ حریت، مولانا عبدالحکیم خطیب ترک مسجد، مولانا امجد العلی رامپوری، حکیم محمد یونس دہلوی، علامہ رشید ترابی، مولانا بشیر احمد نعیمی اور سید ضامن حسین گویا جہان آبادی کے نام سرفہرست ہیں۔

اولاد:۔

صفیہ قاری ایم اے (تاریخ اسلام) زوجہ سلیم الدین خان۔ زاہرہ قاری بی اے بی ایڈ۔ شاہرہ قاری زوجہ خان صادق حسین خان۔ خالدہ قاری بی اے۔ راشدہ قاری ایم ایس سی زیرِ تعلیم۔ خواجہ رضی حیدر ایم اے سب ایڈیٹر روزنامہ حریت کراچی۔ وصی حیدر عمار ایف۔ اے زیرِ تعلیم۔ ولی حیدر ذاکر میٹرک زیرِ تعلیم۔

تصانیف:۔

۱۔ مشاہداتِ حرمین، مطبوعہ افضل جیلانی اسٹور کاغذی بازار کراچی ۱۵ راکتوبر سنہ ۱۹۵۳ء صفحات ۲۰۸

۲۔ رحمتِ دوعالم، مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی یکم شعبان سنہ ۱۳۷۳ھ، صفحات ۱۷۶

۳۔ حیاتِ مرتضیٰؓ، مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی یکم جولائی سنہ ۱۹۵۵ء، صفحات ۶۸

۴۔ تاریخ اسلام، مطبوعہ قرآن محل کراچی سنہ ۱۹۵۶ء، صفحات ۷۵۲

۵۔ کتاب الصلوٰۃ	مطبوعہ قرآن محل کراچی سنہ ۱۳۷۹ھ	صفحات ۶۴
۶۔ کتاب الزکوٰۃ	"	۴۸
۷۔ کتاب الایمان	"	۶۴
۸۔ کتاب الجہاد	"	۶۴
۹۔ کتاب الطہارت	"	۶۴

۱۰۔ لغات الفرقان	مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی		"	۵۹۲
۱۱۔ تاریخ انبیاء	مطبوعہ قرآن محل، کراچی	۱۹۶۲ء	"	۵۱۲
۱۲۔ تاریخ مصطفیٰ	"	۱۹۶۳ء	"	۶۲۴
۱۳۔ تاریخ خلفائے راشدینؓ	"	۱۹۶۵ء	"	۵۹۲
۱۴۔ تاریخ بنی امیہ	"	۱۹۶۷ء	"	۴۸۰
۱۵۔ نامور اصحاب رسول	مطبوعہ امین برادرس سنہ ۱۳۸۸ھ		"	۱۶۰
۱۶۔ داتا گنج بخش لاہوریؒ	"		"	۱۷۶
۱۷۔ مخدوم صابر کلیریؒ	"		"	۱۶۰
۱۸۔ صحیح بخاری (ترجمہ)	مطبوعہ قرآن محل			
۱۹۔ اسماء الرجال (ترجمہ)	"			

۲۰۔ تاریخ ہند و پاک، مطبوعہ قرآن محل کراچی سنہ ۱۹۷۶ء صفحات ۴۲۸

اس کے علاوہ مولانا حکیم قاری احمد کی غیر مطبوعہ تصانیف میں "تاریخ روہیلکھنڈ"، "علماء تابعین"، "تذکار محدثین"، "قلمدان" (تاثراتی مضامین کا مجموعہ) اور "قادیانی فتنہ کا ارتداد" شامل ہیں جن کے قلمی مسودات آپ کے صاحبزادے ولی حیدر ذاکر کے پاس محفوظ ہیں۔ مولانا نے "پیام حق" کی ادارت کے دوران مذہبی اور تاریخی موضوعات پر مختلف مضامین قلمبند کیے جنکی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ اس کے علاوہ آپکی سال بسال قلمی ڈائریاں بھی موجود ہیں جن میں مولانا اپنی یادداشتیں قلمبند کیا کرتے تھے۔

مولانا محمد عبداللطیف سورتیؒ

مولانا محمد عبداللطیف سورتیؒ کا شمار پیلی بھیت کے ممتاز علمائے دین اور روسا میں ہوتا تھا۔ آپ حضرت محدث سورتی کے برادرِ خورد اور ہم درس بھی تھے۔ جیسا کہ زیرِ نظر تذکرہ کی ابتدا میں تحریر کیا گیا ہے کہ مولانا محمد عبداللطیف سورتی نے تکمیل علم دین کے بعد مسند درس و تدریس کو رونق بخشنے کے بجائے تجارت کی طرف توجہ دی۔ ابتدا میں کپڑے کی تجارت اور بعد میں جنگلات کی ٹھیکیداری شروع کی۔ آپ نے دورۂ حدیث مولانا عبدالحئ لکھنوی فرنگی محلیؒ سے پڑھا۔

اور ہمیشہ اس تعلق پر فخر مند رہے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے آپ کو ارادت کا شرف حاصل تھا۔ جبکہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، مولانا عبدالقادر بدایونیؒ، مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوریؒ، مولانا ریاست علی خاں شاہجہاں پوریؒ، مولانا شاہ کرامت اللہ دہلویؒ، مولانا قاضی عبدالوحید عظیم آبادیؒ، مولانا خلیل الرحمٰن بہار خوردیؒ، مولانا حسن رضا خان بریلویؒ وغیرہ سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے۔ آپ نے تحریکِ ردِ وہابیت اور اصلاحِ ندوۃ العلماء میں سرگرم حصہ لیا جیسا کہ اس ضمن میں شائع ہونے والے رسائل سے ثابت ہے۔

حضرت محدث سورتی سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے تھے۔ جب کوئی چیز خریدتے تو دو لیتے ایک اپنے گھر رکھتے اور ایک بھائی کے گھر دیتے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ بھائی کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جب کسی مجلس میں شریک ہوتے تو بھائی کے جوتے اٹھا کر بغل میں دبا لیتے۔ پورے شہر پیلی بھیت میں آن کی محبت اور احترام کا چرچا تھا۔ حضرت محدث سورتی کے وصال کے دن اپنی قبر بھی بھائی کی قبر کے برابر کھدوائی اور اس میں جو بھر کے بند کر دیا اور وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسی قبر میں اتارنا کیونکہ آج میں بھی مر گیا ہوں۔ ۵ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ کو انتقال کیا اور مجوزہ قبر میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ کی شادی جامع مسجد کے قریب ایک معزز خاندان میں ہوئی۔ آپ کی اہلیہ کا نام رابعہ خاتون تھا۔ بڑی نیک اور پابند صوم و صلوٰۃ خاتون تھیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ مولانا عبداللطیف کے چھ صاحبزادے تھے جن کے حالات یہ ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰنؒ

مولانا عبداللطیف سورتی کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ ۱۳۲۴ھ میں صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی الضاوی کی معیت میں حضرت محدث سورتی سے دورۂ حدیث پڑھا اور مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوریؒ نے دستار فضیلت باندھی۔ اپنے والد کے ساتھ جنگلات کی ٹھیکیداری کرتے تھے۔ والدہ کے خاندان میں شادی ہوئی تھی۔ عالم جوانی میں اپنے والد کی حیات

میں انتقال کیا۔ بیوی کا نام فاطمہ تھا جو تمام عمر اپنے خسر کے گھر رہیں۔ اور وہیں پر وفات پائی

مولانا عبدالحیؒ

مولانا عبدالحیؒ پیلی بھیتی کے تفصیلی حالات حضرت محدث سورتی کے تلامذہ میں درج ہیں۔ مولانا عبداللطیف سورتی نے آپ کا نام اپنے استاد مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی نسبت سے رکھا تھا۔ تمام عمر علم دین کے فروغ کے لئے جدوجہد کرتے رہے اور حضرت محدث سورتی کے علمی جانشین قرار پائے۔ راقم الحروف کو بیلوں والے قبرستان واقع پیلی بھیت میں آپ کے مزار پر حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ کے سب سے بڑے فرزند مولوی عبدالعلی اور رابعی میاں عرف چھوٹے بھائی پیلی بھیت میں مقیم ہیں اور کاروبار کرتے ہیں۔ جبکہ عبدالمغنی عرف برکات احمد کراچی میں ہیں۔ آپ کے پوتے عبدالولی بھی پیلی بھیت میں تجارت کرتے ہیں۔ ایک صاحبزادی ساجدہ بیگم کی کانپور میں شادی ہوئی تھی۔ اور وہ کانپور میں مقیم ہیں۔

مولانا حافظ محمد ابراہیمؒ

حضرت محدث سورتیؒ کے شاگرد اور اپنے والد کے شریک کار تھے۔ پیلی بھیت کے روٴساء میں شمار ہوتا تھا۔ آج بھی کچہری روڈ پر آپ کا مکان پیلی کوٹھی کے نام سے معروف ہے۔ جس میں آپ کی دو صاحبزادیاں میمونہ خاتون اور توصیفہ خاتون اپنے بھائی جناب محمد اسماعیل کے ساتھ مقیم ہیں۔ آپ کی ایک صاحبزادی صالحہ خاتون کی شادی فارسٹ انجینیئر وجاہت اللہ خان کے ہمراہ ہوئی تھی۔ جبکہ دوسری صاحبزادی محمودہ خاتون کی شادی اپنے عم زاد بھائی جناب غلام رضا عرف پیارے میاں سے کانپور میں ہوئی۔ میمونہ خاتون کی شادی نہیں ہوئی۔ آپ نہایت نیک پابند صوم وصلوٰۃ اور فقہ وحدیث پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ راقم الحروف کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پیلی بھیت میں علمی ومذہبی حلقوں میں آپ کو خصوصی شہرت حاصل ہے۔ فاضل بریلوی کے صاحبزادے حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان سے بیعت ہیں۔ اور ہر وقت مسلک اہلسنت کا دم بھرتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے۔ جناب محمد اسماعیل نے علی گڑھ سے

ایم اے کیا اور پیلی بھیت میں لکڑی کی تجارت کرتے ہیں۔ آپ کی شادی اپنی عم زاد بہن صغریٰ الخاتون سے ہوئی ہے۔ حافظ محمد ابراہیم کا ۱۹۵۳ء میں پیلی بھیت میں وصال ہوا۔ مفتیٔ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت محدث سورتی کے مقبرے کے باہر بیلوں والے قبرستان میں سپرد قبر کئے گئے۔

مولانا عبدالحنانؒ

حضرت محدث سورتی اور مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری سے کتب درس نظامی کی تکمیل کی۔ نہایت پابند صوم وصلوٰۃ اور باشرع بزرگ تھے۔ چھوٹوں سے نہائی شفقت اور علماء دین کا احترام آپ کے مزاج کا وصف خاص تھا۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ ابتداء میں اپنے والد کے ساتھ پیلی بھیت میں جنگلات کی تجارت کی اور جلد نیپال اور بہار تک آپ کا کاروبار پھیل گیا۔ کانپور کے ایک رئیس شیخ عزیز اللہ کی صاحبزادی سے عقد ہوا۔ بعد میں کانپور کی بانس منڈی میں لکڑی کی تجارت شروع کی اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی اور مفتیٔ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی سے خصوصی مراسم تھے۔ اور یہ حضرات کانپور میں آپ ہی کی رہائش گاہ پر قیام کرتے تھے۔ مولانا عبدالحنان کا ستر سال کی عمر میں ۸ رفروری ۱۹۷۱ء کو کانپور میں انتقال ہوا۔ تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں جناب غلام رضا عرف پیارے میاں، غلام مصطفیٰ اور غلام مجتبیٰ، سب کانپور میں مقیم ہیں۔ اور بانس منڈی میں آبائی تجارت سے وابستہ ہیں۔ جناب غلام رضا عرف پیارے میاں کانپور کے علمی وادبی حلقوں میں نمایاں شہرت کے حامل ہیں۔ اور راقم الحروف پر خصوصی شفقت فرماتے ہیں۔

مولانا عبدالسبحانؒ

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا عبدالحیؒ سے حاصل کی۔ اور دورۂ حدیث حضرت محدث سورتی سے پڑھا۔ نہایت وجیہہ اور سرخ وسفید تھے۔ اسی بناء پر لال بھائی کے نام سے مشہور رہے۔ والد کے انتقال کے بعد کثرت دولت کی وجہ سے خرافات کا شکار رہے دیگر افراد خاندان کے مقابلے میں شہر میں اچھی شہرت نہ ہونے کے باوجود لوگ احترام میں کوئی فرق

نہ آنے دیتے۔ نہایت سخی۔ حسن اخلاق سے آراستہ اور محبت و شفقت سے معمور طبیعت پائی تھی۔ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد کی تمام اولادوں سے خصوصی محبت فرماتے تھے ۱۹۵۷ء میں انتقال فرمایا۔ مفتیٔ اعظم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور بیلیوں والے قبرستان میں سپرد قبر کیے گئے۔ راقم الحروف کی آپ کے صاحبزادے عرفان میاں اور صاحبزادی حبیبہ بیگم سے پیلی بھیت میں ملاقات ہوئی۔ حبیبہ بیگم کی کانپور میں جناب محمد ذکریا سے شادی ہوئی اور وہ کانپور میں ہی مستقل رہتی ہیں جبکہ عرفان میاں پیلی بھیت میں اپنی دیگر بہنوں کے ساتھ مقیم ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔

مولانا عبدالحمیدؒ

مولانا عبدالحمید عرف اچھے بھائی مولانا عبداللطیف سورتی کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ مذہبی امور کے علاوہ انگریزی زبان سے بھی واقفیت حاصل تھی۔ جنگلات کی تجارت ذریعہ معاش تھا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ بڑے محنتی صوم و صلوٰۃ کے پابند اور باشرع بزرگ تھے۔ کانپور میں شادی ہوئی دسمبر ۱۹۶۳ء میں انتقال ہوا اور بیلیوں والے قبرستان میں سپرد قبر کیے گئے۔ تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔ محمد طاہر، محمد قاسم اور محمد طیب صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں۔ حسینہ بیگم، نفیسہ بیگم اور سکینہ بیگم۔ مولانا عبدالحمید نے اپنے صاحبزادوں کے نام اپنے اجداد کی مناسبت سے رکھے تھے۔

راقم الحروف کو ۱۹۷۹ء اکتوبر میں آپ کی اولادوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ محمد قاسم کا انتقال ہو چکا ہے۔ جبکہ محمد طاہر اور محمد طیب پیلی بھیت میں مقیم ہیں۔ آپ کی طبیعتوں میں اسلاف کی سی شرافت نفاست بردباری شفقت اور محبت کی فراوانی ہے۔ راقم الحروف کو پہلی مرتبہ دیکھنے کے باوجود جس محبت اور شفقت کا اظہار فرمایا وہ میرے دل و دماغ کے لئے نشاطِ دوام کا درجہ رکھتی ہے۔ محمد طاہر صاحب جنگلات کی ٹھیکیداری کرتے ہیں۔ جبکہ محمد طیب صاحب اسلامیہ کالج پیلی بھیت میں انگریزی کے پروفیسر ہیں دونوں حضرات مسلک اہل سنت پر نہ صرف خود سختی سے کاربند ہیں بلکہ اس کی اشاعت و ترویج میں بھی بڑھ

چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔ محمد طاہر صاحب کی شادی پیلی بھیت کی ایک بستی پڑیلوا دیش کے معزز پٹھان عبدالاحد خان کی صاحبزادی رونق جہاں سے ہوئی ہے۔ نہایت با اخلاق اور پر شفقت خاتون ہیں۔ تین بچے ہیں۔ ایک لڑکا اور دو لڑکیاں۔ لڑکا محمد اقبال طاہر لکھنؤ کے ایک اسکول میں زیر تعلیم ہے۔ محمد طیب کی شادی علی گڑھ کے پروفیسر   کی صاحبزادی سے ہوئی ہے۔ جو اعلیٰ تعلیم و اخلاق سے بہرہ ور ہیں۔ حسینہ بیگم کی شادی سلطان الواعظین مولانا عبدالاحدؒ کے صاحبزادے مولانا فضل احمد صوفی مرحوم سے ہوئی تھی نفیسہ بیگم کی شادی پیلی بھیت کے حاجی فقیر محمد کے فرزند مرحوم حبیب احمد سے ہوئی تھی۔ سکینہ بیگم کی شادی لکھنؤ میں ہوئی ہے۔ حسینہ بیگم اپنے فرزند ارجمند معین احمد صوفی کے ساتھ محمد طاہر اور محمد طیب کے ہمراہ پیلی بھیت کے محلہ محمد واصل خان میں رہتی ہیں۔

حضرت محدث سورتی نے تقریباً چالیس سال پیلی بھیت میں درس حدیث دیا۔ مدرستہ الحدیث میں آپ کے وصال کے بعد آپکے صاحبزادے مولانا عبد الاحدؒ شیخ الحدیث ہوئے اور تقریباً دس سال یہ مدرسہ اسی آن بان سے احادیثِ رسول سے مسلمانوں کے قلوب کو منور کرتا رہا۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں پیلی بھیت میں شدید سیلاب اور زلزلہ آیا جس میں یہ مدرسہ بھی زمین بوس ہوگیا۔ بعد میں علماء و اکابر کے اصرار پر سلطان الواعظین مولانا عبد الاحدؒ نے اس کی ازسرنو تعمیر کا بیڑا اٹھایا اور حصولِ عطیات کے لئے ایک اپیل مولانا فضل احمد شاہ مانا میاں قادری فضل رحمانیؒ کی جانب سے شائع کی گئی۔ یہ اپیل حضرت محدث سورتیؒ کی حیات و خدمات کے سلسلہ میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ حضرت محدث سورتی کی شخصیت کے بہت سے گوشے اس سے سامنے آتے ہیں۔ یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس اپیل کا مکمل متن درج کردیا جائے تاکہ تمام حقائق کھل کر سامنے آجائیں۔

مدرستہ الحدیث کی ازسرنو تعمیر

حضرات یہ وہ قدیمی دینی درسگاہ ہے جس میں چالیس سال تک حدیث نبویؐ کے درس کا دریا لہراتا رہا اور نہایت اہتمام سے اس کے دور کا دورہ جاری رہا۔ یہ اس کے بانیٔ اعظم کے چشمۂ فیض کا اثر تھا کہ جس نے احادیث کے برکات سے ایک عالم کو سیراب کیا اور وہ خدمتِ

مذہب و ملت فرمائی کہ آج اس کا سکہ عرب سے عجم تک اور شرق سے غرب تک جاری ہے گویا اپنی تمام عمر خدمت دین کے لئے وقف فرمادی۔ یہ وہی درسگاہ ہے جس نے زبردست اکابر علماء تیار کرکے خدمت دین و مذہب کے لئے ہندوستان کی نذر کردیئے یہ علماء آج علم دین کی حمایت و حفاظت میں شب و روز مصروف و مشغول ہیں چند علماء کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔ مولانا مفتی عبد القادر لاہوری، مولانا سید محدث کچھوچھوی، مولانا امجد علی اعظمی صدر مدرس مدرستہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، مولانا ظفر الدین بہاری پروفیسر کالج بانکی پور، مولانا محمد رشید، صاحبزادہ مولانا خادم حسین پسر حضرت مولانا سید پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی، مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی سابق ایڈیٹر تحفۂ حنفیہ پٹنہ، مولانا عبد الحق پیلی بھیتی، مولانا ضیاء الدین مدنی حکیم حبیب الرحمٰن خان، مولانا عبد اللہ پشاوری، مولانا مصباح القیوم اورنگ آبادی ضلع بلند شہر، مولانا سید حسین احمد ہنوڈی ضلع بجنور، مولانا محمد امین چاٹل ضلع الہ آباد، مولانا محمد زمان خان مدرس مدرسہ کانپور، مولانا محمد عمر الہ آبادی، مولانا قمر علی راولپنڈی، مولانا محمد مسعود سیالکوٹی، مولانا عبد الجلیل ضلع آسام، مولانا عبد الحی پیلی بھیتی، مولانا حافظ محمد اسماعیل محمود آبادی استاد نواب صاحب ریاست جلال آباد، مولانا ولی الرحمٰن پوکھیروی وغیرہ۔ یہ وہ اجل علماءِ ہند ہیں جن کی عالم میں دھوم ہے یہ اسی مدرستہ الحدیث کے تابندہ چاند ہیں جو اپنی تابشوں سے قلوب مومنین کو منور کئے ہوئے ہیں۔ اور جن کی تربیت اسی مدرسہ کے بانیٔ اعظم حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ کے ذہن فیض اثر سے ہوئی۔

حضرت محدث سورتی کی وہ ذاتِ مبارک تھی جس کی ایک تجلی تو تلامذہ تھے تو دوسری جانب آپ کی وہ تصانیف و تالیفات ہیں جو آج بھی حرمین شریفین و جامع ازہر و بلخ و بخارا تک کی درسگاہوں میں، داخلِ نصاب اور وہاں کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔ مثلاً حاشیہ طحاوی، حاشیہ نسائی، حاشیہ شروح اربعہ ترمذی، تعلیق المجلی برمنیتہ المصلی۔ حاشیہ مدارک، حاشیہ

مقاماتِ حریری، حاشیہ شافیہ وجامع الشواہد وغیرہم، حضرت محدث سورتی کی درسگاہ، ہندوستان میں ایک اسلامی یادگار تھی۔ سوئے اتفاق کہ رفتارِ زمانہ سے اس میں کچھ پستی آچلی تھی گو بظاہر اس کی فکر تھی، مگر تقدیر نے اپنا زبردست قلم چلایا اور پیلی بھیت میں زلزلہ وسیلاب آیا جس سے شہر میں دیگر نقصانات کے علاوہ یہ غریب مدرسہ بھی اس کی نذر ہو گیا سو اُسکی ازسرِ نو تعمیر کا مسئلہ اب درپیش ہے تعمیری کام شروع ہو چکا ہے مگر اب بھی ہنوز باقی ہے۔

صاحبانِ خیر سے درخواست ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں حصّہ لیں۔

(المعلن:۔ (مولانا) فضل الصمد قادری فضل رحمانی (دانا میاں) خادم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت)

اس اپیل کے آخر میں اعلحضرت عظیم البرکت کے صاحبزادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں بریلوی کی تقریظ بھی درج ہے جس میں آپ نے لکھا ہے کہ "حضرت مولانا سیدنا شاہ محمد وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ العزیز کا نام نامی اور اسمِ گرامی آسمانِ عالم کا چاند ہو کر چمکا علمی دنیا میں آپ کے کارنامے اپنی تابشوں کے ساتھ چمک رہے ہیں۔ آپ کی تدریس و تصنیف کی ضیاء باریاں آفاقِ عالم کو جگمگا رہی ہیں۔ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت آپ ہی کا مدرسہ ہے آپ کے عہد برکت عہد میں اس آبشار فیوض وبرکات سے علوم وفنون کے پیاسے سیراب ہوتے رہے افسوس اور ہزار افسوس کہ اب وہ سرچشمۂ ہدایت علم کی کساد بازاری اور قوم کی تغافل شعاری کے ہاتھوں ناگفتہ بہ حالت میں ہے۔ برادرانِ اہلسنت کو اس کی جانب ہاتھ بڑھانا اور حضرت محدث سورتی قدس سرہٗ کے فیوض وبرکات کو ازسرِ نو زندہ کرنا اور ان کی یادگار کو باقی رکھنا اپنا اولین فرض سمجھنا چاہیئے۔ فقیر کی دعا ہے کہ مولا تعالیٰ اس تحریک کو کامیاب فرمائے۔ اور مدرسۃ الحدیث کو اپنی روایاتِ قدیمہ کے موافق مدرسۃ الحدیث بل جمیع العلوم من القدیم والحدیث بنائے اور اسے حامیٔ سنت ماحیٔ کفر وبدعت اخینا فی الدین مولانا عبدالاحد سلطان الواعظین کی سعیٔ جمیل وہمّت عظیمہ سے حضرت محدث سورتی قدس سرہٗ کے فیوض ظاہری وباطنی کے ساتھ "صورۃً ومعنیً" تعمیر وتعلیم سے معمور کر دے۔ آمین۔

(فقیر: حامد رضا خاں قادری رضوی بریلوی خادم سجادہ وگدائے آستانۂ عالیہ رضویہ بریلی)

تلامذہ

حضرت محدث سورتیؒ نے ایسے دور میں جبکہ برصغیر کے مسلمانوں کے شفق بار چہرے گردش لیل ونہار کا مرثیہ دکھائی دیتے تھے علم حدیث کے وہ چراغ روشن کئے جن کی تابانی سے آج بھی ظلمتِ شب کا سینہ بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ جس طرح شجرۂ نسب باعث فخر وتمکنت ہے اسی طرح چراغ سے چراغ جلنا بھی وجہۂ قدر ومنزلت ہے۔ حضرت محدث سورتیؒ نے علم حدیث کے جو چراغ روشن کئے اُن سے اکتساب نور کرنیوالی شمعیں آج بھی جہالت کی تاریکی میں فانوس کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگر محدث سورتیؒ کے علمی اور روحانی رشتوں پر نظر ڈالی جائے تو ذیلی اور بالائی دونوں سمتوں میں علم وعرفاں کے دریا موجزن نظر آتے ہیں حضرت سے دورۂ حدیث پڑھنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے لیکن استدادِ زمانہ اور مورخ کی مستقل خاموشی نے گذشتہ سو سال کی تاریخ کو کچھ اس طرح دریابرد کر دیا ہے کہ سطح آب پر کوئی نقش ابھرتا ہی نہیں۔ حضرت محدث سورتی کے تلامذہ نے درس وتدریس اور تصنیف و تالیف کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں لیکن اُن کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ چند تلامذہ کے حالات اور اسمائے گرامی بعد تلاش وجستجو میسّر آسکے ہیں۔ جن کو یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

مولانا امجد علی اعظمی انصاری رح

مولانا امجد علی اعظمی ۱۲۹۶ء میں یوپی کے ضلع اعظم گڑھ کے قصبے گھوسی کے محلہ کریم الدین میں پیدا ہوئے۔ آپ ذات کے انصاری تھے۔ ابتدائی کتب اپنے رشتہ کے بھائی مولوی محمد صدیق سے پڑھیں۔ اور پھر انہیں کی ایما پر مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخلہ لیا۔ جہاں مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری سے اکتساب فیض کے بعد آپ حجۃ العصر شیخ المحدثین مولانا وصی احمد محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہوئے۔ اور مدرسۃ الحدیث میں دورۂ حدیث مکمل کر کے ۱۳۲۴ھ میں سند حدیث حاصل کی۔ اس موقع پر مولانا سلامت اللہ رامپوری نے دستار فضیلت آپ کے زیب سر کی۔ بعد میں محدث سورتی کے مشورہ پر لکھنؤ گئے جہاں حکیم عبدالعزیز کے صاحبزادے حکیم عبدالولی جھوائی ٹولہ سے علم طب حاصل کیا اور مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۳۲۷ھ میں پٹنہ گئے اور وہاں پر مطب شروع کیا۔ اس دوران اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں کو مدرسہ منظر الاسلام بریلی کے لئے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی اور آپ نے اس سلسلہ میں حضرت محدث سورتی سے رجوع کیا۔ حضرت محدث سورتی نے مولانا امجد علی کا نام پیش کیا چنانچہ آپ فوری طور پر مطب چھوڑ کر پٹنہ سے بریلی آئے اور درس و تدریس کا آغاز کیا۔ اسی دوران آپ اعلیحضرت کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ اور خلافت سے نوازے گئے۔ اعلیحضرت نے آپ کو صدر الشریعہ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ ۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے اجمیر چلے گئے ۱۳۵۱ھ میں پھر بریلی واپس آ گئے اور تین سال قیام کے بعد نواب حاجی غلام محمد خاں شیروانی رئیس ریاست دادوں (علیگڑھ) کی فرمائش پر دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ علی گڑھ میں سات سال تک بحیثیت صدر مدرس درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۳۶۷ھ میں مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے بریلی سے روانہ ہوئے اور بمبئی پہنچ کر پیغام اجل آیا اور ۲ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ بروز دوشنبہ عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔ قرآن حکیم کی آیت کریمہ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ۔ مادہ تاریخ ہے۔ بہارِ شریعت آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جو سترہ حصوں میں

شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں آپ نے اپنے استاد مولانا وصی احمد محدث سورتی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ تلامذہ میں مولانا سردار احمد لائلپوری، مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، مولانا رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور، مفتی وقار الدین پیلی بھیتی، مولانا تقدس علی خاں مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، مولانا قاری غلام محی الدین پیلی بھیتی، مولانا عبدالعزیز مبارکپوری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھیں۔

باغی ہندوستان۔ مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۴ء

تذکرہ علمائے اہلسنت، مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ

سوانح حیات اعلیحضرت مولفہ شاہ مانا میاں پیلی بھیتی۔ مطبوعہ کراچی ۱۳۹۰ھ۔

مولانا حبیب الرحمٰن خان پیلی بھیتی رح

مولانا حبیب الرحمٰن کا شمار پیلی بھیت کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے علمِ حدیث حضرت محدث سورتی سے اور علمِ طب حکیم عبدالرشید جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے حاصل کیا۔ مدرسۃ الحدیث سے درس و تدریس کا آغاز کیا اور جلد ہی مدرسین میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ فاضل بریلوی سے ارادت و خلافت حاصل تھی۔ پیلی بھیت کے بزرگ حضرت شاہ جی شیر میاں (آپ کے ماموں تھے)۔ چنانچہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں آپ نے شاہ جی شیر میاں کے مزار سے متصل ایک مدرسہ قائم کیا جس کا تاریخی نام حافظ پیلی بھیتی نے "مدرسہ آستانۂ شیریہ" تجویز کیا آپ نہایت ملنسار با اخلاق با وضع اور پورے شہر میں مقبول و محبوب شخصیت تھے۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا وقار الدین پیلی بھیتی، مولانا عبدالرشید پیلی بھیتی اور مولانا انوار احمد مدرس مدرسہ بشیریہ پیلی بھیت کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن کا وصال ۱۹۴۳ء میں ہوا۔ اور اپنے ذاتی باغ میں سپرد خاک کئے گئے۔

مولانا سید خادم حسین محدث علی پوری

مولانا سید خادم حسین ولد پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری تقریباً ۱۲۹۴ھ میں

پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علی پور سیالکوٹ میں حاصل کی حافظ قاری شہاب الدین سے کلام مجید حفظ کیا اور لاہور آکر اورنٹیل کالج لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں تحصیل و تکمیل علم کے لئے کانپور پہنچے اور کچھ دن قیام کے بعد حضرت محدث سورتی کی خدمت میں حاضر ہوکر دورۂ حدیث کی سند حاصل کی آپ نہایت ذہین اور لائق طالب علم تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت محدث سورتی آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ منیۃ المصلی کی تدریس کے دوران آپ کی گذارش پر حضرت محدث سورتی نے منیۃ المصلّی کی شرح التعلیق المجلّی کے نام سے لکھی اور اس کی غرض تصنیف بیان کرتے ہوئے اپنے شاگرد عزیز مولانا سید خادم حسین کی ذہانت کی تعریف کی ہے۔ آپ کے ہمدرس طلبہ میں مولانا ضیاء الدین مدنی اور مولانا فضل حق رحمانی شامل تھے۔ سیرت امیر ملت کے مؤلفین نے مولانا خادم حسین کے ضمن میں حضرت محدث سورتی کا تذکرہ نہیں کیا جبکہ مولانا محمود احمد قادری نے تذکرۂ علماء اہلسنت میں مولانا سید خادم حسین کو حضرت محدث کا شاگرد لکھا ہے مولانا سید خادم حسین نے فراغت علم کے بعد درس و تدریس کو اپنا مشغلہ بنالیا اور مدرسۂ نقشبندیہ علی پور سیداں میں ایک عرصہ تک آپ کا فیض جاری رہا۔ آپ کو مطالعہ کا بے پناہ شوق تھا چنانچہ آپ نے نادر اور قیمتی کتب کا ایک قابل قدر ذخیرہ جمع کیا تھا۔ جو بعد میں مدرسۂ نقشبندیہ کے لئے وقف کردیا۔ آپ ریل کے ایک حادثہ میں شدید زخمی ہوکر ۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے [۱] آپ کے صاحبزادے مولانا سید نذر حسین شاہ آپ کے علمی جانشین ہیں۔

قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی

قاضی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی اردو کے نعت گو شعراء میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ ۱۸۶۰ء میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور ماموں قاضی ممتاز حسین سے حاصل کی۔ نوعمری سے ہی شعر کہنے لگے تھے۔ حضرت

[۱] سیرت امیر ملت صہ ۶۹۰ مؤلفہ سید اختر حسین و پروفیسر طاہر فاروقی مطبوعہ علی پور سیداں ۱۳۹۴ھ

محدث سورتی سے درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد دورۂ حدیث پڑھا۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ جبکہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں۔ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری و دیگر علماء سے بڑے دیرینہ مراسم تھے۔ مولانا امیر مینائی اور داغ دہلوی آپ کے نعتیہ اشعار کے ہمیشہ مداح رہے۔ قاضی صاحب کی بعض مذہبی کتابوں پر تقریظات موجود ہیں۔ آپ خود کو "خاک پائے حضرت محدث سورتی" تحریر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا کلام اُنیس دواوین پر مشتمل ہے جن میں سے نعت مقبول خدا ۱۳۰۳ھ، نغمۂ روح ۱۳۰۹ھ، خمخانۂ حجاز ۱۳۱۵ھ، آئینہ پیغمبر ۱۳۳۰ھ، بیاض نعت ۱۳۳۳ھ، نغمۂ جگر دوز ۱۳۳۵ھ، لذّت درد ۱۳۳۸ھ اور خمخانۂ خلد ۱۳۴۰ھ میں نظامی پریس بدایوں اور مطبع حسنی پریس بریلی سے طبع ہوچکے ہیں آپ کا وصال ۹ر دسمبر ۱۹۲۹ء بمطابق ۷ر رجب المرجب ۱۳۴۸ھ کو پیلی بھیت میں ہوا۔

سید محمد محدث کچھوچھوی

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی ابن مولانا حکیم نذر اشرف ۱۵ر ذیقعد بروز شنبہ ۱۳۱۱ھ بمقام جائس ضلع بریلی پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب سے اور درس نظامی کی کچھ کتابیں مدرسۂ نظامیہ فرنگی محل کے اساتذہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی وغیرہ سے پڑھیں علی گڑھ میں مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے شرح تجدید اور افق المبین پڑھ کر سند فراغ حاصل کی پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی کی خدمت میں حاضر ہوکر حدیث پڑھی اور سند حاصل کی اور دہلی میں اپنے استاد کے مدرسۃ الحدیث کی ایک شاخ قائم کرکے معلمی کا آغاز کیا۔ اپنے ماموں مولانا شاہ احمد اشرف سے مرید ہوکر تکمیل سلوک کیا اور درجۂ کمال کو پہنچے، نظم و نثر دونوں پر کمال دسترس حاصل تھی۔ مجموعہ کلام "فرش و عرش" کے نام سے طبع ہوا۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ فاضل بریلوی سے بھی اجازت حاصل تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست مخالف اور تحریک پاکستان کے سرگرم رہنما تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس

کے اجلاس منعقدہ بنارس کے موقع پر کانفرنس کے صدر عمومی مقرر کئے گئے۔ اور کانفرنس میں جو خطبہ پیش کیا وہ تحریک پاکستان کی دستاویز میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی نے اپنے استاد حضرت محدث سورتی کا ذکر خیر اپنی تحریروں میں بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے اور ۱۳۷۹ھ ناگپور میں جشنِ ولادت احمد احمد رضا کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں حضرت محدث سورتی کو فنِ حدیث کا امام تحریر فرمایا ہے[۱]

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی کا وصال، ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۳ھ بمقام لکھنؤ ہوا۔ کچھوچھہ شریف میں تدفین ہوئی۔ مولانا سید محمد ہمدانی فرزند ثالث جانشین ہیں۔

پروفیسر سلیمان اشرف بہاری

حضرت محدث سورتی کے تلامذہ میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کا ذکر بڑی اہمیت کا حامل کیونکہ آپ علوم دینی کے ساتھ ساتھ علوم دنیوی پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے اور شاید اس کی وجہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے آپ کی بحیثیت استاد وابستگی تھی جہاں آپ کو خالصتاً دنیاوی نہج پر سوچنے والے افراد سے سابقہ پڑتا تھا اور آپ انکی روحانی تشنگی کا ازالہ فرماتے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف ۱۸۷۸ء میں صوبہ بہار کے ایک دیہات میر داد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حکیم سید محمد عبد اللہ سے حاصل کی جو جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ کچھ کتابیں مولانا محمد احسن استھانوی سے پڑھیں اور پھر علامہ فضل حق خیر آبادی کے شاگرد مولانا ہدایت اللہ جونپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے جہاں علوم اسلامیہ اور منطق فلسفہ کی تمام کتابیں مکمل کیں اور مولانا جونپوری کے ایماء پر دورہ حدیث کے لئے حضرت محدث سورتی رہ کے پاس پیلی بھیت پہنچے۔ حضرت محدث سورتی آپ کی ذکاوت علمی سے بے پناہ متاثر ہوئے اور نہایت شفقت کے ساتھ آپ کے ساتھ پیش آئے۔ تقریباً پیلی بھیت میں ایک سال قیام کے دوران ہر جمعرات کو اعلیٰحضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خان کی خدمت عالیہ میں حاضری کے لئے حضرت محدث سورتی کے ہمراہ بریلی جاتے۔ دورہ

---

[۱] ۔ المیزان بمبئی ص ۲۴۷ ۔ امام احمد رضا نمبر

حدیث کی تکمیل پر آپ جب بریلی حاضر ہوئے تو اعلیٰحضرت نے اپنے دستِ مبارک سے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ مولانا سید سلیمان اشرف کو اعلیٰحضرت عظیم البرکت سے بے پناہ عشق تھا اور اس عشق کا آپ برملا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ مفاسد ندوۃ العلماء کو عام کرنے اور عوام اہلسنت کو اس کی تائید سے باز رکھنے کی تحریک میں آپ نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ہی حصہ لینا شروع کر دیا تھا رجب ۱۳۲۰ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۰۲ء آپ اپنے استاد محدث سورتی کے ہمراہ مجلس علمائے حنفیہ امرتسر کی دعوت پر امرتسر پہنچے اور سنی کانفرنس میں حصہ لے کر مسجد مہر آفتاب امرتسر میں مفاسد ندوہ پر نہایت عالمانہ تقریر کی[۱]

مولانا سید سلیمان اشرف نے دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد جونپور میں اپنے استاد مولانا ہدایت اللہ جونپوری کے مدرسہ سے تدریس کا آغاز کیا اور ۱۹۰۶ء میں مولانا کی وفات کے بعد ایم اے او کالج علی گڑھ کے شعبۂ دینیات سے بحیثیت استاد وابستہ ہو گئے علی گڑھ پہنچ کر آپ نے نماز عصر کے بعد درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جس میں علی گڑھ کے طلباء کے علاوہ مدرسین اور منتظمین بھی کثرت سے شرکت کیا کرتے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف کی علی گڑھ سے وابستگی یا یوں کہئے کرامات اولیاء میں داخل تھی کیونکہ اس دور پر فتن میں جبکہ ہر طرف سے اسلام پر اور خصوصاً تقلید ائمہ اربعہ پر یلغار ہو رہی تھی اور نام نہاد علماء کا ایک طبقہ مقام مصطفےٰ کو نعوذ باللہ گھٹانے کی فکر میں صبح و شام معروف عمل تھا۔ مولانا سید سلیمان اشرف بلا کم و کاست اور بغیر از مصلحتاً نہ صرف ان کے خلاف سینہ سپر تھے بلکہ فقہ حنفی کے متصلب پیروکار بھی تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام جن افراد کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا ان کے عقائد و نظریات سے کون واقف نہیں تھا۔ خود مولانا ان کے بارے میں بڑے واضح نظریات رکھتے تھے اور ان کا برملا اظہار بھی کرتے تھے لیکن آپ کی حرارت ایمانی کے آگے کسی کی کیا مجال کہ حرف آرائی کر سکے پروفیسر رشید احمد صدیقی نے گنجہائے گرانمایہ میں مولانا سید سلیمان اشرف کے بارے میں اپنے تاثرات کے ضمن

---

[۱] روئیداد جلسہ علماء اہلسنت ص ۱۲ مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۰ھ

میں تحریک ترکِ موالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے نان کوآپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے گائے کی قربانی اور موالات پر بڑے بڑے جید اور مستند لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے اور اس زمانے کے اخبارات تقاریر تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کیا سے کیا ہو گیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کیا جا رہا ہے وہی سب کچھ ہے۔ یہی باتیں ٹھیک ہیں ان کے علاوہ کوئی اور بات ٹھیک ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی مرحوم (مولانا سید سلیمان اشرف) مطعون ہو رہے تھے لیکن چہرے پر کوئی اثر تھا اور نہ معمولات میں کوئی فرق۔ سیلاب گزر گیا۔ جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم نے اس عہدِ سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی۔ اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا۔ آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ قائم ہے۔ سارے علماء سیلاب کی زد میں آچکے تھے صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے[1]"

مولانا سید سلیمان اشرف نے علی گڑھ کی ملازمت کے باوجود اپنے دور کی تمام تحریکوں میں کھل کر حصہ لیا اور اپنے موقف کا ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کیا۔ اور یہی آپ کی شخصیت کا حسن تھا جس کے مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی۔ نواب محسن الملک اور دیگر افراد ہمیشہ اسیر رہے۔ آپ نے ۱۳۳۹ھ میں بریلی کے مقام پر ابوالکلام آزاد سے ترکِ موالات۔ ذبیحہ گاؤ پر پابندی اور کانگریس سے الحاق واتحاد کے موضوع پر مناظرہ کرکے ابوالکلام کو تاریخی شکست سے ہمکنار کیا[2]۔

مولانا سید سلیمان اشرف کثیر التصانیف عالم دین تھے لیکن آپ کی جن کتابوں کو شہرت دوام حاصل ہوئی ان میں المبین (عربی فیلالوجی پر تحقیقی مقالہ)، النور (دوقومی نظریہ کی وضاحت میں)، اور امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت پر طویل مقدمہ شامل ہے آپ کے تلامذہ میں یوں تو علی گڑھ یونیورسٹی کا ہر طالب علم شامل تھا لیکن ڈاکٹر فضل الرحمان

---

[1] گنجہائے گرانمایہ ص۲۷ پروفیسر رشید احمد صدیقی مطبوعہ فرینڈز پبلشرز راولپنڈی ۱۹۵۳ء

[2] ابوالکلام کی تاریخی شکست کے عنوان پر مولانا محمد جلال الدین قادری کی ایک مفصل کتاب مکتبہ رضویہ ۷۴/۲ سوڈیوال کالونی ملتان روڈ لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

انصاری، پروفیسر رشید احمد صدیقی، قاری محمد ابوالصمد انی گجراتی۔ ڈاکٹر سید عابد علی اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا کا وصال ۵ اپریل ۱۹۳۹ء کو ہوا اور علی گڑھ میں ہی تدفین عمل میں آئی۔

مولانا ضیاء الدین مدنی رح

مولانا ضیاء الدین مدنی ولد شیخ عبدالعزیز اگست ۱۲۹۴ھ بمقام کلاس والا ضلع سیالکوٹ پیدا ہوئے آپ سیدنا عبدالرحمن بن حضرت صدیق اکبرؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ مولانا ضیاء الدین مدنی کے اجداد میں اپنے وقت کے مشہور عالم دین حضرت مولانا عبدالحکیم بھی شامل ہیں جن کے خیالی اور قطبی پر حواشی اہل علم کے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں مولانا محمود احمد قادری نے لکھا ہے کہ مولانا عبدالحکیم حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے معاصر تھے اور حضرت شیخ احمد کو "مجدد الف ثانی" کا خطاب آپ ہی نے دیا تھا[1]۔ مولانا ضیاء الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کلاس والا میں مولوی محمود حسین سے حاصل کی اور پھر حصول علم دین کے لئے لاہور پہنچے اور مولانا غلام قادر بھیروی سے عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مولانا ضیاء الدین کا بیان ہے کہ میرے والد مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد و نظریات سے متفق ہو گئے تھے۔ اس لئے میں نے زمانہ طالب علمی ہی میں طے کر لیا تھا کہ اب میں کبھی اپنے والد سے نہیں ملوں گا۔ چنانچہ میں لاہور سے دہلی آ گیا۔ جہاں ایک برس قیام کے بعد حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت پہنچا اور تقریباً چار سال پیلی بھیت میں رہ کر تمام علوم کا تکملہ کیا۔ پیلی بھیت میں آپ کے ہم سبق طلبہ میں پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے صاحبزادے مولانا سید خادم حسین بھی شامل تھے۔ مولانا ضیاء الدین نے پروفیسر شاہ فرید الحق کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی سے میری پہلی ملاقات بھی حضرت محدث سورتی کی وجہ سے ہوئی چونکہ حضرت محدث سورتی سے اعلیحضرت کا خصوصی تعلق تھا۔ چنانچہ میں اپنے استاد کے ہمراہ ہر جمعرات

---

[1] تذکرہ علماء اہلسنت ص۱۰۲۔

[2] مولانا ضیاء الدین کے ایک طویل انٹرویو سے اقتباس۔ یہ انٹرویو حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ۱۹۷۳ء میں لیا تھا۔ اور ٹیپ کی شکل میں آپ کے پاس لاہور میں موجود ہے۔

کو بریلی جاتا۔ اور جمعہ کی نماز پڑھ کر پیلی بھیت لوٹ آتا تھا[1] مولانا ضیاء الدین کا یہ معمول کئی سال تک رہا اسی دوران آپ اعلیحضرت سے بیعت ہوئے۔ پیلی بھیت سے آپ بغداد شریف چلے گئے جہاں نو سال قیام کیا۔ اور حضرت شیخ مصطفٰے اور حضرت شیخ شرف الدین کی خدمت میں حاضر رہ کر سلوک و طریقت کے مختلف مدارج طے کئے۔ ۱۳۲۶ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور پھر دیار مدینہ میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور بحمد للہ اب تک حیات ہیں۔ مولانا حکیم قاری احمد نے ۱۹۵۳ء میں زیارت و حج بیت اللہ کے موقع پر شرف ملاقات حاصل کیا تھا جس کا تذکرہ اپنے سفرنامہ حج — مشاہدات حرمین میں کیا ہے[2] مدینہ منورہ میں مولانا ضیاء الدین کی شخصیت منفرد مقام کی حامل اور علماء کے لئے مرکز و مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ عالم اسلام میں آپ کے خلفاء کی تعداد سینکڑوں اور مریدین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔

ابوالمساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی

مولانا ضیاء الدین ولد حسین علی شوال ۱۲۹۰ھ میں تلہر ضلع شاہجہاں پور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی بعد میں حضرت محدث سورتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دورۂ حدیث کی تکمیل پر دستار فضیلت حاصل کی۔ حضرت محدث سورتی کے ایماء پر تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے طب کا امتحان پاس کیا لیکن باقاعدہ کبھی طبابت نہیں کی۔ فاضل بریلوی سے آپ کو ارادت و خلافت حاصل تھی اور استاد و مرشد دونوں آپ کی ذہانت و تبحرِ علمی کی قدر کرتے تھے۔ مولانا ضیاء الدین عملی زندگی میں درس و تدریس کے علاوہ ہمیشہ تصنیف و تالیف میں مصروف رہے اور تصانیف کثیرہ سپرد قلم فرمائیں۔ آپ نے ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ کی بھی ادارت کے فرائض کئی سال انجام دیئے۔ آپ کے مریدین کی ایک بڑی تعداد ہند و پاک کے مختلف بلاد و امصار میں موجود ہے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لکھا ہے کہ حضرت محدث سورتی کے وصال کے بعد آپ مستقل طور پر پیلی بھیت آ گئے تھے۔ اور

---

[1] مولانا ضیاء الدین انٹرویو شاہ فریدالحق مطبوعہ جنگ آزادی نمبر ترجمان اہلسنت کراچی۔
[2] مشاہدات حرمین ص ۱۷۷۔

محدث صاحب کے مقبرہ سے متصل بیلوں والی مسجد میں جمعہ کو خطابت فرماتے رہے۔ دین داری، پابندی شرع اور مذہبی رکھ رکھاؤ میں آپ کی ذات بڑی نمایاں تھی بلکہ پیلی بھیت میں آپ کی ذات سے شریعت کا رعب قائم تھا۔ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ بوقت فجر بحالت نماز روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ مولانا حشمت علی خاں لکھنوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتیوں والی مسجد سے متصل تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے خلیفہ مولانا وجیہہ الدین پیلی بھیت میں بقید حیات ہیں۔ مولانا ضیاء الدین کی چند قابلِ ذکر کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ ذکر ابرار مجموعہ نعت و منقبت مطبوعہ مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۲۵ھ

۲۔ ضیاء الارشاد مجموعہ نعت و منقبت مطبع حنفیہ پٹنہ ۱۳۳۰ھ

۳۔ التحقیق المعلیٰ (سود کی حرمت کا بیان) مطبوعہ پیلی بھیت ۱۳۵۸ھ

۴۔ فرامین شریعت مطبوعہ پیلی بھیت ۱۳۶۰ھ

۵۔ مراتب سیاست (اسلامی سیاست پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث) مطبوعہ پیلی بھیت ۱۳۶۲ھ

مولانا ظفر الدین بہاری

مولانا ظفر الدین بہاری ولد مولانا عبدالرزاق ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو موضع میجرہ ضلع عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی بعد میں مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں مولانا معین الدین اشرف۔ مولانا بدر الدین اشرف، اور مولانا معین الدین اظہر سے علوم مروّجہ حاصل کئے۔ ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا جہاں حضرت محدث سورتی بحیثیت شیخ الحدیث مسند درس و تدریس پر جلوہ افروز تھے۔ چنانچہ آپ حضرت محدث سورتی کے درس میں شامل ہوئے اور ۱۳۲۱ھ میں حضرت محدث سورتی کے پیلی بھیت واپس چلے جانے پر آپ مدرسہ حنفیہ سے کانپور پہنچے اور استاذ زمن، حضرت مولانا شاہ احمد حسن کانپوری سے منطق کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا عبیداللہ

حاصل کی۔ اور آپ سے ہی بیعت ہوئے۔ آپ کی آواز پر شعلہ سا لپک جانے کا گمان ہوتا تھا
اس قدر محویت کے عالم میں نعتِ رسول مقبول سناتے کہ پوری محفل پر وجد طاری ہو جاتا تھا
خواجہ عبدالصمد پھپھوندویؒ کے سنہ ۱۳۲۳ھ میں وصال کے بعد اپنے پیرزادہ مولانا شاہ سید
مصباح الحسنؒ کی معیت میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ کی خدمت میں تکمیل علوم
کے لئے پیلی بھیت حاضر ہوئے اور تقریباً سات سال تک حضرت محدث سورتی سے مختلف
علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دورۂ حدیث مکمل کیا۔ اور حضرت محدث سورتی کے
مشورہ پر محمود آباد میں مدرسہ قائم کیا۔ جہاں آپ طلبہ کو درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھاتے
تھے۔ مولانا برکات احمد پیلی بھیتی نبیرۂ مولانا عبداللطیف سورتیؒ کا بیان ہے کہ مولانا نہایت
نفاست پسند النسان تھے۔ طلبہ سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے اور بڑی دھیمی آواز میں
درس دیتے۔ اکثر دوران درس آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ مولانا برکات احمد سنہ ۱۹۴۰ء
کے اوائل میں مولانا محمود آبادی سے پڑھنے کے لئے محمود آباد گئے تھے۔ اور تقریباً دو سال آپ
نے محمود آباد میں قیام کیا۔ حضرت محدث سورتی کی علالت کی خبر سن کر مولانا محمد اسمٰعیل
پیلی بھیت آ گئے اور تادمِ واپسیں مامور بہ خدمت رہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ بھی آپ
پر خصوصی عنایت فرماتے اور آپ کو اجازت وخلافت سے بھی مشرف فرمایا۔ آپ نے
اعلیحضرت کے خلیفہ حاجی منشی محمد لعل خان کی کتاب تاریخِ وہابیہ پر تقریظ لکھی تھی۔ جو بڑی
تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ اما بعد سگِ درگاہ قادری محمد اسمٰعیل
حنفی چشتی محمود آبادی حضرات اہلسنت کلکتہ کی خدمت میں خصوصاً اور بیرونِ کلکتہ کی جناب میں
عموماً عرض گذار ہے کہ کتاب تاریخ وہابیہ دیوبندیہ مرسلہ ومرتبہ برادر دینی ویقینی کرم فرمائے
احباب عالیجناب منشی حاجی لعل خان صاحب سنی حنفی رضوی مدراسی مطبوعہ کلیمی پریس مچھوا
بازار کلکتہ جس میں ابتداً مناقب امام الائمہ سراج الامۃ سید التابعین امام الاعظم و
ہمام الافخم الاقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پھر دیگر حالات مختصراً فرق باطلہ مثلِ وہابیہ ودیوبندیہ

یعنی خوشہ چینان دہلویہ نیز مجسمہ ومعتزلہ ولیفوریہ وحکیمہ وقرامطہ وخارجیہ کے میری نظر سے
گذری واقعی حاجیصاحب موصوف نے مسلمان بھائیوں کے ساتھ احسان فرمایا۔ جزاہ اللہ
تعالیٰ عنی وعن سائر المسلمین خیر الجزاء خیرا۔ یہ لوگ جن پر وہابیہ کا اطلاق کیا گیا
فی الحقیقت مخربِ دینِ متینِ حبیبِ رب العالمین ہیں نہ اس فرقہ کو خدائے تعالیٰ کا خوف نہ رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرم علمائے اہلسنت نے صدہا بے باکیاں اور گستاخیاں جو
بارگاہِ رسالت میں اس فرقہ نے کیں اپنی تصانیف عالیہ میں ظاہر فرمائیں جو احباب طالبِ
دید ہوں اس تاریخ سے اون کے اسمار ملاحظہ فرما کر مسرور ہوں۔ برادران اسلام مجھے بھی اس
فرقہ سے گاہے گاہے اتفاق رہا ہے۔ اور کبھی مناظرہ ومناقشہ سے ترقی ہو کر دور تک نوبت پہنچی
مگر اس فرقہ نے اصلاح نہ حاصل کی اس گروہ کے بعض افراد نے توبہ بھی کی مگر جب اپنے جرگے
سے ملے تمسخر واستہزا ہی کیا اور توبہ سے کنارہ کشی کی۔ برادرانِ ملت نہ ان سے میل جول
حلال نہ مصاحبت ٹھیک قرآن کریم کا ارشاد واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ
مع القوم الظٰلمین۔ پر عمل کرنا ضروری یعنی اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے
پاس نہ بیٹھ۔ پر ظاہر کہ اس فرقے سے ظاہر کون یہ کتاب تاریخ مذکورہ اگر انصاف سے دیکھی
جائے اور پھر محبت واطاعت تعظیم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موازنہ ومقابلہ کیا
جائے تو فوراً منصف کمر ہمت باندھ کر توبہ انشاء اللہ وہابیت سے کر ہی لے گا اللہ تعالیٰ اس کتاب
کو مقبول خلائق کر کے مسلمانوں کو بد مذہبوں کی شر سے محفوظ ومصون رکھے۔ ختم اللہ لنا
ولکم بالخیر والحسنیٰ ووفقنا لما یحب ویرضیٰ واحشرنا فی ظلال حمایات
اولیاء المقربین وتحت لوائے سید المرسلین وصلوٰۃ اللہ وسلامہ
علیٰ خاتم النبیین محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یا
ارحم الراحمین۔ محمد اسمٰعیل سنی قادری محمود آبادی۔ ۴ رجمادی الثانی سنہ ۳۵ھ

مولانا محمد اسمٰعیل محمود آبادی نے سنہ ۱۳۱۷ھ محمود آباد میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا

مولانا محمد شفیع بیسلپوری

مولانا محمد شفیع بیسلپوری ولد مولانا فضل احمد ماہ شعبان سنہ ۱۳۰۱ھ بمقام بیسلپور ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ آپ فاتح روہیلکھنڈ حافظ رحمت خان کے سپہ سالار عبدالرشید خان کی اولاد میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ علم حدیث حضرت محدث سورتی سے حاصل کیا۔ آپ فہم و فراست اور علم و عمل کا مجسم پیکر تھے۔ اور ہمہ وقت استاد کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کرتے رہتے حضرت محدث سورتی نے اپنی صاحبزادی محترمہ حلیم النساء آپ کے نکاح میں دیں۔ فاضل بریلوی ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لائے تو آپ کی نگاہِ انتخاب مولانا محمد شفیع پر پڑی چنانچہ آپ کو ہمراہ بریلی لے گئے۔ اور فتاویٰ نویسی وکتب خانہ کی نگرانی پر مقرر کیا۔ بعد میں آپ فاضل بریلوی کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور اعلیٰحضرت نے آپکو خلافت عطا کی اور "امین الفتویٰ" کا خطاب دیا۔ علامہ اقبال احمد فاروقی نے "الاستمداد" کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اعلیٰحضرت نے اپنے جن شاگردوں اور مریدوں کو بے پناہ اعتماد میں لیا اُن میں مولانا محمد شفیع سرفہرست تھے۔ آپ نے نہایت کم عمری میں ۲۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۸ء بروز جمعہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ مزار قصبہ بیسلپور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ نے متعدد علمی و فقہی موضوعات پر مبسوط مضامین تحریر فرمائے۔ جو تحفۂ حنفیہ پٹنہ اور الفقیہہ امرتسر میں پابندی سے شائع ہوتے تھے۔ لیکن ان رسائل کے مکمل فائل دستیاب نہ ہونے کی بنا پر مضامین کی صحیح تعداد کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ البتہ ۱۵ صفر سنہ ۱۳۳۷ھ کے الفقیہہ میں آپ کا ایک مضمون "سنی مسلمانوں کو غیر مقلد بنانے کی فکر" راقم الحروف کے مطالعہ میں آیا۔ جس میں مولانا محمد شفیع نے مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد سہارنپوری کی بعض تحریروں پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کرتے ہوئے غیر مقلدین کی وکالت کرنے والوں کو بھی خارج اہل سنت قرار دیا ہے۔ مولانا محمد شفیع کا ایک قلمی نعتیہ دیوان اور مجموعہ فتاویٰ آپ کی علمی یادگار ہیں۔

مولانا مشتاق احمد کانپوریؒ

مولانا مشتاق احمد کانپوری سنہ ۱۲۹۵ھ میں سہارنپور میں پیدا ہوئے جہاں اُن دنوں آپ کے والد مولانا احمد حسن کانپوری مظاہر العلوم میں مسند درس و تدریس پر متمکن تھے۔ آپ نے اپنے والد ماجد سے قرآن شریف کا ناظرہ کیا اور تقریباً ۱۲ سال کی عمر میں حفظ کیا۔ بعد میں اپنے والد کے شاگرد رشید مولانا شاہ محمد عبید اللہ پنجابی سے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور دورہ حدیث کے لئے اپنے خالو حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت پہنچے اور تحصیل و تکمیل علوم متداولہ و متعارفہ کیا۔ آپ نہایت لائق و فائق تھے اور زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی لیاقت و فراست کا شہرہ عام ہو گیا تھا۔ مولانا مشتاق احمد نے معلمی کی ابتدا اپنے والد کے مدرسے دار العلوم مسجد رنگینیاں کانپور سے کی بعد میں مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں بحیثیت مدرس پندرہ سال درس دیا۔ دار العلوم معینیہ اجمیر شریف، جامعہ شمس العلوم بدایوں، مدرسہ عالیہ کلکتہ، جامعہ شمس الہدیٰ پٹنہ، اور مدرسہ اسلامی میرٹھ میں بھی آپ نے بحیثیت صدر مدرس پرنسپل، شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر خدمات انجام دیں۔ آپ اپنے والد سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ لیکن فاضل بریلوی سے حد درجہ عقیدت رکھتے تھے اور ہر سال فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضری کے لئے بریلی تشریف لیجایا کرتے تھے۔ مولانا مشتاق احمد علوم معقول و منقول کی تدریس میں اپنے والد کی مثل تھے۔ اور تمام زندگی تشنگانِ علوم اسلامی کی پیاس بجھانے میں گذار دی۔ آپ نے ۲۴ مئی سنہ ۱۹۲۵ء کو انجمن حزب الاحناف لاہور کے سالانہ جلسۂ دستار بندی میں شرکت فرمائی تھی۔ اس جلسہ کی صدارت مولانا سید دیدار علی محدث الوری نے کی تھی۔ جبکہ فاضل بریلوی کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں بھی جلسہ میں شریک تھے۔ مولانا مشتاق احمد اُس وقت مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں مدرس تھے۔ اور امام معقولات و منقولات کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ مولانا

مشتاق احمد کے شاگردوں میں مولانا عمیم الاحسان صدر مدرس مدرسہ عالیہ ڈھاکہ
مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا بذل الرحمٰن نے نمایاں قومی وملّی خدمات انجام دیں
مولانا بذل الرحمٰن نے اپنے استاد کے نام پر ایک مدرسہ کسٹا جنکشن ضلع رنگپور سابق
مشرقی پاکستان میں قائم کیا جو اچھی حیثیت میں چل رہا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد
مولانا مشتاق احمد کے اہل خانہ نے مولانا کا کتب خانہ جو کئی ہزار کتابوں پر مشتمل تھا
اسی مدرسہ کو دیدیا تھا۔ مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ مولانا
مشتاق احمد نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی سے دو فرزند حافظ امداد احمد اور حکیم مختار
احمد تھے۔ دونوں صاحبزادوں نے علم دین حاصل کیا مگر تجارت میں لگ گئے جس
کی بنا پر علمی شہرت حاصل نہ ہوسکی۔ البتہ خاندانی سلسلہ کو جاری رکھا اور حافظ امداد
احمد ہر سال مسجد نیر نگیاں میں قرآن شریف سنایا کرتے تھے۔ آپ کی آواز نہایت پرسوز
تھی جس کی بنا پر اکثر سامعین پر رقّت طاری ہوجایا کرتی تھی۔ حکیم مختار احمد کو سیاست
سے لگاؤ تھا چنانچہ آپ نے مولانا حسرت موہانی کے ہمراہ کانپور میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کے
لئے بڑی خدمات انجام دیں۔ مولانا مشتاق احمد آخر عمر میں زیادہ تر کلکتہ میں مقیم رہے
جہاں آپ مدرسہ عالیہ کے پرنسپل تھے۔ لیکن عیدین پڑھانے کانپور تشریف لاتے تھے۔
۲۹ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۰ھ بمطابق ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۴۱ء کانپور میں عید کا چاند دیکھ کر اعتکاف
سے اٹھ کر گھر پہنچے اور اسی شب روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے
حافظ امداد احمد نے ۴ صفر سنہ ۱۳۸۴ھ بمطابق ۱۵ جون سنہ ۱۹۶۴ء کو بمقام کانپور داعی اجل کو
لبیک کہا۔ حکیم مختار احمد دامت برکاتہم عالیہ بفضل تعالیٰ بقید حیات ہیں اور کلکتہ میں
برتنوں کی تجارت کرتے ہیں۔ مولانا مشتاق احمد کے بارے میں بیشتر معلومات حکیم مختار
احمد نے مولانا حکیم قاری احمد کو ایک مفصّل خط میں بہم پہنچائی تھیں۔ یہ خط مولانا قاری
احمد کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

مولانا مصباح الحسن پھپھوندوی رح

آپ حضرت خواجہ عبدالصمد پھپھوندوی رح کے فرزند ارجمند تھے۔ ۷ جمادی الاول سنہ ۱۳۰۴ھ
بمقام پھپھوند ضلع اٹاوہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن حکیم خواجہ اخلاق حسین ابن مولانا الطاف
حسین حالی سے ختم کیا۔ جو خواجہ عبدالصمد کے مرید صادق تھے۔ ابتدائی کتب درسیہ مولانا
امیر حسن سہسوانی، مفتی محمد ابراہیم مولانا شاہ اخلاق حسین مولانا حکیم مومن سجاد اور علامہ
محمد ہدایت اللہ خاں رامپوری سے پڑھیں۔ سنہ ۱۳۲۶ھ میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی
سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ اور صحاح ستہ کی سند حاصل کی۔ اپنے والد کے انتقال کے
بعد اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔ مولانا برکات احمد پیلی بھیتی کا بیان ہے کہ مولانا کو تمام
علوم و فنون پر قدرت حاصل تھی۔ آپ گفتگو کرتے تو اس طرح محسوس ہوتا جیسے علم کا دریا
موجزن ہو۔ حضرت محدث سورتی کے اخلاق اور سادگی کا اکثر تذکرہ فرماتے اور کہتے کہ دین کی
خدمت کرنے کے لئے حضرت محدث سورتی کا عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ نمود و نمائش
سب دین سے محبت کی علامات ہیں۔ علم کے حصول اور علم کے فروغ کے لئے سادگی اور پاکبازی
سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

مولانا شاہ مصباح الحسن پھپھوندوی کو قومی سیاست سے بھی بحیثیت ایک حساس
عالم دین دلچسپی تھی چنانچہ برصغیر میں انگریزی اقتدار کے خلاف ہر تحریک کا آپ نے بغور
جائزہ لیا اور آخرکار اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کے لئے مسلمانوں کی
ایک علیحدہ ریاست کا قیام ضروری ہے۔ اِس سلسلے میں آپ نے مولانا نعیم الدین مرادآبادی
اور مولانا عبدالحامد بدایونی کی معیت میں قیام پاکستان کے لئے کی جانے والی جدوجہد
میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ نے پاکستان کی حمایت میں ۱۱ فروری سنہ ۱۹۴۶ء بمطابق ۸ ربیع الاول
سنہ ۱۳۶۵ھ کو پھپھوند ضلع اٹاوہ میں سنی کانفرنس طلب کی اور اپنے خطبہ استقبالیہ میں ایک
مثالی اسلامی ریاست کے قیام پر دلائل پیش کئے آپ کا یہ خطبہ استقبالیہ ایک تاریخی دستاویز

رکھتا ہے۔ جس سے آپ کی سیاسی بصیرت اور قومی معاملات کے فہم کا پتہ چلتا ہے[1]

سنی کانفرنس پھپوند کی صدارت حضرت مولانا ابوالمحامد سید محمد محدث کچھوچھوی رح نے کی جبکہ کانفرنس سے مولانا نعیم الدین مرادآبادی رح، مولانا عبدالحامد بدایونی رح اور دیگر علمائے نے خطاب کیا۔

مولانا مصباح الحسن پھپھوندی عربی فارسی اور اردو میں شعر بھی کہتے تھے۔ کلام میں سوز و گداز سلاست و روانی اور فکر کی بلندی پائی جاتی ہے۔ علامہ محمود احمد قادری نے آپ کا تذکرہ "فرید عصر مولانا سید مصباح الحسن رح" کے نام سے مرتب کیا ہے۔ آخر عمر میں فالج کا حملہ ہوا اور دو سال تک صاحب فراش رہنے کے بعد ۱۱ رمضان المبارک سنہ ۱۳۸۴ھ کو وصال فرمایا "مرشد جان جہان جنت رسید" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ مولانا حسرت موہانی۔ مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی، مولانا عبدالقدیر بدایونی، مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور مولانا نعیم الدین مرادآبادی سے آپ کے خصوصی مراسم تھے۔

مولانا نثار احمد کانپوری

مولانا نثار احمد کانپوری سنہ ۱۸۸۰ء بمطابق سنہ ۱۲۹۷ھ بمقام کانپور پیدا ہوئے۔ آپ استاذ زمن مولانا احمد حسن کانپوری کے چھوٹے صاحبزادے اور مولانا مشتاق احمد کانپوری کے برادر خورد تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا شاہ عبید اللہ کانپوری، مولانا عبدالرزاق کانپوری اور مولانا محمد علی مونگیری سے پڑھیں اور دورۂ حدیث کے لئے اپنے خالو حضرت محدث سورتی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ نہایت خوش الحان حافظ قرآن، سحر البیان مفسر و مقرر، متبحر عالم و مناظر اور دردمند قومی رہنما تھے۔ آپ کو شرف بیعت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں سے حاصل تھا۔ اور اپنے پیر و مرشد سے عقیدت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ مولانا نثار احمد کانپوری نے سنہ ۱۹۰۰ء میں ہندوستان کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور بہت جلد پورے ہندوستان میں آپ کی شہرت

[1] خطبات سنی کانفرنس ص ۲۳۵، محمد جلال الدین قادری، مکتبہ رضویہ، گجرات سنہ ۱۹۷۸ء

عام ہو گئی۔ آپ انگریزوں کے شدید مخالف اور ہندوستان میں سلطنت اسلامی کے احیاء کے زبردست داعی تھے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں حامیٔ سنت نواب سر سلیم اللہ خاں تلمیذ مولانا احمد حسن کانپوری نے جب مسلمانوں کی علیٰحدہ سیاسی جماعت مسلم لیگ کے قیام کے سلسلے میں ہندوستان کے قومی رہنماؤں کو ڈھاکہ آنے کی دعوت دی تو آپ نے بھی بحیثیت ممبر اس اجلاس میں شرکت کی۔ مولانا نثار احمد کی ہندوستان گیر قومی سیاست کا آغاز اس مقام سے ہوتا ہے جبکہ سنہ ۱۹۱۳ء میں مسجد مچھلی بازار کانپور کے سانحہ پر آپ کی شہرت کو دوام حاصل ہوا۔ اس تحریک کے ہراول دستہ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالماجد بدایونی، بیرسٹر مظہر الحق اور مولانا نثار احمد کانپوری شامل تھے۔ اس سانحہ کی مذمت میں مولانا نثار احمد کانپوری نے کانپور کے اطراف و اکناف میں اپنی سحر بیانی سے آگ سی لگا دی تھی اور مسلمانوں کے قافلے مسجد کے انہدام کو روکنے کے سلسلے میں جوق در جوق کانپور پہنچ رہے تھے بزرگ صحافی سردار احمد صابری نے لکھا ہے کہ مولانا نثار احمد کانپوری مشہور سیاسی رہنما اور بہت ہی پرجوش خطیب تھے۔ جس شہر میں آپ کی تقریر ہوتی تھی۔ اُسے سننے کے لئے قرب و جوار کے علاقوں سے بکثرت لوگ آیا کرتے تھے۔ قرآن مجید پر سیر حاصل عبور تھا۔ بات بات پر قرآن مجید کی آیات استدلال میں پیش کرتے تھے۔[1] سردار احمد صابری نے اپنے مضمون میں مولانا نثار احمد سے متعلق تقریباً تمام یادداشتیں قلمبند کر دی ہیں۔ ہر چند بعض مقامات پر واقعاتی تضاد و اغلاط موجود ہیں لیکن اس کے باوجود یہ مضمون ایک وقیع حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مجھے مولانا نثار احمد کی زیارت کا شرف پہلی مرتبہ سنہ ۱۹۱۱ء یا سنہ ۱۹۱۲ء میں حاصل ہوا۔ اس زمانہ میں کانپور مسلمانوں اور عیسائیوں کے مناظرہ کا اہم مرکز بنا ہوا تھا۔ خاص کر پادری احمد شاہ کی سرگرمیوں نے جارحانہ شکل اختیار کر لی تھی۔ مدرسۃ الٰہیات کے وسیع احاطہ میں عام مناظروں سے برعکس علمی نوعیت کا ایک مناظرہ عیسائی مشنریوں سے ہوا تھا۔ مسلمانوں کی جانب سے مچھلی بازار کے ہیرو مولانا آزاد سبحانی اور مولانا نثار احمد نے حصہ لیا تھا۔ میں اپنے خالو مولانا عبدالرزاق کانپوری مصنف برامکہ کے ہمراہ مناظرہ دیکھنے گیا۔ نو عمری کی وجہ سے سمجھ میں تو کچھ نہ آیا لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ مولانا سبحانی کی تقریر ایک ٹھہرے

[1] مولانا نثار احمد کانپوری مضمون سردار احمد صابری مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ر مئی ۱۹۷۶ء

ہوئے دریا کی سی تھی۔ جبکہ مولانا نثار احمد کی تقریر کا انداز ایک طوفانی سمندر کی طرح تھا۔

مولانا نثار احمد نے جنگ طرابلس کے موقعہ پر بھی بڑی جرأت اور گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ اور مسلمانوں کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے ترک بھائیوں کا ساتھ دینے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ ابھی طرابلس کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ دوسری جنگ بلقان کے شعلے بھڑک اٹھے۔ چنانچہ مولانا کانپوری کا جوش و خروش اور بڑھ گیا۔ آپ نے علماء فرنگی محل کے تعاون اور اشتراک سے ترکوں کی امداد کے لئے بڑی تندہی سے کام کیا۔ اس سلسلہ میں علماء فرنگی محل نے لکھنؤ میں ایک جلسہ منعقد کیا جس سے مولانا نثار احمد کانپوری نے خطاب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ اگر برطانیہ نے ترکوں کو یورپ سے نکالنے کی کوشش کی۔ تو اے مسلمانانِ ہند کی وفاداری سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

مولانا نثار احمد کانپوری اور مولانا محمد علی جوہر کے درمیان تعلقات کا آغاز سنہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قیام کے موقعہ پر ہوا اور پھر ان تعلقات کو ایسا استحکام حاصل ہوا کہ مرتے دم تک ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ مولانا محمد علی کی سنہ ۱۹۱۹ء میں رہائی کے بعد مولانا نثار احمد کانپوری نے کانپور کی رہائش ترک کر کے آگرے کو اپنا مستقر بنا لیا۔ اور آگرے کے مفتی مقرر ہوئے۔ اس زمانہ میں خلافت اور عدم تعاون کی تحریک اپنے پورے شباب پر تھی۔ پورے ملک میں جلسے ہو رہے تھے۔ مولانا نثار احمد کانپوری کے پیر و مرشد فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں نے ترک موالات کے سلسلے میں یہ موقف اختیار کیا تھا۔ کہ جب انگریزوں سے ترک موالات ہے تو ہندوؤں سے موالات کیا معنی رکھتی ہے کیونکہ قرآن و سنت کی رو سے دونوں کا فر اور اسلام دشمن قومیں ہیں۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لکھا ہے کہ مولانا نثار احمد کانپوری کا بریلی سے رشتہ اس قدر مستحکم تھا کہ ترک موالات کی حمایت کے باوجود آپ خانقاہ رضویہ بریلی کی حاضری سے نہیں رکے [1] فاضل بریلوی کے خلیفہ اور حضرت محدث سورتی کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری پیلی بھیتی جو ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف اور ترک موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی کے فتویٰ کے زبردست مبلغ تھے۔ اُن سے بھی مولانا نثار احمد کانپوری کے مراسم ہمیشہ برادرانہ رہے اور تمام عمر دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انجمن خدام کعبہ، خلافت کمیٹی

---

[1] تاریخ پاک و ہند صـ ۳۵۲۔

اور مسلم لیگ کے علاوہ مولانا نثار احمد کانپوری نے انجمن خدام الحرمین کے قیام میں بھی بڑی گرمجوشی سے حصّہ لیا۔ اس انجمن کے آرگنائزروں میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا نثار احمد کانپوری مولانا حسرت موہانی اور مشیر حسین قدوائی شامل تھے۔ [1]

۸ مئی سنہ ۱۹۲۱ء کو کراچی میں مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا جس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی کہ انگریز کی فوج میں مسلمانوں کا بھرتی ہونا شرعی اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے اس قرارداد کی حمایت میں پانچ سو علماء کا ایک دستخط شدہ فتویٰ بھی کانفرنس میں تقسیم کیا گیا چنانچہ حکومت نے خلافت کانفرنس کے سات رہنماؤں کے خلاف بغاوت کے الزام میں مقدمہ قائم کر کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے۔ مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد کانپوری۔ پیر غلام مجدد سرہندی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، حسین احمد مدنی اور شنکر اچاریہ کو مختلف مقامات سے گرفتار کر کے کراچی لایا گیا۔ اور ۲۶ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء کو کراچی کے خالقدینا ہال میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ اور مقدمہ سیشن سپرد کر دیا گیا جہاں سے سوائے شنکر اچاریہ کے سب رہنماؤں کو دو دو سال قید با مشقت کی سزا سنادی گئی۔ مولانا نثار احمد کی دوسری مرتبہ گرفتاری سنہ ۱۹۲۵ء میں عمل میں آئی۔ جبکہ آپ نے یتیم خانہ اسلامیہ پریڈ بازار کانپور میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے حجاز میں مقاماتِ مقدسہ کے انہدام پر شدید احتجاج کیا حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا احترام کرتے ہوئے حکومت حجاز سے احتجاج کرے اور نجدی کارروائیوں کو رکوائے۔ غرض کہ مولانا نثار احمد کانپوری کی پوری زندگی عالم اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے گذری۔ آپ نے جب اور جس تحریک میں حصّہ لیا اس کے لئے بے پناہ قربانیاں دیں اور اپنی ذات کو قومی خدمات کے لئے وقف کر کے رکھ دیا۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس عظیم رہنما کو مورخین اور تذکرہ نگاروں نے بھلا دیا اور کبھی اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ اُن کی زندگی اور شخصیت سے نئی نسل کو روشناس کرایا جائے۔

۴ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء کو جب مولانا نثار احمد کانپوری کو اطلاع ملی کہ مولانا محمد علی جوہر لندن میں

---

[1] علماءِ ان پالیٹکس صـ ۲۹۱۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۷۴ء

بڑے لڑکے حکیم محمد احمد خان کو بلوہ کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ مگر ہمت نہ ہاری اور دشمن سے مقابلہ کرتے رہے۔ فساد کی آگ سرد پڑنے پر اہل شہر کے مشورہ سے پاکستان ہجرت کی اور ۱۵ر مئی ۱۹۵۰ء کو نہایت بے سروسامانی کے عالم میں لاہور پہنچے۔ لاہور میں مولانا ابوالحسنات مولانا غلام دین اور حکیم محمد حسن قرشی نے آپ سے بھرپور تعاون کیا، اور لاہور میں مطب شروع کرا دیا۔ مگر اجل آنکھ لگائے بیٹھی تھی۔ چنانچہ ۲۲ر اپریل ۱۹۵۱ء بروز اتوار صبح نو بجے ۷۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ گڑھی شاہو کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ علم میراث پر آپ کی ایک وقیع تصنیف زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے آپ کے صاحبزادے حکیم محمد احمد خان صوبہ سرحد کے مقام چارسدہ میں طبابت کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا معلومات موصوف نے ہی راقم الحروف کو فراہم کی ہیں۔

مولانا عبدالحق محدث پیلی بھیتی رح

مولانا عبدالحق کا شمار حضرت محدث سورتی رح کے لائق شاگردوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے نہایت کم عمری میں حضرت محدث سورتی سے تمام علوم کی تکمیل کی اور مدرسہ حافظیہ جامع مسجد پیلی بھیت میں مدرس مقرر ہوئے۔ پیلی بھیت کی پنجابی سوداگر برادری سے آپ کا تعلق تھا لیکن آپ نے تجارت اور حصول دولت کو اپنا شعار نہیں بنایا بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ علم دین کے فروغ میں مشغول رہے۔ عادات و اطوار میں اپنے استاد سے مشابہ تھے۔ اور حضرت محدث سورتی کے وصال کے بعد پیلی بھیت شہر میں آپ کو اپنے علمی تبحر کی بنا پر مرکزیت حاصل ہو گئی تھی۔ پیلی بھیت کے نامور بزرگ شاہ لطف اللہ میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ سے آپ کو خصوصی اُنس تھا یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر آپ اُن کے مقبرہ کے اندر اوراد و وظائف میں مشغول پائے جاتے۔ اس مقبرہ میں آپ نے شرح ملا علی قاری کے کئی نسخوں سے ایک مستند نسخہ مرتب فرمایا تھا۔ جس کے بعض مقامات پر حضرت محدث سورتی نے حواشی قلمبند فرمائے ہیں۔ یہ قلمی نسخہ مولانا وقارالدین پیلی بھیتی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور راقم الحروف نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔ اعلیٰحضرت عظیم

البرکت مولانا عبدالحق کو "محدث پیلی بھیت" کے لقب سے یاد فرماتے اور اکثر کہتے کہ مولانا عبدالحق کو دیکھ کر سلف وصالحین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ مولانا عبدالحق کا شمار محدث سورتی کے نہایت عزیز و لائق تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ تمام عمر درس نظامی کی تدریس میں مصروف رہے۔ صرف و نحو و حدیث پر اچھی مہارت تھی۔ ایک عرصہ تک مدرسۃ الحدیث میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ جامع مسجد پیلی بھیت کے مدرسہ میں پھر مدرسہ رحمانیہ پیلی بھیت اور پھر مدرسہ آستانہ شیریہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ نہایت خلیق و مہربان بزرگ تھے۔ شریعت کی پابندی اور سادگی قابل دید تھی۔ بعض اوقات آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ پائجامہ کا ایک پائنچہ نیچا دوسرا اونچا۔ پیر میں جوتے مگر دونوں مختلف۔ مگر جہاں عزت کا معیار علم و عمل ہو، وہاں دنیا بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

پیلی بھیت کے محلہ پنجابیاں کے آبائی قبرستان میں مدفون ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادے مولوی سراج الحق پیلی بھیت میں تجارت کرتے ہیں۔

مولانا عبدالحق کرگہنوی

مولانا عبدالحق کرگہنوی ولد حاجی قدرت علی رئیس کرگہنہ ۲۷ر ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ موضع کرگہنہ پرگنہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ قرآن حکیم اپنے والد سے پڑھا اور عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا سلامت اللہ رامپوری سے پڑھیں۔ جو اس وقت کرگہنہ کے ایک مدرسہ میں مسندِ درس و تدریس پر فائز تھے۔ حضرت محدث سورتی سے درس حدیث لیا اور ارشاد العلوم رامپور سے دستار بندی کرا کے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کو فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان سے شرف بیعت حاصل تھا۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ آپ کا وصال ۱۸ر اکتوبر ۱۹۳۶ء مطابق ۲۱ر رجب ۱۳۵۵ھ کو ہوا۔ حضرت محدث سورتی کے مقبرہ سے متصل قبرستان میں سپرد قبر کیا گیا۔ مولانا حامد رضا خاں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا عبدالحیّ پیلی بھیتی

مولانا عبدالحیّ حضرت محدث سورتی کے برادر خورد مولانا عبداللطیف سورتی تلمیذ مولانا عبدالحیّ فرنگی محلی کے خلف رشید تھے۔ پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور پھر اپنے چچا حضرت وصی احمد محدث سورتی کے مدرسۃ الحدیث میں داخل ہو کر تمام علوم تکمیل کی۔ ۱۳۲۳ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل پر سالانہ جلسۂ دستار بندی میں حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری نے دستار فضیلت زیب سر کی۔ آپ کے ہم سبق طلبہ میں مولانا امجد علی اعظمی المعروف صدر الشریعہ اور مولانا محمد شفیع بیسلپوری اور آپ کے برادر خورد مولانا عبدالرحمٰن کے نام قابل ذکر ہیں۔ مولانا عبدالحیّ کو شرف بیعت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں سے حاصل تھا تمام عمر مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت سے بحیثیت مدرس وابستہ رہے۔ آپ کی علمی لیاقت پر فاضل بریلوی اور حضرت محدث سورتی کو بڑا ناز تھا۔ مدرسۃ الحدیث سے ملحقہ بیلوں والی مسجد میں زمانۂ طالب علمی سے ہی امامت کے فرائض انجام دینے لگے تھے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لکھا ہے کہ مولانا عبدالحیّ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ اُن کے پیچھے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان نے کئی نمازیں ادا کیں جبکہ حضرت محدث سورتی اور مولانا عبداللطیف سورتی اکثر نمازیں ان کے ہی پیچھے پڑھتے تھے۔ بڑے دیندار اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ آپ کی شفقت اور محبت کا پورا شہر دلدادہ تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ پیلی بھیت میں مسلم لیگ کی ابتدائی تنظیم اور کامیابی میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ ساٹھ سال سے زائد عمر میں یکم جون ۱۹۴۰ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ ابو المساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی نے نماز جنازہ پڑھائی اور بیلوں والے قبرستان میں اپنے چچا حضرت محدث سورتی کے مقبرہ سے متصل سپرد قبر کئے گئے۔ مولوی عبدالعلی، مولوی عبدالغنی عرف دلّو میاں اور مولوی عبدالمغنی عرف برکات میاں اور رابعی آپ کے صاحبزادوں کے نام ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد دلّو میاں اور برکات میاں پاکستان آگئے تھے۔ دلّو میاں اپنے والد کی طرح صاحب تقویٰ اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے

اور حیدرآباد میں مقیم تھے۔ ۲۲ اگست بروز جمعہ ۱۹۶۹ء انتقال ہوا پرانا قلعہ حیدرآباد کے قریب واقع قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ حیدرآباد اور اندرون سندھ مریدین کی کثیر تعداد موجود ہے۔ برکات میاں کراچی میں مقیم ہیں۔ اور ملازمت کرتے ہیں۔ انہوں نے مولانا غلام جیلانی میرٹھی سے سند حدیث حاصل کی ہے۔

مولانا عبدالعزیز خاں محدث بجنوری

مولانا عبدالعزیز خاں ولد مولوی ظفریاب خان ضلع بجنور قصبہ گھنگھورہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور درس نظامی کی تکمیل مولوی احمد حسن امروہوی سے کی بعد میں حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پہنچے۔ اور صحاح ستّہ سے احادیث سنا کر سند حاصل کی۔ حضرت محدث سورتی آپ کی ذہانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو مدرسہ حافظیہ جامع مسجد پیلی بھیت میں بحیثیت مدرس مامور کیا۔ سنہ ۱۳۴۰ھ میں اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے وصال کے بعد جن کے آپ مرید و خلیفہ تھے۔ مولانا حامد رضا خان بریلوی نے مدرسہ منظر الاسلام بریلی طلب کیا۔ جہاں آپ تادمِ آخر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۸ رجمادی الاوّل سنہ ۱۳۶۹ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ مزار انجمنِ اسلامیہ بریلی کے قبرستان میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

مفتی عبدالقادر لاہوری

مفتی عبدالقادر لاہوری نے دورۂ حدیث کی تکمیل حضرت محدث سورتی سے کی تھی جس کا اظہار آپ نے فیض بخش ورفاع عام پریس سے سنہ ۱۳۳۰ھ میں شائع ہونے والے حضرت محدث سورتی کے رسالہ جامع الشواہد کی تقریظ میں کیا ہے۔ تلاش بسیار کے باوجود آپ کے حالات نہ مل سکے البتہ عقائد کی مختلف کتب پر موجود آپ کی تقریظات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ مدرسۃ غوثیہ عالیہ مسجد سادھواں لاہور سے بحیثیت مدرس ایک عرصہ تک وابستہ رہے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے بھی آپ کو حضرت محدث سورتی کا شاگرد لکھا ہے۔ امرتسر سے شائع ہونے والے اخبار

الفقیہ میں آپ کے مستقل مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ ۵ رمئی ۱۹۱۹ء کے شمارہ میں 'البرھان فی منع الدخان' کے نام سے آپ کا ایک طویل مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں آپ نے 'ما نھاکم عنہ فانتھوا' کی تشریح کی ہے۔ اس کے علاوہ ۵ راکتوبر ۱۹۱۹ء کے الفقیہ میں شراب کی تجارت، طالب علم اور مسافر، کی مسجد میں رہائش، اور دیگر مسائل پر فتوے شائع ہوئے ہیں۔

مولانا عبدالقدیر میاں پیلی بھیتی رح

مولانا عبدالقدیر میاں اپنے وقت کے معروف پیر طریقت حضرت عبدالبصیر میاں کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ۱۶ رجب المرجب ۱۳۱۰ھ کو تورڈھیر ضلع مردان صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک اپنے جد امجد سید رحیم اللہ میاں سے اور عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ سنبھل ضلع مرادآباد میں بھی تعلیم حاصل کی دورۂ حدیث کی تکمیل کے لئے مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور سند حاصل کی۔ آپ حضرت شاہ جی شیر میاں کے مرید و خلیفہ تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ کے ہزاروں مرید اور عقیدت مند موجود ہیں۔ ۱۴ رمحرم الحرام ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۷ رمئی ۱۹۶۴ء بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہوا اور درگاہ بصیریہ میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرشید میاں آپ کے خلیفہ و جانشین ہیں اکثر و بیشتر پاکستان تشریف لاتے رہتے ہیں۔

مولانا عزیز الحسن رح

مولانا عزیز الحسن پھپھوندوی ولد عنایت اللہ خاں قصبہ پھپھوند ضلع اٹاوہ میں پیدا ہوئے مولانا سید اخلاص حسین مودودی سے فارسی کی کل کتابیں اور درس نظامی کی عربی کتب متوسطات پڑھیں۔ مولانا سید مصباح الحسن پھپھوندوی کے ایما پر دورۂ حدیث کے لئے حضرت محدث سورتی نے چند کتب شروع کرا کے بریلی بھیج دیا جہاں مولانا امجد علی اعظمی انصاری مولانا رحم الٰہی سے تکملہ کر کے سند فراغت حاصل کی۔ اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل تھا۔ ۱۳۶۲ھ میں وصال فرمایا اور پھپھوند میں تدفین عمل میں آئی۔

علامہ قاری غلام محی الدین

علامہ قاری غلام محی الدین کا حضرت محدث سورتی کے آخری تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ آپ بیک وقت شیخ الحدیث، شاعر شیریں مقال، واعظ بے مثال اور پیر طریقت ہیں۔ حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے اور نواسے ہوتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت حافظ غلام جیلانی خطیب جامع مسجد پیلی بھیت ایک متبحر عالم دین اور حضرت شاہ جی محمد شیر میاں کے خلیفہ تھے۔ پیلی بھیت اور گرد و نواح میں آپ کی شخصیت کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ خصوصاً اعلیحضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رح سے ایک خاص نسبت تھی۔ اور دونوں بزرگوں کے درمیان برادرانہ مراسم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاندان کا آج بھی بریلی شریف سے روحانی رشتہ استوار ہے علامہ قاری غلام محی الدین کو پیدائش کے وقت حضرت شاہ جی شیر میاں نے اپنے لعاب دہن سے نوازا اور دعا دی کہ یہ بچہ قرآن حکیم کا ماہر اور متبحر عالم دین ہوگا۔ چنانچہ آپ نے دس سال کی عمر میں حفظ کر لیا اور لکھنؤ کے مدرسۃ فرقانیہ میں داخلہ لیکر قاری محمد نذیر رح سے تلمذ حاصل کیا اور نہایت کم عمری میں آپ کا شمار مشاہیر قراء میں ہونے لگا۔ قرأت کی تکمیل کے بعد آپ نے حضرت محدث سورتی کے مدرسۃ الحدیث میں داخلہ لیا۔ حضرت محدث سورتی نے موصوف کو میزان شروع کرا کے اپنے داماد حضرت مولانا محمد شفیع بیسلپوری رح کے سپرد کر دیا اور باقی کتابیں ان سے مکمل کیں۔ دوران تدریس حضرت محدث سورتی آپ پر خصوصی عنایت اور توجہ فرماتے تھے۔ کیونکہ نہایت ذہین اور حصول علم دین کی لگن سے سرشار تھے علامہ قاری غلام محی الدین کا بیان ہے کہ میری بسم اللہ بھی حضرت محدث سورتی نے پڑھائی تھی اس لئے مجھے روز اول سے ہی حضرت محدث سورتی سے تلمذ کا شرف حاصل ہے حضرت محدث سورتی کے وصال سے کچھ قبل آپ خیرآباد چلے گئے جہاں آپ نے مدرسہ نیازیہ میں جامع منقول و معقولات مولانا حکیم محمد بشیر خاں علیہ الرحمۃ (مدفون گولڑہ شریف راولپنڈی)

سے معقول و منقولات کی کتابیں پڑھیں۔ اور مدرسۂ عالیہ رامپور سے درس نظامی کی سند تکمیل حاصل کی۔ دورۂ حدیث کے لئے بریلی شریف حاضر ہوئے اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاںؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ مولانا امجد علی اعظمیؒ کا شمار بھی آپ کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ کیونکہ دورۂ حدیث کی تکمیل آپ نے اُن سے کی۔ علامہ قاری غلام محی الدین کا بیان ہے کہ میں واحد طالب علم تھا جس نے حضرت محدث سورتی سے کتابیں شروع کرکے اُن کے ہی شاگرد عزیز مولانا امجد علی سے تکملہ کیا اور دستار فضیلت حاصل کی۔

علامہ قاری غلام محی الدین کو حضرت شاہ جی شیر میاں کے خلفاء سیدنا حافظ النور علی، خلیفہ مقصود عالم خاں رامپوری، قاضی مہربان علیشاہ، اپنے والد ماجد حضرت حافظ غلام جیلانی اور مفتی اعظم ہند علامہ مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی سے اجازت و خلافت حاصل ہے اور پاک و ہند میں آپ کے بے شمار مریدین موجود ہیں۔

علامہ قاری غلام محی الدین نے درس و تدریس کا آغاز اپنے بھائی حکیم حبیب الرحمٰن پیلی بھیتی کے قائم کردہ مدرسۂ آستانِ شیریہ سے کیا اور پھر دادوں ضلع علیگڑھ میں نواب احمد جان کے مدرسہ میں مدرس ہو کر چلے گئے اور برسوں تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے آپ کے تلامذہ میں مفتی مسعود علی قادری مرحوم، مولانا تقدس علی خاں، مولانا اعجاز ولی خاں، حافظ رشید، قاری حافظ سخاوت حسین، اقبال احمد صدیقی اسسٹنٹ ایڈیٹر روزنامہ جنگ کراچی، نواب اکرم خاں شیروانی، مولانا اعجاز حسین، عبدالشاہد خاں شیروانی، (مصنف باغی ہندوستان) قاری امانت رسول پیلی بھیتی وغیرہم شامل ہیں۔

قاری غلام محی الدین مدظلہٗ العالی شعبان ۱۳۹۹ھ میں کراچی تشریف لائے تھے۔ اس مرقع پر راقم الحروف، جناب محمد یوسف طرب شمسی اور علامہ شاہ حسین گردیزی نے آپ کی یادداشتیں قلمبند کی ہیں۔ جو اہلِ علم کے لئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوں گی۔ قاری صاحب کا ان دنوں مستقل قیام ہلدوانی ضلع نینی تال میں ہے جہاں آپ نے اشاعت الحق کے نام سے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کر رکھا ہے اس کے علاوہ آپ پیلی بھیت میں بھی آستانِ

شیریہ پیلی بھیت کی دیکھ بھال کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ عربی فارسی اور اردو میں شعر کہتے ہیں۔ آپ کا بیشتر کلام نعتِ رسولِ مقبولؐ اور حمد و منقبت پر مشتمل ہے۔ نعتیہ اشعار پر مشتمل آپ کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں آپ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی مثنوی "رد امثالیہ" کی مختصر اردو شرح تحریر فرمائی ہے جو ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اشاعت الحق ہلدوانی سے شائع ہوتی ہے۔

حافظ محمد احسن کانپوریؒ

حافظ محمد احسن مولانا احمد حسن کانپوری کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ نے ابتدائی کتب اپنے والد سے پھر اپنے بڑے بھائی مولانا مشتاق احمد کانپوری سے پڑھیں دورۂ حدیث حضرت محدث سورتی سے پڑھا۔ اور تمام عمر چھوٹی عیدگاہ نئی سڑک کانپور میں امام و خطیب رہے۔ مولانا حکیم قاری احمد نے لکھا ہے کہ نہایت سادہ طبیعت پائی تھی۔ درمیانہ قد سانولا رنگ اور گٹھا ہوا جسم تھا۔ شہرت اور دنیا داری سے کوسوں دور تھے۔ یہی وجہ ہے گمنامی کے عالم میں رہے۔ قیام پاکستان کے بعد کانپور میں انتقال ہوا۔ آپ کے صاحبزادے مولانا شبیر احسن کانپور کے مقتدر علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اور چھوٹی عیدگاہ میں اپنے والد کی جگہ امام و خطیب ہیں۔ مولانا حکیم مومن سجاد کی پوتی، آپ کی اہلیہ ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں آپ پاکستان تشریف لائے تھے۔ راقم الحروف پر بے پناہ شفقت فرماتے ہیں۔

مولانا حافظ محمد اسمٰعیل محمود آبادیؒ

مولانا حافظ محمد اسمٰعیل محمود آبادی نہایت سادہ لوح انسان تھے۔ ریاست محمود آباد میں آپ کا خاندان میلاد خواں کی حیثیت سے بہت معروف تھا۔ آپ کے والد حافظ محمد علی مولانا سید خواجہ عبدالصمد پھپھوندویؒ کے مرید تھے۔ اور کوٹھی عثمان پورہ ضلع بارہ بنکی میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ حافظ محمد اسمٰعیل نے ابتدائی تعلیم مولانا خواجہ عبدالصمد پھپھوندوی سے

انتقال کر گئے تو آپ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور آپ نے فوری طور پر ہندوستان چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔
فروری ۱۹۳۱ء کے اوائل میں آپ ارادۂ حج سے نکلے اور زیارت مدینہ طیبہ و حج بیت اللہ سے فارغ
ہو کر اپریل کے آخری عشرہ میں جدہ کے مقام پر اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی جانب کوچ کر گئے۔
آپ کے انتقال کی خبر ہندوستان میں بڑے دکھ سے سنی گئی۔ مسجد بی جی بریلی، بیلوں والی مسجد
پیلی بھیت اور شاہی جامع مسجد آگرہ اور مسجد میاں محمد جان امرتسر کے علاوہ متعدد مقامات پر تعزیتی
جلسے منعقد ہوئے اور مولانا کی قومی و ملی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ امرتسر کے اخبار
"الفقیہ" نے مولانا کے انتقال کی خبر سیاہ حاشیئے اور "آفتاب علم و عمل غروب ہو گیا" کے جلی
عنوان کے ساتھ شائع کی اور لکھا کہ حضرت مولانا زبردست عالم فاضل اور نہایت ہی مخلص اور بے
تکلف بزرگ تھے۔ چند برسوں سے آپ کا معمول تھا کہ آپ ہر سال حج بیت اللہ و زیارت مدینہ طیبہ
کی نیت سے حجاز مقدس تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ مجھے حج کی بیماری ہے" آپ کو حجاز کی
مقدس سرزمین سے اس قدر عشق تھا کہ عموماً مکہ معظمہ سے مدینہ تک پیدل سفر کیا کرتے تھے آپکی
المناک وفات سے جماعت احناف کو بے حد نقصان پہنچا ہے۔ [1]

مولانا نثار احمد کانپوری کی کوئی مستقل تصنیف موجود نہیں مگر مختلف فتوٰی پر آپ کی
تصدیقات اور مختلف رسائل پر تقریظات موجود ہیں۔

حافظ یعقوب علی خاںؒ

حافظ یعقوب علی خاں ابن مولوی ولی خاں پیلی بھیت کے ایک معزز پٹھان گھرانے سے
تعلق رکھتے تھے۔ علم دین سے رغبت آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔ پیلی بھیت کے مشہور نابینا حافظ
قرآن مولوی کلن سے آپ نے قرآن حکیم حفظ کیا اور دورہ حدیث کی تکمیل مدرسۃ الحدیث
میں حضرت محدث سورتیؒ سے کی۔ آپ کا شمار پیلی بھیت کے نہایت خلیق بزرگوں میں ہوتا تھا حضرت
شاہ جی شیر میاں پیلی بھیتیؒ، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاںؒ، مولانا حبیب الرحمٰن پیلی بھیتیؒ اور مولانا
عبدالاحدؒ سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسۃ الحدیث

[1] :۔ اخبار الفقیہ امرتسر جلد ۹ شمارہ ۲۱ رمئی ۱۹۳۱ء

اور مدرسہ احمدیہ جامع مسجد میں قرآن پاک پڑھانا شروع کیا اور تمام عمر یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۲۷ محرم
۱۳۵۷ھ بمطابق ۳۰ مارچ ۱۹۳۸ء بروز چہار شنبہ آپ کا وصال ہوا۔ مولانا حبیب الرحمٰن
نے نماز جنازہ پڑھائی اور پیلی بھیت میں پرانی جامع مسجد موٹا پاکر والی کے باغ میں تدفین
عمل میں آئی۔ مولانا افتخار ولی خاں نے "حافظ یعقوب علی خاں" سے تاریخ وفات نکالی۔
۱۹۳۸ء

محدث سورتی کے دیگر تلامذہ

اس کے علاوہ جن علماء و مشائخ کو حضرت محدث سورتیؒ سے تلمذ حاصل تھا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں قاضی
تلمذ حسین پرنسپل ندوۃ العلماء، مولانا صفدر علی خان لشوری، حکیم سعید الرحمٰن خان پیلی بھیتی
مولانا حافظ محمد ابراہیم سورتی، مولانا عبد السبحان سورتی، حافظ شوکت علی رئیس اعظم پیلی بھیت
مولانا عتیق احمد امام جامع مسجد پیلی بھیت، حکیم محمود الرحمٰن خان، مولانا فضل حق رحمانی،
مولانا حفظ اللہ خاں پیلی بھیتی مدرس مدرسہ اہل سنت پٹنہ، مولانا عبد الرحمٰن سورتی پیلی بھیتی،
مولانا عبید الرحمٰن کانپوری عرف مولانا مٹھائی والے، مولانا حکیم محمد مصطفٰے امیر کٹی، مولوی
سرفراز احمد مرزا پور، حکیم مقصود حسن خاں، برادر بزرگ حکیم اقبال حسین، مولانا آزاد رحمانی، مولانا فاخر
الہ آبادی، قاری عبد الوحید عظیم آبادی مولانا عبد الجبار بہاری، مولانا سید عبد القیوم
اورنگ آبادی، ضلع بلند شہر، مولانا سید حسین احمد نغوڑی ضلع بجنور (خواجہ احمد رامپوری
کے یہاں درس دیتے تھے) مولانا محمد ظہیر احمد اودے پور میواڑ۔ مولانا صوفی محمد حسن بھوجا گاؤں
ضلع پورنیہ، مولانا عبد الجلیل برمی، مولانا محمد امین چائل ضلع الہ آباد۔ مولانا سید محمد
عمر خلیل پور پرگنہ نواب گنج ضلع الہ آباد۔ مولانا محمد قمر علی ہزاروی، حکیم عبد الحفیظ
لکھنوی۔ مولانا محمد عبد السلام گھوسی ضلع اعظم گڑھ، مولانا حاجی محمد عبد الجبار ڈھاکہ،
مولانا محمد رشید مردان، مولانا عبد اللہ پشاوری مولانا محمد مسعود سیالکوٹی، مولانا محمد
زماں خاں مدرس مدرسہ کانپور مولانا ولی الرحمٰن پوکھیروی۔ مولانا عبد الحکیم بلند شہری
مولانا ریاض الحق پیلی بھیتی۔ مولانا علی حسین قصبہ بارطی ضلع سیتاپور، مولانا امداد حسین
رامپوری، مولانا نور عالم سیتاپوری مولانا غلام حضرت خاں پیلی بھیتی۔ مولانا شاہ عبد القادر
قادری راندیری ضلع سورت اور مولانا نذیر الحق پٹنہ ضلع بہار۔

مولانا احمد حسن کانپوریؒ

استاذ زمن حضرت مولانا احمد حسن کانپوری ۳ صفر ۱۲۹۶ھ کو ڈسکہ ضلع حصار پنجاب میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مولانا جلال الدین رومی کی وساطت سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تک پہنچتا ہے۔ ابتداً حصول علم کی جانب کوئی رغبت نہ تھی چنانچہ سنِ بلوغت کو پہنچنے تک کچھ نہ پڑھ سکے بعد میں خیال آیا اور ابتدائی تعلیم اپنے برادرِ خورد حافظ موسیٰ اور اپنے والد مولانا عظمت اللہ سے حاصل کی اور تکمیل علوم کے لئے امرتسر ہوشیارپور، ملتان، پشاور، پانی پت، سہارنپور، مظفرنگر، لکھنؤ، چریاکوٹ اور خیرآباد کا سفر اختیار کیا۔ لیکن اطمینان قلب کانپور پہنچ کر حاصل ہوا۔ اور آپ استاذ العلماء حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے درس میں شامل ہوئے جو مدرسۂ فیض عام کانپور میں مسند درس و تدریس پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ جلد ہی تمام علوم و فنون کی تکمیل کر لی اور سہارنپور کے مدرسہ میں بحیثیت استاد مسند درس پر متمکن ہوئے۔ بعد میں مدرسۂ فیض عام میں چلے آئے اور تمام زندگی کانپور میں ہی درس و تدریس میں گذار دی۔ آپ کو ادلیں دوراں حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی سے قلبی لگاؤ تھا چنانچہ

ایک مرتبہ آپ نے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی لیکن حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ "احمد حسن تمہارا حصہ تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پاس ہے۔" چنانچہ آپ مکہ مکرمہ پہنچے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی انہی ایام میں آپ سے تعلم کے لئے کانپور پہنچے لیکن آپ مکہ معظمہ روانگی کے لئے تیار تھے چنانچہ پیر صاحب علی گڑھ پہنچے جہاں استاذ العلماء حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی مسند درس و تدریس پر فائز تھے۔ کئی سال کے بعد پاک پتن کے عرس میں مولانا احمد حسن کانپوری اور پیر صاحب کی ملاقات ہوئی۔ تو مولانا نے اظہارِ تاسف کرتے ہوئے کہا کہ کاش میں آپ کو چند اسباق پڑھا دیتا پیر سیّد غلام محی الدین گولڑوی سے "مہر منیر" میں روایت ہے کہ "میں نے کسی معمر بزرگ کو ایسی نورانی اور جاذب نظر شکل و شباہت کا نہیں دیکھا جیسے حضرت مولانا احمد حسن کانپوری تھے۔ شفاف گندمی رنگ، کشیدہ قامت، سفید ریش اور اعلیٰ درجے کی نفاست پسندی، گفتگو کے وقت گویا منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ اس شان علم پر اخلاص و انکسار بحید۔" مولانا فیض احمد فیض نے لکھا ہے کہ مولانا احمد حسن کانپوری کے نیاز کا ذکر فرماتے ہوئے قبلہ پیر سیّد غلام محی الدین گولڑوی کی طبیعت پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا کہ مولانا نے مکہ معظمہ نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مزار پر چھ ماہ قیام کیا اور ہر روز اپنی ریش مبارک سے مزار کو صاف کیا کرتے تھے۔ اپنے وقت کے استاذ الکل کی اپنے شیخ کے ساتھ یہ نسبت نیاز اور عقیدت آجکل کے علماء اور زعماء کے لئے مقام عبرت و نصیحت ہے۔ [۱]

مولانا احمد حسن کانپوری کی پہلی شادی پٹیالہ کے ایک رئیس کی صاحبزادی سے ہوئی جبکہ دوسری شادی مولوی عنایت حسین دہلوی کی صاحبزادی سے اور تیسری شادی لکھنؤ کے سیّد گھرانے میں ہوئی۔ پہلی بیوی سے مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا نثار احمد کانپوری مولانا عبدالرحمٰن، مولانا خلیل الرحمٰن نے نوعمری میں انتقال کیا دوسری بیوی سے مولانا حافظ

۱۔ مہر منیر ص

محمد احسن، آمنہ بی بی، عائشہ بی بی، اور حافظ محمد حسن، تیسری بیوی سے منور جہاں زوجہ شاہ عبد الرحیم سجادہ نشین کلیر شریف اور نور جہاں بیگم زوجہ برادر خورد شاہ عبد الرحیم، صاحبزادہ غلام معین الدین اور آفتاب جہاں نے نو عمری میں انتقال کیا۔)

حضرت محدث سورتی کے مولانا احمد حسن کانپوری سے نہ صرف معاصرانہ مراسم تھے۔ بلکہ آپ مولانا کے ہم زلف بھی تھے۔ کیونکہ مولوی عنایت حسین کی بڑی صاحبزادی لطیف النساء صاحبہ حضرت محدث سورتی کے عقد میں تھیں یہی وجہ ہے کہ مولانا احمد حسن کانپوری اور حضرت محدث سورتی چالیس سال تک رشتہ رفاقت میں پیوستہ رہے کسی بھی مرحلہ پر ایک دوسرے کے موقف سے اختلاف نہیں کیا۔ ندوۃ العلماء کی تنظیم کے ابتدائی ایام میں غیر مقلدوں نے ندوہ میں جو مفاسد پیدا کئے اُن کو دور کرنے کی جد و جہد میں مولانا احمد حسن کانپوری نے حضرت محدث سورتی اور مولانا احمد رضا خان سے مکمل تعاون کیا جس کا تفصیلی ذکر اعلیحضرت کے ملفوظات اور دیگر کتب میں موجود ہے۔ ۱۳۰۷ھ میں دیوبند کے ایک طالبعلم نے مسئلہ امکان کذب باری تعالیٰ سے متعلق آپ سے استفسار کیا جس کے جواب میں آپ نے ایک مبسوط رسالہ "تنزیہ الرحمٰن عن شائبۃ الکذب والنقصان" تحریر فرمایا جس پر مولانا لطف اللہ علیگڑھی نے تقریظ تحریر فرمائی۔ اس رسالہ کی اشاعت سے عقائد دیوبند پر بھاری ضرب پڑی۔ چنانچہ مولانا محمود الحسن (شیخ الہند) نے اس کے جواب میں ایک رسالہ "جہد المقل" لکھا جس کا جواب مولانا عبد اللہ ٹونکی نے رسالہ عجالۃ الراکب میں دیا ہے۔ مولانا احمد حسن کانپوری کی تصانیف میں قرآن مجید کی تفسیر (قلمی) شرح حمد اللہ، افادات احمدیہ، شرح ترمذی (قلمی) اور مثنوی مولانا روم کی شرح امدادیہ پر حاشیہ شامل ہے۔

۳ صفر المظفر ۱۳۲۲ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ مولانا شاہ محمد عادل نے نماز جنازہ پڑھائی اور سبا طی قبرستان کانپور میں سپرد قبر کیا گیا۔ حضرت مولانا کے شاگردوں کی کثیر تعداد کاشغر، شام، موصل، حلب، بخارا، افغانستان، مصر و عراق اور پاک و ہند میں پھیلی

ہوئی تھی جن کا فیض آج بھی جاری ہے۔ قاری عبد الرحمٰن الٰہ آبادی اور حضرت مولانا محمد غازی گولڑوی نے آپ سے چند اسباق کا درس لیا تھا۔ مولانا احمد حسن کانپوری کی حیات و خدمات پر راقم الحروف نے تفصیلی معلومات بذریعہ مکتوب حضرت کے نبیرہ حافظ شبیر احسن صابری سے حاصل کی ہیں جو کانپور میں مقیم ہیں اور حضرت کے فیض کو عام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

آپ کے نواسے ڈاکٹر مغیث فریدی دہلی یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے سربراہ اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں ایک اور نواسے معین فریدی عرف نواب میاں آگرہ میں مقیم ہیں اور درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں ایک نواسی محترمہ نفیس فاطمہ زوجہ قبلہ محمد اکرام فریدی حیدرآباد سندھ میں مقیم ہیں۔ راقم الحروف پر بے پناہ شفقت فرماتی ہیں جن کے بڑے صاحبزادے قدیر الاسلام فخری نے اردو میں ایم اے کیا ہے اور علامہ اقبال ہائی اسکول میں مدرس ہیں۔

اعلیحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رح

چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں جن علماء کرام نے مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ اور اسلام کو تفرقے سے بچانے کے لئے گرانقدر خدمات انجام دیں اُن میں اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا اسم گرامی سرفہرست آتا ہے۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور برصغیر میں اُس کے پیروکاروں نے سرکار دو عالم تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کو گھٹا کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جو مذموم تحریک شروع کی وہ تمام مسلمانوں کے لئے شدید غم و غصہ اور تکدر کا باعث تھی۔ مولانا شاہ فضل حق خیرآبادی۔ مولانا قطب الدین دہلوی، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا قاری عبد الرحمٰن پانی پتی، مولانا عنایت احمد کاکوروی، مولانا نقی علی خان بریلوی، اور اسی دور کے متعدد علماء کرام نے اس فتنہ کے خلاف علمی جہاد کیا اور مختلف موضوعات پر گرانقدر رسائل و کتب تصنیف فرما کر مقام مصطفیٰ کے

تحفظ کے لئے سعیِ بلیغ فرمائی لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد جب وہابی عناصر غیر مقلدین اور منکرین ختم نبوت کی شکل میں سامنے آئے۔ تو علماء کی ایک بہت بڑی تعداد اس ذہنیت و تحریک کے خاتمے کے لئے صف آرا ہو گئی۔ اس ضمن میں علمی سطح پر سب سے نمایاں خدمات اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے انجام دیں اور نہایت سختی کے ساتھ "اوصاف محمد" سے انکار کرنے والوں کو پابند فتویٰ کیا۔

اعلیٰحضرت عظیم البرکت عشق مصطفےٰ میں غرق اور مدحتِ مصطفےٰ میں فرد تھے۔ آپ نے نظم و نثر دونوں اصنافِ ادب میں وہ شہ پارے تصنیف فرمائے جو آج بھی مسلمانوں کے سینے عشقِ مصطفےٰ سے معمور رکھتے ہیں۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بریلی کے ایک محلہ جسولی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خان اور دادا مولانا رضا علی خان اپنے وقت کے عالم بے بدل تھے۔ اعلیٰحضرت نے ابتدائی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ سے اور باقی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ مولانا عبد العلی رامپوری سے بھی شرح چغمینی کے کچھ اسباق پڑھے اور تقریباً چودہ سال کی عمر میں اپنے والد سے سند فراغت حاصل کر لی۔

بچپن سے ہی اعلیٰحضرت کی ذہانت و ذکاوت کے چرچے عام تھے چنانچہ آپ نے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد ہی ایک سوال کے جواب میں فتویٰ تحریر فرمایا جس سے متاثر ہو کر آپ کے والد ماجد نے مسندِ افتاء آپ کے سپرد کر دی۔ اور پھر تادمِ آخر آپ فتویٰ نویسی فرماتے رہے۔ مولانا عبد الحکیم شرف قادری لکھتے ہیں کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ کے علم و نظر کی پختگی، نگاہ کی جولانی، استدلال کی قوت، تنقید کی شدت اور بے پناہ قوت فیصلہ کا اندازہ ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے آپ کے فتاویٰ کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔[۱]

اعلیٰحضرت عظیم البرکت اور حضرت محدث سورتی کی رفاقت تقریباً نصف صدی پر مشتمل ہے اگر یوں کہا جائے کہ یہ دونوں زعمائے ملت یک جان دو قالب تھے تو بیجا نہ ہو گا۔ اعلیٰحضرت

۱۔ یادِ اعلیٰحضرت ص ۲۳ مولانا عبد الحکیم شرف قادری۔ مکتبہ قادریہ لاہور

پر محدث سورتی سن و سال میں فوقیت رکھتے تھے لیکن اعلیٰحضرت کے علم و فضل کے ہر مقام پر معترف رہے۔ ہمیشہ اعلیٰحضرت کو واجب الاحترام سمجھا اور ہر معاملہ میں اعلیٰحضرت کی رائے اور فتویٰ کو فوقیت دی۔ یہ ان دونوں محسنین ملت کی باہمی رفاقت اور اخلاص کا ہی کرشمہ تھا کہ چودھویں صدی کی ابتداء میں علماء کی ایک ایسی مضبوط جماعت منظر عام پر آئی جس نے دین میں رخنہ اندازی کی ہر کوشش کا جرأت مندی سے مقابلہ کیا اور مسلک حقہ کی حفاظت میں اپنے روز و شب ایک کر دیئے۔ پیش نظر تذکرہ میں اعلیٰحضرت اور محدث سورتی کے مراسم اور مشترکہ کاوشوں کا متعدد مقامات پر کثرت سے ذکر موجود ہے جس سے قارئین کرام ان بزرگوں کے باہمی اخلاص و محبت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں اعلیٰحضرت اور محدث سورتی کی یہ دوستی اغیار کی آنکھوں میں مثل خار کھٹکتی تھی۔ چنانچہ علماء وہابیہ کے علاوہ علماء دیوبند نے بھی اکثر اپنی کتب و رسائل میں طنز کے تیر چلائے ہیں۔ مولوی اشرف علی تھانوی کے خلیفہ اور مشیر خاص مولوی محمد مرتضیٰ حسن دربھنگوی نے اپنے ایک مکتوب میں اعلیٰحضرت کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگر میری حالت کی پوری تحقیق منظور ہو تو اپنے وزیر اعظم مولوی وصی احمد صاحب سورتی سے دریافت کر لیجئے"[۱]

اسی رسالہ میں ایک اور مقام پر اسی شخص نے محدث سورتیؒ کو "چودھویں صدی اور بدعتیوں کا محدث" کہہ کر مخاطب کیا ہے لیکن اعلیٰحضرت عظیم البرکت اور حضرت محدث سورتیؒ نے جو لوجہ اللہ مسلک حقہ کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے ان تمام دشنام طرازیوں اور خرافات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اور اپنے کام کو جاری رکھا۔

حضرت محدث سورتی کے شاگردوں پر اعلیٰحضرت کی نظر انتخاب ہمیشہ رہتی یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت محدث سورتی کے شاگردوں کی اکثریت کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور اُن سے مسلک اہلسنت کی کماحقہ ترویج و اشاعت کا کام لیا۔ خصوصاً مولانا ضیاء الدین مدنی، مولانا ظفر الدین بہاریؒ، مولانا عبد الاحد پیلی بھیتیؒ، مولانا امجد علی اعظمی انصاریؒ، مولانا

۱۔ اسکات المعتدی ص ۱۴، مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند (یوپی) ۱۳۲۶ھ

محمد شفیع بیسلپوریؒ، مولانا محمد اسماعیل محمود آبادیؒ، علامہ سید محمد محدث کچھوچھویؒ، مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتیؒ، مولانا عبد الحق پیلی بھیتیؒ۔ اور مولانا سید سلیمان اشرفؒ وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

مولانا ظفر الدین بہاری نے اپنی کتاب "حیات اعلیحضرت" میں اور مولانا نسیم بستوی نے "اعلیحضرت بریلوی" میں حضرت محدث سورتی اور اعلیحضرت کی باہم رفاقت کے متعدد واقعات درج کئے ہیں۔ جن کو خوف طوالت سے یہاں درج نہیں کیا جارہا ہے۔

اعلیحضرت عظیم البرکت کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل سے اس قدر نوازا تھا کہ آپ نے کم و بیش پچاس علوم پر گرانقدر تصانیف قلمبند فرمائیں جن کو عرب و عجم کے علماء نے اعلیحضرت کی علمیت اور ہمہ دانی پر سند قرار دیا۔ اس کے علاوہ ۱۳۱۷ھ میں پٹنہ کے ایک اجتماع میں پاک و ہند کے علماء حق کی اکثریت موجود تھی۔ آپ کو مولانا عبد المقتدر بدایونی نے "مجدد مائۃ حاضرہ" کے خطاب سے مخاطب کیا جسکی تمام علماء نے تائید فرمائی۔[1]

اعلیحضرت کی مذہبی اور ملّی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور اس کو رقم کرنے کے لئے ایک علیحدہ تذکرہ کی ضرورت ہے کیونکہ برصغیر کی تمام قومی و سیاسی تحریکات میں آپ کا عمل دخل رہا ہے اور خصوصاً قیام پاکستان کے سلسلہ میں علمائے کرام نے جو خدمات انجام دیں وہ آپ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی کی مرہونِ منّت ہیں۔ اعلیحضرت کا وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بروز جمعہ دو بجکر ۳۸ منٹ پر ہوا۔ راقم الحروف نے نومبر ۱۹۷۹ء میں بریلی میں آپ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور آپ کے صاحبزادے مفتی اعظم حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ اعلیحضرت کی روح پاک سے خانوادۂ محدث سورتی کے رابطۂ عقیدت کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین۔

---

[1] دربارِ حق وہدایت

مولانا ارشاد حسین محدث رامپوریؒ

حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری تیرھویں صدی ہجری کے بزرگ ترین عالم اور محدث کامل تھے۔ آپ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا اور طلبہ دور دراز سے حصول علم کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے تھے اور نو وسائط سے آپ کا شجرۂ نسب حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔ آپ کے بزرگ سرہند پر سکھوں کی تعدی کے بعد بریلی آئے اور پھر رامپور پہنچے۔ مولانا ارشاد حسین رامپوری کی ولادت ۱۴؍صفر ۱۲۴۸ھ کو ہوئی۔ تکمیل علوم رامپور میں حضرت مولانا محمد نواب خان مجددی سے کی۔ تقریباً چالیس سال بلاسپور دروازہ پر واقعہ میاں خواجہ احمد کے مدرسہ میں درسِ حدیث دیا۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا سید دیدار علی محدث الوری۔ مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری۔ علامہ ظہور الحسین رام پوری۔ مولانا عبد الغفار رامپوری اور علامہ شبلی نعمانی قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں لکھا ہے کہ شبلی نعمانی کو حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری کی وسعت نظر۔ اصابت رائے اور مجتہدانہ ژرف نگاہی کا اعتراف ہمیشہ رہا اور اکثر بہ سبیل تذکرہ آپ کے کمالِ فہم و ادراک اور قوت تفقہ کے واقعات بیان فرماتے۔ مولانا ارشاد حسین نہایت متشدد حنفی تھے۔ مولوی نذیر حسین دہلوی کی کتاب "معیار الحق" کے جواب میں انتصار الحق لکھی اور علامہ شبلی کو بھی فقہ حنفی میں بہت غلو تھا۔ چنانچہ آپ نے بحیثیت استاد مولانا ارشاد حسین رامپوری کا انتخاب کیا۔[1]

مولانا ارشاد حسین رامپوری کو اُن کے تقریباً تمام معاصر علماء نہایت محترم رکھتے تھے۔ حضرت محدث سورتی کو بھی مولانا کی ذات سے ایک خاص تعلق تھا چنانچہ آپ اکثر و بیشتر رامپور تشریف لیجاتے اور حضرت مولانا سے نیاز حاصل کرتے دخترزادۂ حضرت محدث سورتی قبلہ حسن میاں نے راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ مولانا جب

---

[1] حیاتِ شبلی۔ ص ۷۹۔

بھی پیلی بھیت تشریف لے جاتے تو حضرت محدث سورتی رح کے مہمان ہوتے۔ حضرت محدث سورتی رح نے اپنی تحریروں میں اکثر مقامات پر مولانا ارشاد حسین رامپوری کا تذکرہ نہایت عقیدت احترام سے کیا ہے چنانچہ منیۃ المصلّی کی شرح التعلیق المجلّی میں ایک مقام پر آپ کا ذکر ان القاب و آداب کے ساتھ کیا ہے۔ وہہنا تحقیق شریف لقطب الارشاد المحدث النبیہ والفقیہہ الوجیہ سندنا العلامہ و مستند الفہامہ سیدنا و مولانا الشیخ ارشاد حسین الرامفوری۔[۱] مولانا ارشاد حسین رامپوری کے تلامذہ سے حضرت محدث سورتی کا تعلق آپ کی وفات کے بعد بھی برقرار رہا۔ اور آپ مولانا سلامت اللہ رامپوری شاگرد رشید مولانا ارشاد حسین رامپوری کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ مولانا ارشاد حسین رامپوری کا وصال ۱۵ رجمادی الآخر ۱۳۱۱ھ بروز پیر بوجہ مرض تپ محرقہ ہوا ـــــ "روضۂ منیر" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ راقم الحروف نے مولانا ارشاد حسین رامپوری اور ـــــ مولانا سلامت اللہ رامپوری کے شاگرد مولانا حشمت اللہ خان رامپوری سے نومبر ۱۹۷۶ء میں ملاقات کا شرف حاصل کیا اور اُن کی یادداشتیں قلمبند کیں۔ مولانا حشمت اللہ خان کراچی میں اپنے بڑے بیٹے عظمت اللہ خان کے ساتھ گوجرنالہ ناظم آباد پر عرصہ ۲۰ سال سے مقیم تھے۔ اور ۵ رجنوری ۱۹۷۹ء کو ۱۰۲ برس کی عمر میں آپ کا وصال ہوا سخی حسن نارتھ ناظم آباد کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔

حکیم خلیل الرحمٰن خان

طبیبِ حاذق حکیم خلیل الرحمٰن خان پیلی بھیت سے جانب اُتر ایک گاؤں موضع جگرولی کے رہنے والے تھے۔ آپ کے آباواجداد افغانی تھے۔ اور حافظ رحمت خان روہیلہ کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ حکیم خلیل الرحمٰن خان نے ابتدائی تعلیم پیلی بھیت اور بریلی میں حاصل کی اور پھر کانپور میں مولانا مفتی لطف اللہ علیگڑھی کے درس میں شاملِ ہو کر درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن

[۱] التعلیق المجلّی۔ ص ۱۷۵

کانپوری، اور مولانا محمد حسن سنبھلی بھی شامل ہیں۔ حضرت محدث سورتی سے آپ کے مراسم مدرسۂ فیض عام کانپور میں ہی استوار ہوئے اور پھر تادمِ مرگ یہ رشتہ استوار رہا۔ آپ نے جھوائی ٹولہ لکھنؤ میں حکیم عبدالعزیز سے تعلیم طب حاصل کی اور اپنے عہد کے نامور اطباء میں شمار ہوا۔[۱] اوریں دوراں حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے آپ کو بیعت اور خلافت کا شرف حاصل تھا۔ خاندانی رئیس ہونے کی بنا پر روہیلکھنڈ میں آپ کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اعلیحضرت مولانا احمد رضا بریلوی سے آپ کے خصوصی مراسم تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اعلیحضرت کی ہر آواز پر لبیک کہا اور بے خطر ہو کر مسلک اہلِ سنّت کی تبلیغ واشاعت میں حصّہ لیا۔ خصوصاً ندوۃ العلماء کی اصلاح اور تحریکِ ترک موالات کے دوران آپ نے دامے، درمے، سخنے اعلیحضرت کا ساتھ دیا۔ قاضی عبدالوحید عظیم آبادی نے ۱۳۱۷ھ میں عظیم آباد پہنچنے والے علمائے اہلسنّت کی شان میں جو قصیدہ "امالی الابرار" کے نام سے لکھا تھا اُس میں حکیم خلیل الرحمٰن کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

بِطِبٍّ خَلِیلُ رحمٰنِ التّقِیِّ
یُسْقِمُ فَقِیدَ صِحّتِہٖ فقد رد

۱۳۱۵ھ میں رسالہ تحفۂ حنفیہ کے پٹنہ عظیم آباد سے اجراء پر آپ نے ایک نظم کہی تھی جو یوں شروع ہوتی ہے۔

قبلہ کی طرف کو ہاتھ اٹھائیے، یارب خلیل کی دعا ہے
تحفہ رہے پٹنہ سے یہ جاری، دل کا مرے بس یہ مدعا ہے[۲]

آپ کے صاحبزادے حکیم سعید الرحمٰن خان اور حکیم محمود الرحمٰن خان حضرت محدث سورتی کے شاگرد عزیز اور نامی گرامی طبیب گذرے ہیں حکیم سعید الرحمٰن خان ایک عرصے تک میونسپل بورڈ پیلی بھیت کے چیرمین رہے۔ جبکہ حکیم محمود الرحمٰن خان حیدرآباد دکن میں شاہی معالج کے عہدے پر فائز تھے۔ حیدرآباد دکن کے ممتاز شاعر شاذ تمکنت جب ۱۹۷۹ء میں کراچی

[۱] رموز الاطباء جلد دوم ص ۔ [۲] تحفۂ حنفیہ ص ۔ جمادی الثانی ۱۳۱۵ھ

آئے تو راقم الحروف سے ایک ملاقات میں انہوں نے حکیم محمود الرحمٰن خاں کا ذکر کیا، اور بتایا کہ حکیم صاحب حیدرآباد کی ہر دلعزیز اور ادب دوست شخصیات میں شمار ہوتے تھے اور اکثر اُن کے مکان پر شعر و سخن کی محفل گرم رہتی تھی۔ حکیم خلیل الرحمٰن کے برادر زادے حکیم الحاج مولوی عبید الرحمٰن خاں بھی حضرت محدث سورتی کے شاگرد تھے۔ تمام عمر پیلی بھیت میں رہے۔ نہایت نفاست پسند خوش اخلاق اور پابند شرع تھے۔ علمائے اہلسنت آپ کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پیلی بھیت میں ہی اکتوبر ۱۹۵۸ء کو انتقال ہوا۔

ندوۃ العلماء کے ضمن میں علمائے اہلسنت کی جانب سے تحریر کیے جانے والے رسائل اور کتب میں حکیم خلیل الرحمٰن خاں کا بکثرت ذکر ملتا ہے۔ آپ کے وصال کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ حضرت محدث سورتی کے وصال کے وقت حیات تھے۔

مولانا سیّد دیدار علی محدث الوریؒ

مولانا سید دیدار علی محدث الوری کا شمار برصغیر پاک و ہند کے ممتاز محدثین میں ہوتا ہے۔ خصوصاً تقسیم سے قبل پنجاب میں مسلک اہلسنّت کے فروغ اور علم حدیث کی تدریس کے جو چراغ روشن کئے اُن سے آج بھی سرزمین پنجاب معمور و منور ہے۔ مولانا سیّد دیدار علی ابن سیّد نجف علی محلّہ نواب پورہ ریاست الور میں ۱۲۷۰ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد مشہد سے اودھ کے خطّہ بلگرام آئے اور پھر ریاست الور میں مستقل سکونت اختیار کی ابتدائی تعلیم اپنے چچا حضرت مولانا سیّد نثار علی الوری سے حاصل کی اور پھر دہلی پہنچے —— جہاں حضرت مولانا شاہ کرامت اللہ دہلوی کے علم کا چراغ روشن تھا۔ اور طلباء کی ایک کثیر تعداد مختلف بلاد و امصار سے تحصیل علم کے لئے آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوتی تھی۔ حضرت شاہ کرامت اللہ دہلوی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ بعض کتب کی تکمیل کے بعد —— استاذ العلماء حضرت مولانا سید ارشاد حسین رامپوریؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ اور اصولِ فقہ و معقولات کی تعلیم حاصل کی۔ اس دوران آپ نے کچھ کتابیں حضرت مولانا شاہ عنایت اللہ خاں رامپوری سے بھی پڑھیں ۔ آخر میں دورۂ حدیث کے لئے امام المحدثین حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری

کی خدمت میں پہنچے یہاں پر شیخ العارفین قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرّہٗ اور حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی سے مراسم کا آغاز —— ہوا۔ اور پھر تقریباً چالیس سال ان دونوں نفوس قدسیہ کے درمیان اخوت و محبت کا رشتہ قائم رہا۔ حضرت محدث سورتی اور مولانا دیدار علی محدث الوری کے درمیان ایک اور قدر مشترک اور رشتۂ باطن حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی کی ذات گرامی تھی۔ جن سے دونوں حضرات کو اجازت و خلافت کا شرف حاصل تھا۔ مولانا شاہ حسین گردیزی نے اپنی کتاب رجال السنۃ میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے ان تینوں ہم درس تلامذہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے مخزن برکات کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ "مغربی پاکستان میں سنیت کی نشاۃ ثانیہ کا سہرا حضرت سید دیدار علی محدث الوری کے سر بندھتا ہے"۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا یار محمد فریدیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر سید دیدار علیؒ لاہور آ کر درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع نہ کرتے تو سارا پنجاب وہابی مذہب قبول کر لیتا۔[1]

مولانا سیّد دیدار علی نے الور میں مدرسہ قوت الاسلام قائم کیا پھر آگرہ کے خطیب و مفتی مقرر کئے گئے ایک عرصہ تک جامعہ نعمانیہ لاہور میں مسند درس پر فائز رہے۔ مسجد وزیر خان لاہور کی خطابت قبول کی اور ۱۳۴۴ھ میں دار العلوم حزب الاحناف کی بنیاد ڈالی اور تادم آخر اسی مدرسہ میں علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ کے صاحبزادوں علامہ ابو الحسنات لاہوری اور استاذ المحدثین مولانا ابو البرکات سید احمد لاہوری نے ۲۲ رجب ۱۳۵۴ھ کو آپ کے وصال کے بعد اس علمی خدمت کا بیڑہ اٹھایا اور آج بھی یہ دار العلوم علامہ محمود احمد رضوی کی سرپرستی میں مسلک اہلسنت کے فروغ میں شب و روز مصروف ہے۔ راقم الحروف کو مئی ۱۹۷۸ء میں حضرت مولانا ابو البرکات سیّد احمد لاہوری سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ اور راقم الحروف نے حضرت محدث سورتی کے بارے میں حضرت مولانا سے معلومات حاصل کیں۔ اس موقع پر ممتاز مصنف اور مکتبۂ قادریہ لاہور کے ناظم مولانا عبد الحکیم شرف قادری اور دار العلوم نظامیہ رضویہ کے ناظم اعلیٰ مولانا مفتی عبد القیوم ہزاروی بھی موجود تھے۔

---

[1] مخزن برکات ص۸، رضاء المصطفےٰ چشتی۔ مطبوعہ مکتبہ مخزن برکات لاہور ۱۳۹۸ھ

حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیتی ؒ

پیلی بھیت کی سرزمین پر جو عارفانِ کامل اور صاحبانِ کشف و کرامات گذرے ہیں اُن میں حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیتی کو شہرت دوام حاصل ہے۔ آپ اہلِ مجاہدہ کے دائمی مشاہدہ میں مستغرق، طریقت خداشناسی کے سالک، بحرِ معرفت کے غواص، معاملات دنیوی سے بے نیاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شہرت تمام ہندوستان میں چشم زدن میں عام ہوئی۔ اور آپ کے فیوضات روحانی سے خلق خدا کی ایک بڑی تعداد مستفید ہوئی۔ بلکہ آج بھی آپکا مزار شریف طالبان حق کے لئے نشان منزل بنا ہوا ہے۔

حضرت شاہ جی شیر میاں ۱۲۲۰ھ مطابق ۲ر اپریل ۱۸۰۵ء کو پیلی بھیت کے ایک محلّہ منیر خاں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی محبت خاں تھا انہوں نے آپ کا نام احمد شیر رکھا، لیکن بعد میں محمد شیر کے نام سے مقبول ہوئے ابتدا میں آپ کو ورزش اور کشتی لڑنے سے رغبت تھی۔ اور کتابوں سے گریز کیا کرتے تھے۔ والد نے حصول علم کی جانب توجہ دلانے کی بہت کوشش کی مگر حضرت شاہ جی شیر میاں نے کسی قسم کی رغبت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ والد کے انتقال کے بعد آپ اپنی نابینا والدہ کا سہارا بنے۔ اور ہاتھی دانت و سینگ کی کنگھیاں بناکر فروخت کرنے لگے۔ والدہ کی خدمت آپ کا مشغلۂ خاص تھا۔ عالم استغراق میں بھی کبھی اس فرض سے غافل نہیں ہوئے۔

۱۲۴۰ھ میں حضرت سید احمد علی شاہ رامپور سے پیلی بھیت تشریف لائے اور آپ کی نظر حضرت شاہ جی شیر میاں پر پڑی۔ اور اپنا کام کرگئی۔ شاہ جی شیر میاں نے حضرت سید احمد علی کے دست فیض آثار پر بیعت کی اور بہت جلد خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت سید احمد علی اپنے وقت کے ولیٔ کامل گذرے ہیں۔ آپ حضرت شاہ جمال اللہ بغدادی نبیرۂ حضرت شیخ عبد القادر بغدادی جیلانی ؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ پیلی بھیت کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس پر ایک مرتبہ حضرت شاہ جمال اللہ بغدادی بھی تشریف لاچکے ہیں آپ کے ایک مرید و خلیفہ حضرت خواجہ نور الدین جامع مسجد پیلی بھیت کے امام و خطیب تھے۔ خواجہ صاحب کا انتقال

۱۲۰۸ھ میں ہوا۔ اور آپ کا مزار جامع مسجد کے شمالی منارہ کے نیچے موجود ہے۔[۱] حضرت سید احمد علی خواجہ اویس قرنی کی اولاد سے تھے۔ ایک سو گیارہ سال کی عمر میں آپ نے یکم محرم ۱۲۶۶ھ مطابق ۲۶ر نومبر ۱۸۴۹ء انتقال کیا۔ موچی بھٹ پورہ تحصیل بلاسپور رامپور، میں مزار آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ پیلی بھیت میں شاہ جی شیر میاں کے علاوہ شاہ نعمت اللہ میاں۔ شاہ سبحان اللہ شاہ میاں اور شاہ لطف اللہ شاہ میاں بھی آپ کے خلیفہ تھے۔ جن کے مزارات پیلی بھیت میں موجود ہیں۔ حضرت شاہ جی شیر میاں کے خوارق اور کرامات کا شہرہ دور دراز بہت جلد پھیل گیا تھا۔ اور خلق خدا آپ تک پہنچتی تھی۔ علماء میں مولانا ارشاد حسین رامپوری مولانا عبد الرحمٰن خان مالک مطبع نظامی کانپور، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی، مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری، مولانا سلامت اللہ رامپوری، اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور حضرت محدث سورتی سے آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ ممتاز شاعر اور مولوی اشرف علی تھانوی کے صحبت یافتہ جناب سوز شاہجہاں پوری نے راقم الحروف کو ایک مرتبہ بتایا کہ مولوی اشرف علی بھی ایک دفعہ حضرت شاہ جی شیر میاں کی خدمت میں حاضری کے لئے پیلی بھیت پہنچے لیکن حضرت نے آپ سے گفتگو نہیں کی۔ بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے رہے۔ بقول شاعر ؎ بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔

ندوۃ العلماء کے قیام کے بعد جب علماء اہلسنت نے ندوہ کی پالیسی سے اختلاف کیا تو بڑا شور مچا۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی آنریری مجسٹریٹ جو ندوہ کی وکالت میں بڑے سرگرم تھے تائیدِ ندوہ حاصل کرنے کی غرض سے حضرت شاہ جی شیر میاں کی خدمت میں پہنچے لیکن بقول حضرت محدث سورتی انہوں نے بھی خوب چٹکیاں لیں اور ناخوش لوٹے۔[۲]

حضرت شاہ جی شیر میاں کے خلفاء میں حضرت عبد البصیر میاں، حضرت بشیر میاں بریلوی حافظ انور علی شاہ رامپور، آپ کے بھانجے حاجی غلام جیلانی میاں،

---

[۱] محمد عتیق احمد صک۔ زبدۃ ذکر خیر مطبوعہ مطبع نظامی کانپور۔ ۱۳۲۷ھ

[۲] مکتوب بنام فاضل بریلوی ص ۱۱۰۔ مکتوبات علماء، مطبوعہ، بریلی ۱۳۶۲ھ

اور میاں مقصود عالم رامپوری وغیرہ کو قبولیت عام حاصل ہوئی۔ مولانا عتیق احمد نے لکھا ہے
کہ ایک دفعہ مولانا عبدالرشید خان نے وعظ میں سماع موتی کا انکار کیا اس پر قاضی خلیل الدین
حسن حافظ پیلی بھیتی نے اختلاف کیا۔ حاجی عزیز احمد نے بھی ان کی تقریر کو نہ سمجھا تو انہوں
نے تفسیر کی عبارت پڑھ کر سنائی تب بھی بات سمجھ میں نہ آئی چنانچہ وہاں سے سب لوگ جن میں
حضرت محدث سورتی اور حاجی سید الطیف خان بھی شامل تھے، شاہ جی شیر میاں کی خدمت میں
پہنچے۔ شاہ صاحب کو باہر آنے میں توقف ہوا کچھ دیر بعد اندر سے تشریف لائے تو ایک کتاب ہاتھ
میں تھی اور انگلی اوراق کے درمیان تھی۔ یہ خلاف معمول بات دیکھ کر سب کو تعجب ہوا۔ آپ نے
وہ کتاب اس جگہ سے کھول کر حضرت محدث سورتی کے حوالے کی اور کہا کہ اس کو پڑھیں۔ جب
پڑھا تو اس میں سماع موتی کی بحث تھی ^(۱) شاہ جی شیر میاں کی لاتعداد کرامات زبان زدِ خاص و
عام ہیں۔ راقم الحروف کو اکتوبر ۱۹۷۹ء میں آپ کے مزار پر حاضری اور سالانہ عرس میں شمولیت
کا شرف حاصل ہوا ہے۔

حضرت شاہ جی شیر میاں کا وصال ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو تپ لرزہ میں ہوا۔ آپ کی نماز
جنازہ مولانا سلامت اللہ رامپوری نے پڑھائی جبکہ تدفین میں روہیلکھنڈ کے نامی گرامی
علماء اور ہزاروں افراد شریک تھے۔

---

(۱) ۔ مولانا محمد عتیق احمد ص ۱۲ ریزۂ ذکر خیر: مولانا عتیق احمد حضرت محدث سورتی کے فاضل تلامذہ میں سے تھے اور جامع مسجد پیلی بھیت میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ تصنیف و تالیف سے گہرا شغف تھا۔ شعر خوب کہتے تھے۔ آپ نے ہجری سال کے مہینوں میں پیش آنیوالے تمام تاریخی واقعات پر مشتمل ایک نظم لکھی تھی جو تحفہ حنفیہ پٹنہ کی ۱۳۱۵ھ کی اشاعتوں میں قسط وار شائع ہوئی اس کے علاوہ آپ کے مضامین مختلف رسائل کے تراجم اور منظوم منقبتیں بھی معاصر رسائل میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ آپ کے وصال اور اہل خاندان کے بارے میں تلاش و جستجو کے باوجود کچھ پتہ چل نہ سکا۔

مولانا عبدالعلی آسی مدراسیؒ

مولانا عبدالعلی آسی مدراسی چتوڑ کے رہنے والے تھے۔ لیکن جوانی میں تحصیل علم کیلئے لکھنؤ
آگئے اور تمام عمر لکھنؤ میں ہی قیام کیا۔ آپ نے زیادہ تر درسی کتب مولانا الٰہی بخش فیض آبادی
سے اور بعض کتب مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی سے پڑھیں اور فقہ، حدیث، نحو اور علم لغت میں
کمال حاصل کیا۔ ابتداً آپ نے عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی کانپور کے یہاں کتبِ
دینیہ کی تصحیح و تحشیہ کی خدمت انجام دی اور اس فن میں پورے ہندوستان میں اپنی
مثال آپ قرار پائے۔ فن طباعت سے آپ کو خاص شغف تھا۔ چنانچہ لکھنؤ سے ۱۳۰۲ھ میں
اردو اور عربی کا ایک مشترکہ ماہنامہ رسالہ "البیان" جاری کیا جس نے عرب و عجم میں حد درجہ
مقبولیت حاصل کی۔ مہدی افادی نے افادات مہدی میں لکھا ہے کہ ملک میں عالمانہ اردو
کے ساتھ عربی لٹریچر کے مذاق کی تجدید کے لئے البیان کوشاں ہیں یہی وجہ ہے کہ ادبی رسالوں
میں یہ علانیہ ممتاز ہے۔ ^(۱)

جناب نادم سیتاپوری نے لکھا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا ادبی رسالہ تھا جس کو قبولیت
عام حاصل ہوئی۔ البیان کی ادارت کیلئے مولانا عبداللہ العمادی کو منتخب کیا گیا تھا جو اس زمانہ
میں عربی کے مانے ہوئے صحافی و ادیب تھے۔ البیان سات آٹھ سال تک جاری رہا۔ اب اس کے
فائل نایاب ہیں۔ ^(۲)

مولانا عبدالعلی آسی مدراسی —— نے البیان کے اجراء کے بعد لکھنؤ کے محلہ محمود نگر
میں مطبع آسی مدراسی کے نام سے ایک دارالاشاعت قائم کیا اور لیتھو پریس لگایا جو حسنِ
طباعت کے لحاظ سے اپنے عہد کا مشہور پریس تھا۔ اس مطبع کے مہتمم مولانا آسی کے صاحبزادے مولانا
عبدالولی تھے جبکہ آپ کے برادر خورد مولانا عبدالاول جونپوری بھی مطبع میں تصحیح و تحشیہ کا کام انجام دیتے
تھے۔ حکیم عبدالحیؒ رائے بریلوی نے نزہتہ الخواطر میں مولانا آسی کے مختصراً حالات درج کئے ہیں اور

---

(۱) افادات مہدی ص ۱۵۵ ۔ مہدی افادی۔
(۲) مضمون "البیان" مطبوعہ سہ ماہی بصائر، کراچی، اپریل ۱۹۶۳ء

ںھا ہے کہ "دینی کتب کی نشرواشاعت اُن کا عظیم کارنامہ ہے۔" حضرت محدث سورتی سے مولانا آسی کے بڑے دیرینہ مراسم تھے۔ کیونکہ مولانا آسی بھی متشدد حنفی تھے اور غیر مقلدوں کو فرقہ باطل تصور کرتے ہوئے ہمیشہ ان کی تکذیب فرماتے آپ نے ایک غیر مقلد غلام محی الدین کی فتنہ پرداز کتاب "الظفر المبین" کے جواب میں ایک کتاب "تنبیہ الوہابیین" تحریر فرمائی اور محدث سورتی کا فتویٰ جامع الشواہد اس کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع کیا۔ "تنبیہ الوہابیین" پر حضرت محدث سورتی نے منظوم تقریظ تحریر فرمائی تھی۔ جو یہاں من وعن درج کی جاتی ہے۔

تحریر بے نظیر و تقریر دلپذیر متضمن اثبات وجوب تقلید مع مواہیر علمای مشاہیر ہمچیرخانہ علامۂ وحید محدث عدیم النظیر فقیہ صاحب التنبیہ والتبکیت مولانا وصی احمد حنفی سورتی مدرس مدرسۂ پیلی بھیت

کہان ہین وہ شیدا ے نقل و روایت	کدھر ہین وہ اعدا ے عقل و درایت
کہان ہین وہ اصحاب دعوا ے سنت	کدھر ہین وہ ارباب فتوا ے ملت
جو کہتے ہین تقلید کو شرک و بدعت	اور اہل فقاہت کو اہل سفاہت
ذرا آئین دیکھین بعین بصیرت	کہ تقلید اور فقہ ہے عین سنت
اور اسپر ہے شاہد حدیث اور آیت	کہ تقلید ہرگز نہین شرک و بدعت
ہے تقلید واجب ز روے روایت	دلیل اسکی ہے بس حدیث اور آیت
ہے لازم یہون کی سراسر جہالت	کہ تقلید شخصی کو کہتے ہین بدعت
بھلا اہل تقلید ہون اہل بدعت	یہ قول انکا محمول ہے بر عداوت
عداوت ہے انکی سراسر شرارت	شرارت مین انکے بھری ہے ضلالت
بدی انکی عادت ہے شر انکی خصلت	فریب انکی خصلت ہے کید انکی عادت
ہے مدحت مین انکے گمان مذمت	مذمت مین انکے ہے ایہام مدحت
ایمہ پہ طعن انکی فہم و فراست	فقیہون پہ لعن انکی عقل و کیاست
مقلد ہین سب سالکین ہدایت	مقلد ہین سب عاملین روایت
یہ تقلید واجب ہے از راہ صحت	یہ تقلید ثابت ہے از روی حجت
یہ تقلید مفروض ہے بالبداہت	یہ تقلید مامور ہے بالروایت
یہ تقلید ایمہ کی ہے عین سنت	یہ تقلید ایمان کی ہے علامت

ہے تقلید خضر رہ دین و ملت	ہے تقلید ارشاد پیر طریقت
ہے تقلید اسلام کی عین حجت	ہے تقلید دین نبی پر دلالت
ہے تقلید واجب ز روی روایت	ہے تقلید ثابت ز راہ درایت
ہے تقلید سر منزل راہ سنت	ہے تقلید سرچشمۂ استقامت
ہے تقلید باغ و بہار ہدایت	ہے تقلید نقش و نگار سعادت
ہے تقلید منشاے ضبط شریعت	ہے تقلید فحواے ربط طریقت
ہے تقلید فتح در استخارت	ہے تقلید بال و پر استشارت
ہے تقلید خوکردۂ استکانت	ہے تقلید پروردۂ استمالت
ہے تقلید تعلیم ارباب حجت	ہے تقلید تفہیم اصحاب ملت
ہے تقلید بوے ریاحین خبرت	ہے تقلید گوے گریبان عبرت
ہے تقلید تاج سر استقامت	ہے تقلید بنیر استجابت
ہے تقلید دُرِّ محیطِ کرامت	ہے تقلید نور بسیط ولایت
ہے تقلید سنت پہ روشن دلالت	ہے تقلید مومن کی پاکیزہ خصلت
ہے تقلید تاکیدِ حکم رسالت	ہے تقلید تائید امرِ ہدایت
ہے تقلید مرقاتِ بام درایت	ہے تقلید مرآتِ روی روایت
ہے تقلید برہانِ دین و دیانت	ہے تقلید سلطانِ رشد و ہدایت
ہے تقلید آئینۂ حسنِ صورت	ہے تقلید گنجینۂ نقدِ سیرت
ہے تقلید مفتاحِ بابِ ارادت	ہے تقلید مصباحِ تابِ عبادت
ہے تقلید مستاصلِ شرک و بدعت	ہے تقلید مستحصل دین و ملت
ہے تقلید رسم و رہ اہل سنت	ہے تقلید آئین اہل دیانت
ہے تقلید کالشمس تجلو الانارۃ	ہے تقلید کالبدر فی الاستنارۃ
ہے تقلید فرض اور وجوب آیت	ہے تقلید کی دین مین بس ضرورت
ہے تقلید ریحان و روح ولایت	ہے تقلید سرو ریاضِ ریاضت
ہے تقلید اسلامیون کی علامت	ہے تقلید ایمانیون کی شہادت
ہے تقلید معمولِ حاملِ سنت	ہے تقلید موصولِ واصلِ بقربت
ہے تقلید مسلم کی راہ سلامت	ہے تقلید مومن کی ایمانی الفت

وصی بس کر اب مدح کی کیا ہو حاجت　　کہ اسی نے خود کی ضیبے مین مدحت
وہ اسی کہ نبراسِ انوارِ وحدت　　وہ اسی کہ قسطاس اسرارِ حکمت
وہ اسی کہ برہم زن شرک و بدعت　　وہ اسی کہ رونق دہ دین و ملت
وہ اسی کہ ہو شمع بزم ذہانت　　وہ اسی کہ ہو لمع رزم فطانت
وہ اسی کہ کشاف رمز عبارت　　وہ اسی کہ حلالِ عقد اشارت
وہ اسی کہ دانائے حکم شریعت　　وہ اسی کہ بینائے راز طریقت
وہ اسی کہ سباح دریائے جودت　　وہ اسی کہ سیاح بیدائے فطنت
وہ اسی کہ ہو صدرِ ایوانِ خلوت　　وہ اسی کو ہو بدر رخشان جلوت
وہ اسی کہ شمس الضحائے فصاحت　　وہ اسی کہ بدر الدجائے بلاغت
وہ اسی کہ ہو جامع فقہ و سنت　　وہ اسی کہ ہو قامع شرک و بدعت
وہ اسی کہ تقلید واجب کی آیت　　بتا دی دکھا دی حدیث اور روایت
وہ اسی کہ تقلید کو عینِ سنت　　کیا ثابت از روئے برہان و حجت
پس اب بھی نہ مانیں جو اہل روایت　　تو ہرگز نہ پائیں گے راہ ہدایت
نہ دیکھیں گے آنکھوں سے روی حقیقت　　سنیں گے نہ کانوں سے رائی اصابت
ہو ان جاہلوں کی جہالت پہ فطرت　　ہو بد نیت انکی بدی انکی طینت
نہ مانیں گے جب یہ کسی کی نصیحت　　وصی کیا کرے کوئی انکو وصیت

مولانا عبد العلیٰ آسی مدراسی کو شعر گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ خصوصاً غیر مقلدوں کے رد میں آپنے عدیم النظیر نظمیں تحریر فرمائی ہیں۔ آپ کا کوئی شعری مجموعہ ہر چند شائع نہیں ہوا۔ لیکن "تنبیہ الوہابیین" میں اکثر مقامات پر آپ کی شاعری کے نمونے موجود ہیں۔ مولانا آسی کا وصال ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء لکھنؤ میں ہوا۔ تصانیف: التبصرۃ الانتظامیہ فی الدروس الثمانیہ۔ تبصرۃ الحکمتہ فی حفظ الصحت۔ تکملۂ واجب الحفظ۔ حل التعاریف المشکلہ۔ میزان اللسان۔ تنبیہ الوہابیین وغیرہ۔

شیخ الاسلام مولانا عبد القادر بدایونی رح

شیخ الاسلام مولانا عبد القادر بدایونی کا شمار برصغیر پاک و ہند کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے تیرھویں صدی ہجری کے اختتام اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں ناقابلِ فراموش ملی و مذہبی خدمات انجام دیں۔ خصوصاً ترک تقلید کے فتنہ کے استحصال اور مفسدات ندوۃ العلماء کی اصلاح کے ضمن میں آپ شب و روز معروف رہے مقام صحابہؓ کے تحفظ کے سلسلہ میں بھی آپ نے متعدد رسال قلمبند فرمائے۔ آپ سیف المسلول حضرت مولانا شاہ فضلِ رسول رح بدایونی کے صاحبزادے اور حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی رح کے شاگرد عزیز تھے۔ ۱۷ رجب ۱۲۵۳ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ "شیخ الاسلام فی الہند" سے آپ کی تاریخِ ولادت نکلتی ہے۔ محب رسول جزوی نام قرار پایا۔ علامہ فضلِ حق خیرآبادی رح کے شاگردوں میں استاذ العلماء علامہ ہدایت اللہ خان رامپوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری رح شمس العلماء حضرت علامہ عبد الحق خیرآبادی رح اور مولانا عبد القادر بدایونی عناصر اربعہ تصور کئے جاتے تھے۔ علامہ محمود احمد قادری نے تذکرۂ علماء اہلسنت میں لکھا ہے کہ علامہ عبد الحق خیرآبادی آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ ہر تلامذہ کسی خاص فن میں یکتائے عصر اور وحید روزگار ہیں لیکن مولانا عبد القادر بدایونی کا تبحر اور جامعیت تمام علوم و فنون میں ہے۔ مولانا عبد القادر بدایونی کے حضرت محدث سورتی سے خصوصی مراسم تھے یہی وجہ ہے کہ دونوں حضرات کم و بیش پچیس سال شیر و شکر رہے۔ حضرت محدث سورتی سے غیر مقلدوں کے خلاف فتویٰ جامع الشواہد لکھوائے اور پھر اس کی عرب و عجم میں تشہیر کے سلسلہ میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ اس کے علاوہ ندوۃ العلماء کے قیام اور اس کی اصلاح کے سلسلہ میں آپ کی خدمات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں اعلیحضرت فاضل بریلوی سے بھی آپ کے بے پناہ دلی مراسم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فاضل بریلوی نے آپ کی ذات سے محبت کو علامت اسلام قرار دیا ہے۔ اور آپ کی شان میں قصیدہ چراغ انس میں یوں فرمایا ہے۔

سنیت سے پھرا ہدیٰ سے پھرا ‏ ‏ ‏ اب جو تجھ سے پھرا محب رسول
آج قائم ہے دم سے ترے ‏ ‏ ‏ دین حق کی بنا محب رسول

شیخ الاسلام کو ابتداء ہی سے درس و تدریس سے خصوصی شغف تھا۔ نہایت توجہ اور انہماک سے آخر دم تک تعلیم دیتے رہے۔ مولانا محب احمد بدایونی، مولانا فضل احمد بدایونی، مولانا فضل مجید بدایونی، مولانا حافظ بخش بدایونی، مولانا شاہ عبد الصمد مودودی چشتی سہسوانی مولانا محمد حسن سنبھلی آپ کے نامور تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی تصانیف بکثرت ہیں۔ جن میں حقیقۃ الشفاعۃ۔ شفاء السائل، سیف الاسلام، ہدایت الاسلام، عقائد الاسلام اور تاریخ بدایوں زیور طبع سے آراستہ ہو کر شہرتِ دوام حاصل کر چکی ہیں۔ ایک کتاب آپ نے حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے ضمن میں تصحیح العقیدہ فارسی میں تصنیف فرمائی تھی جس کا اردو میں ترجمہ دار العلوم نعیمیہ فیڈرل بی ایریا کے استاذ مولانا شاہ حسین گردیزی نے کیا ہے۔

مولانا عبد القادر بدایونی کی وفات ۱۷ر جمادی الآخر ۱۳۱۹ھ کو مختصر علالت کے بعد ہوئی۔ اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبد الکریم گنج مراد آبادیؒ

حضرت مولانا شاہ عبد الکریمؒ جالندھر کے سید گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ علم دین کے حصول کی تمنا میں جالندھر سے ترک مکانی کر کے بدایوں اور سہسوان پہنچے لیکن اطمینان قلب نصیب نہ ہوا۔ چنانچہ گنج مراد آباد آئے اور اسی دوران حضرت شاہ فضل رحمانؒ کی خدمتِ عالیہ میں حاضری دی۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے اسی چوکھٹ کے ہو کر رہ گئے۔ حضرت شاہ فضل رحمان آپ پر حد درجہ عنایت فرماتے اور ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھتے۔ مولانا عبد الکریم صاحب نے (جو شاہ فضل رحمانؒ کے حلقہ مریدین میں "چھوٹے بابا" کے نام سے معروف تھے) ایک عرصہ تک حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں سلوک طریقت کی منزلیں اور عروج معرفت کے درجے طے کئے۔ تفسیر و حدیث

کی کتابیں پڑھیں اور سند اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کو اپنے خصوصی اوراد و وظائف کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ عبد الکریم ظاہر و باطن میں اپنے مرشد کی مثل قرار پائے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی نواسی صدیقہ بی بی آپ کے عقد میں دیں۔ اور خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے شریک بیعت کیا۔ مولانا حکیم قاری احمد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ حضرت عبد الکریم گنج مراد آبادی اپنے وقت کے زبردست عالم۔ زاہد۔ متقی اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ اور اوراد و وظائف کا سلسلہ آپ کا مشغلہ خاص تھا۔ بزرگی و وقار، عظمت و جلال اور انس و محبت آپ کے مخصوص اوصاف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فتوحات دنیا سے بھی نوازا تھا۔ زمینداری اور باغات کی دیکھ بھال فرماتے جب تک اعضاء نے ساتھ دیا ہفتہ میں ایک مرتبہ نماز فجر کے بعد باغات تشریف لے جاتے اور باغ میں ایک ایک درخت پر ایسی محبت کی نظر ڈالتے جیسے باتیں کر رہے ہوں۔ اپنے مرشد سے اس قدر عقیدت و محبت تھی کہ شام کے وقت اکثر مرشد کے مزار پر دیر تک سر جھکائے کھڑے رہتے۔ آپ کے فیوضات ظاہری و باطنی کا دور و نزدیک شہرہ تھا اور ہزاروں مریدین روزانہ آپ کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ حضرت محدث سورتی کو آپ سے خصوصی اُنس تھا اور وہ اکثر اپنے مرشد کے وصال کے بعد شاہ عبد الکریم کی خدمت میں حاضری دیتے اسی تعلقِ خاطر اور قلبی لگاؤ کی بناء پر حضرت شاہ عبد الکریم نے اپنی بڑی صاحبزادی حضرت محدث سورتی کے صاحبزادے مولانا عبد الاحد کے عقد میں دی تھیں۔ آپ نے ۲۷ر ربیع الاول ۱۳۴۹ھ گنج مراد آباد میں وصال فرمایا اور اپنے آموں کے باغ میں دائمی سکون حاصل کیا۔ مزار مبارک کے تکیہ پر "قدمات فی حب رسول اللہ" کندہ ہے۔

آپ کی اولاد کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ حمیدہ خاتون زوجہ مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی مولانا عبد الحلیم عرف حلو میاں سجادہ نشین گنج مراد آباد، صفیہ خاتون زوجہ حکیم سید منظور علی

مرحوم مقیم کوئٹہ بلوچستان، حبیبہ خاتون زوجہ سیّد معصوم علی مرحوم مقیم ناظم آباد کراچی
مولانا فضیل الرحمٰن مرحوم، نفیسہ خاتون مرحومہ زوجہ مولانا عبدالحکیم میرٹھی مرحوم۔
عتیقہ خاتون مرحومہ زوجہ سید اوصاف علی مقیم عزیز آباد کراچی۔ نعیمہ خاتون زوجہ عبدالکریم
مرحوم مقیم آگرہ، مولانا ضیاء العبید مقیم گنج مرادآباد، پروفیسر سراج الآفاق مقیم
نارتھ ناظم آباد کراچی۔

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی ؒ

قبلۂ عالم حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی کی ولادت یکم رمضان المبارک سنہ ۱۲۷۵ھ
کو ہوئی آپ کا شجرۂ نسب ۲۵ واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی ؒ تک اور ۳۶
واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن ؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ اپنے علم اور تقویٰ کی بناء پر
برصغیر پاک و ہند میں مجدّد کامل اور ولی آخر قرار پائے۔ علوم قرآنی اور اوصاف طریقت
سے آپ کی ذات کچھ اس طرح معمور تھی کہ دور و نزدیک آپ کا شہرہ تھا۔ مولانا رحمت اللہ
کیرانوی اور مولانا فضل حق رامپوری جیسے علماء و فضلا آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ اور
آپ کو جامع العلوم قرار دیا۔ حضرت محدث سورتی سے بھی اختلاف سن و سال کے باوجود آپ
کے مراسم بڑے دیرینہ تھے۔ اور حضرت محدث سورتی آپ کی نہایت تعظیم فرمایا کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۹۵ھ
میں جب حضرت محدث سورتی سہارنپور میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے سند حدیث لینے
پہنچے تو حضرت پیر سید مہر علی شاہ بھی محدث سہارنپوری کے درس حدیث میں شامل تھے۔ اور اسی
مقام پر ان دونوں صاحبانِ فضیلت کے درمیان رسم و راہ پیدا ہوئی۔ محدث سورتی کے نبیرہ
مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی جن کو پیر صاحب سے شرف بیعت حاصل تھا لکھتے ہیں کہ ربیع الاول
سنہ ۱۳۵۰ھ میں میرے قیام گولڑہ شریف کے دوران حضرت قبلہ عالم نے دربار عام میں حاضرین
سے میرا تعارف کراتے ہوئے فرمایا۔ میں سہارنپور کے مدرسہ میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری
سے حدیث پڑھا کرتا تھا ہم درس ساتھیوں میں مولانا وصی احمد محدث سورتی میرے کمرے کے

برابر الگ حجرے میں اپنے چھوٹے بھائی مولانا عبداللطیف کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ میری عادت
تھی کہ میں ہر جمعرات اپنے کمرہ میں آہستہ آہستہ گھڑا بجا کر گنگنایا کرتا تھا۔ محدث سورتی اپنے
حجرے میں تھوڑی دیر تو سنتے رہتے اور اس کے بعد ہاتھ میں ایک لکڑی لئے ہوئے میرے
کمرے میں داخل ہوتے اور پھر لکڑی مار کر میرا گھڑا توڑ دیا کرتے۔ یہ سلسلہ مہینوں جاری
رہا۔ نہ میں نے اپنا طریقہ بند کیا اور نہ مولانا نے میرا گھڑا توڑنا چھوڑا۔ مگر اس کے باوجود ہمارے
ان کے تعلقات اور محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ [1] [2]

حضرت پیر مہر علی شاہ سے حضرت محدث سورتی کی ایک اور ملاقات انجمن نعمانیہ کے سالانہ
اجلاس منعقدہ سنہ ۱۹۱۲ء میں بھی ثابت ہے۔ جس میں ان دونوں صاحبان فضیلت نے تقاریر
کی تھیں۔ ان دونوں اصحاب علم و عمل نے اپنے اپنے علاقے میں مسلک اہلسنت کی ترویج و
اشاعت اور تحفظ ختم نبوّت کے ضمن میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ حضرت پیر مہر علی
شاہ نے ایک عرصہ تک "مرزا قادیانی" کی لغویات کا تعاقب کیا۔ اور ہر مقام پر اسے ــــ
شدید ذلّت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ چودھویں صدی ہجری کی ابتدا میں متحدہ ہندوستان
میں صرف پیر صاحب کی ایک ایسی ذات گرامی نظر آتی ہے جس نے کھل کر قادیانیت کی مخالفت کی اور
اس مرض مذموم کو پھیلنے سے روکنے کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کیں۔ اس کے علاوہ محکوم
ہندوستان کی تمام تحریکوں میں آپ بلاواسطہ یا بالواسطہ سرگرم عمل رہے۔ قبلۂ عالم پیر صاحب
کے علم سے چودھویں صدی کے تقریباً تمام علماء و دانشور نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ انہوں نے بقدرِ
ظرف استفادہ بھی کیا۔ آپ کا ۸۱ سال کی عمر میں ۲۹ صفر المظفر سنہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی سنہ ۱۹۳۷ء
بروز شنبہ بوقت عصر اسم ذات کا ورد کرتے ہوئے وصال ہوا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ کی تصانیف میں تحقیق الحق فی کلمۃ الحق۔ شمس الہدایۃ فی اثبات

---

[1] ماہنامہ پیام حق کراچی ص ۱۷، شمارہ جون سنہ ۱۹۶۸ء

[2] سماع کے متعلق حضرت پیر صاحب کا مسلک آپ کی سوانح حیات مہر منیر سے واضح ہے ویسے
ابتداء میں بوجہ غلبۂ حال اس طرف زیادہ توجہ رہی آخر میں کافی حد تک مروجہ مجالس سماع کے
انعقاد سے با ایں وجہ احتراز فرماتے تھے کہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے بعض نا اہل ناجائز فائدہ اٹھانے لگے۔

حیات المسیح ۔ سیف چشتیائی ۔ اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اُھلّ بہ لغیر اللہ ۔ الفتوحات الصمدیہ تصفیہ مابین سنی و شیعہ ۔ جیسی نادر روزگار کتابیں شامل ہیں ۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی مسئلہ زمان و مکاں پر آپ سے رہنمائی حاصل کی ۔

حضرت محدث سورتی کے وصال کے بعد بھی پیلی بھیت کا گولڑہ شریف سے روحانی رابطہ قائم رہا اور آپ کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری پیلی بھیتی برابر گولڑہ شریف حضرت پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور پھر اپنے صاحبزادے مولانا حکیم قاری احمد کو روحانی فیوض و برکات سمیٹنے کے لئے حضرت پیر مہر علی شاہ کی خدمت میں بھیجا ۔ اور آج بھی اس خاندان کی گولڑہ شریف سے عقیدت و محبت اپنی جگہ برقرار ہے راقم الحروف کو حضرت پیر غلام محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے حضرت شاہ غلام معین الدین مدظلہٗ العالی اور حضرت شاہ عبدالحق مدظلہٗ العالی کی خدمت میں متعدد بار حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے ۔ راقم الحروف اس عظیم روحانی خانوادے سے اپنی روحانی وابستگی پر نہ صرف فخر مند ہے بلکہ گولڑہ شریف کی حاضری کو کارِ آخرت تصور کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس روحانی تعلق کو آئندہ نسلوں تک قائم و دائم رکھے ۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی ؒ ایک وسیع السلسلہ بزرگ تھے آپ کے متوسلین و مریدین میں دیوان غیاث الدین اجمیری ، دیوان سید محمد پاکپتن ، مولانا قاضی قطب الدین کشمیری ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی ، مولانا فضل حق رامپوری ، مفتی عبدالکافی کانپوری ، مولانا محمد غازی مہاجر مکی ، مولانا غلام محمد گھوٹوی ، مولانا فیض احمد چشتی ، مولانا محمد حسن فیضی ، مولانا محمد دین بدوی مولانا عبدالغفور ہزاروی ، قاضی عطاء الرسول بدوی ، قاضی قدرت اللہ پشاوری ۔ مولانا قائم علی چشتی ، مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی ۔ مولانا محب النبی کیمبلپوری ، استاذ العصر مولانا عطا محمد بندیالوی ، استاذ العرب قاری عبداللہ مکی ، استاذ العجم قاری عبدالرحمٰن الٰہ آبادی ، قاری غلام محمد پشاوری و قاری عبدالرحمٰن جونپوری کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں ۔

حاشیہ مدارک

ماوراء النہر کے شہر نخشب کے رہنے والے علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی ، (م ۷۱۰ھ) کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے معروف فقہا و علماء میں ہوتا ہے ۔ آپ نے قرآن حکیم کی ایک نہایت معتبر تفسیر مدارک التنزیل کے نام سے تصنیف فرمائی جس کو اہل علم کے درمیان شہرت دوام حاصل ہوئی ۔ برصغیر کے علماء نے بھی اس تفسیر کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے حواشی بھی تحریر کئے ۔ خصوصاً مذہبی مدارس کے طلبہ کے لئے اس کی افادیت کو تسلیم کیا گیا ۔ حضرت محدث سورتی نے مطبع نظامی سے شائع ہونے والی اس تفسیر پر سنہ ۱۳۰۲ھ میں ایک مختصر حاشیہ تحریر کیا تھا جیسا کہ مدرسۃ الحدیث کی از سرِ نو تعمیر کے سلسلہ میں سنہ ۱۳۴۲ھ میں شائع ہونے والے ایک اشتہار میں محدث سورتی کی تصانیف کے ضمن میں اس حاشیہ کا ذکر موجود ہے ۔ راقم الحروف کو ہند و پاک کے متعدد کتب خانوں میں باوجود تلاش بسیار اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا ۔

حاشیہ بیضاوی (قلمی)

ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی (م: ۶۸۵ھ) کی معرکتہ الآرا تفسیر "انوار التنزیل واسرار التاویل" تفاسیر قرآنی میں ایک اہم مقام کی حامل ہے۔ یہ تفسیر اپنے اصل نام سے کم اور تفسیر بیضاوی کے نام سے زیادہ معروف ہے اور درس نظامی کے نصاب کی اہم کتاب شمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر اور مصر کے مدارس میں عام طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ بیضاوی نے یہ تفسیر اپنے شیخ محمد بن محمد کے ایماء پر تالیف کی اس کی بنیاد علامہ جار اللہ زمخشری کی "تفسیر کشاف" پر ہے چنانچہ جگہ جگہ علامہ بیضاوی نے زمخشری کے اعتزال پر شدید گرفت کی ہے۔ تفسیر بیضاوی پر برصغیر پاک وہند کے علماء نے بکثرت حواشی تحریر کئے ہیں جن میں مولانا مصلح الدین لاری۔ ابوالفضل گازرونی (م ۹۵۹ھ) شیخ محمد احمد آبادی (م ۹۸۲ھ) علامہ وجیہہ الدین علوی (م ۹۹۸ھ) قاضی نوراللہ شوستری، مولانا عبدالسلام لاہوری (م ۱۰۳۷ھ) علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) ملا عبدالحکیم لکھنوی فرنگی محلی (۱۲۸۸ھ) کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں حضرت محدث سورتی نے بھی بیضاوی پر ایک مبسوط حاشیہ قلمبند کیا تھا لیکن طبع نہ ہو سکا حافظ افتخار ولی خان کے بیان کے مطابق قلمی نسخہ مولانا حبیب الرحمٰن رئیس اڑیسہ کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

حاشیہ جلالین (قلمی)

علامہ جلال الدین محلی (م ۸۶۴ھ) کی تصانیف میں تفسیر جلالین اہم ترین کتاب ہے۔ انہوں نے سورہ الکہف سے الناس تک اور سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی بعد میں علامہ عبدالرحمان جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے اس کی تکمیل کی۔ اتفاق سے جلالین کے دونوں مفسر شافعی المذہب تھے لیکن کتاب کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ہر

مکتب فکر کے علماء نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس کی شرحیں اور حواشی لکھے۔ درس نظامی کے نصاب میں یہ تفسیر شامل ہے برصغیر پاک وہند کے جن علماء نے اس پر حواشی لکھے ہیں اُن میں مولانا شیخ سلام اللہ (م ۱۲۲۹ھ) مولانا تراب علی لکھنوی (م ۱۲۸۱ھ) مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) علامہ روح اللہ حنفی نقشبندی (م ۱۳۱۷ھ) اور مولانا محمد ریاست علی حنفی کے نام قابل ذکر ہیں۔ حضرت محدث سورتی نے بھی اس تفسیر پر حاشیہ قلمبند کیا۔ لیکن درس وتدریس کی مصروفیات کی بناء پر اس کی طباعت کی جانب توجہ نہ دے سکے۔ اور آپ کے وصال تک قلمی صورت میں یہ آپ کے کتب خانے میں موجود تھا بعد میں مولانا سردار احمد لائلپوری اس کو طبع کرانے کی نیت سے لے گئے جیسا کہ علامہ محمود احمد قادری نے تذکرہ علماء اہلسنت میں لکھا ہے لیکن یہ ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔

تعلیقات سنن نسائی

امام ابو عبدالرحمٰن نسائی (م ۳۰۳ھ) ائمہ صحاح ستہ میں اہم شخصیت کے حامل ہیں اور تمام مشائخ وعلماء آپ کے تقدم اور امامت کا اعتراف کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ امام نسائی علم حدیث میں اپنے تمام ہم عصروں پر فائق تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے لکھا ہے کہ امام نسائی نقد رجال میں انتہائی محتاط، معتمد اور افضل تھے۔ آپ نے اپنے عہد کے نادر اور یگانہ روزگار مشائخ سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا اور پھر تمام عمر خدمتِ احادیث میں گزار دی۔ آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے۔ امام نسائی نے شدید مصروفیات کے باوجود متعدد کتب تصنیف کیں۔ آپ کی تصنیف نسائی ــــ کتب صحاح ستہ میں انتہائی اہم حیثیت رکھتی ہے۔ سنن میں امام نسائی نے صرف احادیث ہی کو جمع نہیں کیا بلکہ علل حدیث اور دیگر فنون حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اپنی تالیف فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ بعض مغربی محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب سنن امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کی صحیح